قرآن مجید پر ملحدین کے 100 اعتراضات کے جوابات

البرہان فی جواب منکر القرآن

مصنفین

حافظ ابن جنید، حکیم شاہجہان اقبال، شعیب احمد

اِدارہ تحقیقات

Al Burhan Fi Jawab Munkar Ul Quran
Writers : Hafiz Ibn-e- Junaid, Hakeem Shajehan Iqbal, Shoib Ahmed
Bismillah Book House 2022
346 p
Religions/Research

نام کتاب : البرھان فی جواب منکر القرآن
مصنفین : حافظ ابن جنید، حکیم شاہجہان اقبال، شعیب احمد
سال اشاعت : 2022ء
صفحات : 346
قیمت : 800.00 روپے

التماس: اللہ ربّ العزت کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتاب کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، اور طباعت میں حد درجہ احتیاط کی گئی ہے۔تاہم غلطی کا احتمال بہرحال باقی رہتا ہے۔ بشر ہونے کے ناطے اگر سہواً غلطی رہ گئی ہو یا صفحات درست نہ ہوں تو ناشر، کمپوزر، پروف ریڈر، طابع ہر قسم کے سہو پر اللہ غفور الرحیم سے عفو و درگزر کے درخواست گزار ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ کتاب میں اگر کہیں بھی غلطی یا خامی نظر آئے تو ازراہِ کرم مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں درستگی عمل میں لائی جاسکے۔ اِدارہ ''بسم اللہ بک ہاؤس'' کے متعلقین اپنے کرم فرماؤں کے تعاون کے لیے بے حد شکر گزار ہیں۔ (ناشر)

اسٹاکسٹ: **بسم اللہ بک ھاؤس**
اُردو بازار، کراچی

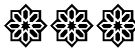
محمد خلیل ملک: 0312-2846175، 0303-2353839

فہرست

صفحہ نمبر	مضمون

مضمون	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	مضمون
253	۞ آسمان اور زمین علیحدہ ہیں یا جدا جدا؟
255	۞ اللہ کے سوا کوئی دوست ہے یا نہیں؟
258	۞ بنی اسرائیل بچھڑے کو پُوجنے پر نادم ہوئے یا جمے رہے؟
260	۞ قیامت والے دن اعمال اللہ ہاتھ میں دے گا یا پیٹھ پر رکھے گا؟
262	۞ حضرت عیسیٰؑ کی موت ہوئی یا وہ تشبیہ تھی۔؟
267	۞ انسان کی کتنی دفعہ زندگی اور موت ہے؟
269	۞ زمین وآسمان کیا پہلے سے موجود تھے یا بنائے گئے؟
270	۞ اللہ نے زمین وآسمان کو چھ دن میں بنایا یا اُسی وقت بنایا؟
278	۞ مجرم کون؟
280	۞ جب جادُو شر ہے تو حضرت موسیٰؑ نے اس کا کیوں مشورہ دیا؟
283	۞ کیا جانور بھی جہنم میں جائیں گے؟
285	۞ جب شہید زندہ ہے تو قیامت میں لوگ دوبارہ زندہ کیوں ہوں گے؟
288	۞ قیامت کے دن کون سفارش کرے گا؟
290	۞ جنّت کی چوڑائی کتنی ہے؟۔
293	۞ جنّت میں مرد بیویوں کے ساتھ ہوں گے یا حوروں کے ساتھ ہوں گے؟
296	۞ جب مومن سیدھا جنت میں جائے گا تو وہ جہنم میں سے کیسے گزر کر جائے گا؟
298	۞ کیا کافر ہمیشہ جہنم میں رہیں گے؟
301	۞ کیا یسوع (حضرت عیسیٰؑ) پوجے جانے کی وجہ سے جہنم میں جائے گا؟
303	۞ جہنم میں کھانا سوکھی گھاس ہوگی یا پیپ؟
306	۞ جب قبیلے شناخت کے واسطے بنائے تو بنی اسرائیل کو کیوں فضیلت دی سب جہانوں پر؟
309	۞ روزِ قیامت انسان اپنا بوجھ اُٹھائے گا یا جن کو گمراہ کیا، ان کا بھی؟
313	۞ انسان خود سیدھے راستے پر چل سکتا ہے یا اللہ کی مرضی کے تحت ہی چل سکتا ہے؟



تقریظ

دین اسلام مکمل اور منظم ضابطہ حیات ہے جس کی روشنی قرآن کی صورت میں تا صبح قیامت پھیلتی رہے گی ۔۔۔اس لاریب کتاب کی حقانیت منجملہ دیگر دلائل کے اس امر سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اسکی حفاظت کا ذمہ خود رب العالمین احکم الحاکمین نے لیا ہے۔اور 14 صدیوں سے یہ کتاب بغیر تحریف کے تاحال اپنی روشنی پھیلاتی چلی آرہی ہے۔چاند جب جوبن پر ہوتا ہے تو اسے دیکھ کر کتے بھونکتے ہیں لیکن اس کی تابانی میں فرق نہیں پڑتا قرآن کی روشنی سے جلنے والے اندھیرے کے متلاشی جب کسی اورزاویے سے قرآن کریم کو نہیں جھٹلا سکتے تو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کیلئے مختلف آیات کو قطع برید کر کے ملاتے ہیں اور ان میں تضاد بنا کر پیش کرتے ہیں تا کہ سادہ لوح شخص سمجھے کہ قرآن میں تضاد ہے۔

زیرنظر کتاب " البرھان فی جواب منکر القرآن" جس میں ملحدین کے آیات قرآنیہ پر 100 اعتراضات کے جوابات ہیں ۔حافظ ابن جنید اوران کے ساتھیوں کی بہت عمدہ کاوش ہے اس پرفتن دور میں جبکہ لوگ دین داری کو عیب تصور کرتے ہیں ان نوجوانوں کے جذبے قابل ستائش ہیں جنھوں نے دن رات ایک کر کے اس کار خیر کو انجام دیا۔اوراپنی استعداد کے مطابق جوابات دینے کی کوشش فرمائی۔ایں سعادت بزور بازو نیستیہ اللہ کا کرم ہے کہ جس نے ان سے دین کا یہ اہم ترین کام لیا۔اللہ پاک اسے نافع عالم بنانے اوراس نیک کام پر اپنی شان کے لائق اجر دیا فرمائے

دعا گو۔ مفتی محمد زاہد محمود مدنی آف جڑانوالہ
رئیس دارالافتاء زاہدیہ رضویہ انٹرنیشنل
03002920872

تقدیم

الحمدللہ الذی خلق سبع سموات و ارض و خلق حیوانا وحشرا تاو جمیع ھو فی الارض اما بعد ۔

آقائے دو عالم ﷺ پر سلامتی ہو جن کی امت میں ہمیں پیدا کیا گیا اور تمام اکابرین امت کی ارواح پر سلامتی ہو جن کے فیض سے یہ کام تکمیل کو پہنچا قارئین کرام 21 مئی 2020 کو مجھے میسج آیا قبلہ حکیم شاہجہان اقبال صاحب کی طرف سے کہ ایک ملحد نے فیسبک پر" احمدیت سے الحاد تک" کے نام سے گروپ بنا رکھا ہے جس میں لوگوں کو گمراہ کرنے کا سامان کر رہا ہے اسکا نام اسد واسر ہے اور اسکا دعویٰ ہے کہ وہ پہلے مسلمان تھا پھر احمدی ہوا پھر ملحد بن گیا اپنی تحقیق کے بلبوتے پر" اسی گروپ میں اس نے 50 مشہور قرآنی تضادات کے نام سے بطور چیلنج پوسٹ کر رکھی تھی جن کے جوابات لکھنے کی ہم نے ٹھان لی اور کام شروع کیا۔

23 مئی 2020 کو پہلا جواب مکمل ہو گیا قبلہ حکیم صاحب کو نظر ثانی کے لیے دیا جس کی کانٹ چھانٹ کر کہ اس ناقص و کمزور جواب کو کاملیت وتقویت سے نوازا بعد ازاں روزانہ اس پر کام تسلسل سے ہونے لگا حتی کہ اکیسویں اعتراض کا جواب لکھنے کے بعد چند مصروفیات کی بنا پر کچھ عرصہ اس کام سے میں الگ ہو گیا لیکن قبلہ کا جذبہ ویسا ہی رہا اور میری غیر موجودگی میں بھی کام جاری رہا مزید گفتگو سے قبل قبلہ کا تعارف پیش کرتا چلوں۔

آپ کا نام شاہجہان اقبال ہے آپ حکیم بھی ہیں اور علوم اسلامیہ میں ایم فل کیا ہوا ہے کوئی بھی شعبہ ہو سائنس، فلکیات، جغرافیہ، طب، منطق، فلسفہ ہر علم میں آپکی مہارت قابل ستائش ہے رد الحاد پر مجھ جیسا حقیر ناقص العلم والفھم کبھی بھی لکھنے کی سکت نہ رکھتا اگر آپکی صحبت اور معاونت شامل نہ ہوتی میرے الگ ہونے کے بعد انڈیا سے ایک نوجوان ساتھی محمد شعیب جو کہ درس نظامی کے ابتدائی طالب علم تھے وہ قبلہ کے ساتھ میری غیر موجودگی میں شامل ہو گئے اور محنت شاقہ سے کام تکمیل کی منزل پر گامزن ہو گیا اعتراض نمبر 41 کے جواب لکھنے کے وقت میں دوبارہ شامل

ہو گیا 5 جولائی 2020 کو یہ بھی تکمیل ہو پہنچا واپس آ کر معلوم ہوا کہ اس ملحد نے قسط نمبر 2 بھی پوسٹ کر دی ہے مزید 50 اعتراضات کے ساتھ جہاں کام تکمیل کو پہنچتا نظر آ رہا تھا وہیں پھر ابتدا نظر آنے لگی لیکن قبلہ نے ایسا جذبہ دیا کہ کام پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے ہونے لگا آخر کار 19 جولائی 2020 کو یہ کام تکمیل کو پہنچا تقریباً 2 ماہ کا عرصہ لگا جس میں ملحد کی سالوں کی باطل محنت خاک میں ملا دی گئی یہ جوابات مختلف جگہوں پر بطور کالم چھپتے رہے ہیں اس کام کی کمپوزنگ پر منیب چشتی صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں اور پروف ریڈنگ و جملہ مراحل بمع اشاعت کے لیے محترم خلیل ملک صاحب کا شکر گزار ہوں۔ قارئین کرام سے اس بات کی امید رکھتا ہوں کہ فقیر کو اور فقیر کے احباب کو دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

حافظ ابن جنید

یکم نومبر 2021



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(ملحدین کے 50 اعتراضات)

ترجمہ ''کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے'' (سورہ النّساء: آیت نمبر 82)

احباب فقرذرا اس ملحد کی دجل کاری ملاحظہ فرمائیں۔

سورۃ نساء کی آیت نمبر 82 کوڈ کرنے کے بعد اس نے قرآن مجید پر پچاس اعتراض گڑھنے کی ناکام کوشش کی اس کی دجل کاری ان شاء اللہ روز روشن کی طرح واضح ہوجائے گی۔

ملحدین کے اعتراض نمبر 1 کا تحقیقی جائزہ
کیا خدا زیادہ قسمیں کھاتا ھے؟

زیادہ قسمیں کھانے والا ذلیل ہوتا ہے۔(سورہ القلم: آیت نمبر 10)

اللہ نے خود بار بار قسمیں کھائیں ۔ (سورہ الشّمس: آیت نمبر 1 تا 7)

پہلا اعتراض کرتا ہے کہ قرآن میں سورہ قلم آیت نمبر 10 میں لکھا ہے کہ:

''زیادہ قسمیں اُٹھانے والا ذلیل ہوتا ہے۔جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بارہا قسمیں اُٹھائیں تو یہ تضاد ثابت ہو گیا لہٰذا یہ خدا کا کلام نہیں۔''

اس کی دجل کاری کو پہلے ایک جہت سے لکھتا ہوں پھر تضاد کی شرائط پر روشنی ڈالوں گا جس سے ابہام روز روشن کی طرح دور ہو جائے گا۔آئیں اب سورۃ قلم کی آیت نمبر 10 دیکھ لیتے ہیں:

وَلَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيۡنٍ

لفظی ترجمہ: و۔اور، لا۔نہیں، تطع۔تم اطاعت کرو، کل۔ ہر ایک، حلاف۔زیادہ قسمیں اُٹھانے والے کی، مھین۔ذلیل

اصطلاحی ترجمہ: ''آپ زیادہ قسمیں اُٹھانے والے ذلیل کی اتباع نا کریں''

یہاں پر معترض نے ''حلاف مھین'' کا ترجمہ مبتدا خبر کا کیا ہے جو کہ اسکی جہالت پر دال ہے ترکیب میں **حلاف مھین** مرکب توصیفی ہے یعنی قسم اُٹھانے والے شخص معین کو کہا گیا ہے نا کہ مطلقاً ہر قسم اُٹھانے والے کو ذلیل کہا گیا۔

''**کل حلاف مھین**'' یہاں پر کل حلاف سے مراد ہر قسم اُٹھانے والا نہیں بلکہ جھوٹی قسم اُٹھانے والے ہر شخص کی صفت مھین ذکر کی گئی چند نکات پیش کرتا ہوں:

لا تطع...... فی محل جزم جواب الشرط مقدر ای.ان ضل المکذبون فلا تطعھم (اعراب القرآن۔محمود صافی)

لاتطع، یہ مقدر شرط "**ان ضل المکذبون فلا تطعھم**" کا جواب شرط محل جزم میں ہے۔

تفسیر ابنِ کثیر میں ہے:

ثم قال تعالى: (ولا تطع كل حلاف مهين) وذلك أن الكاذب لضعفه ومهانته إنما يتقي بأيمانه الكاذبة التي يجترئ بها على أسماء الله تعالى، واستعمالها في كل وقت في غير محلها.

قال ابن عباس: *المهين الكاذب*. وقال مجاهد: هو الضعيف القلب. قال الحسن: كل حلاف: مكابر، مهين: ضعيف.

ترجمہ:

" پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا (**ولا تطع کل حلاف مھین**) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جھوٹا اپنی کمزوری اور ذلت کی وجہ سے صرف اپنی جھوٹی قسموں سے بچتا ہے جن کے ساتھ وہ خدا تعالیٰ کے ناموں کا ذکر کرنے کی جرات کرتا ہے اور انہیں ہر وقت استعمال کرتا ہے جب وہ اپنی جگہ پر نہ ہوں۔

ابن عباس نے کہا یہاں مھین سے مراد جھوٹ بولنے والا ہے۔اور مجاہد نے کہا وہ دل کا

کمزور شخص ہے۔حسن نے کہا **کل حلاف** سے مراد مغرور ہے،**مھین** سے مراد کمزور ہے۔"

مذکورہ تشریح سے معلوم ہوا کہ بہت زیادہ جھوٹی قسمیں کھانے والا مذموم ہے اور اسی کی اطاعت کرنے سے روکا گیا ہے۔

ممکن ہے معترض کہے کہ آپ نے یہ بات نحوی اُلجھن میں اُلجھا کے گول کرنے کی کوشش کی ہے۔مگر وہ اہلِ علم جو ان علوم کو جانتے اور دسترس رکھتے ہیں اس کے ایک ایک نکتے کے حق ہونے سے واقف ہیں اور معترض کی لاعلمی سے باخبر ہیں۔خیر آئیں اب اس نحوی استدلال سے آگے بڑھ کے اس بات کا قران مجید کی آیات سے بھی جائزہ لیتے ہیں کہ قران نے لفظِ ''**حلف**'' جو معترض نے سورہ القلم کی آیت نمبر 10 میں پیش کیا ہے اس سے کون مراد ہے:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ

حالانکہ بڑی چالاکی سے معترض نے صرف ترجمہ پیش کیا (وہ بھی درست نہ تھا) خیر اب آتے ہیں اس لفظ ''**حلف**'' کی طرف جو بطور قسم استعمال ہوا ہے کیا مطلقاً قسم کے معنی میں یا جو قسم جھوٹی یا توڑ دی جائے اس کے متعلق۔۔۔

کیونکہ لفظِ ''**حَلَفَ**'' قرآن کریم میں جن 13 مقامات پر استعمال ہوا ہے، بغیر کسی استثناء کے، تمام موارد میں یا جھوٹی قسم کیلئے استعمال ہوا ہے، اور یا قسم کھا کر توڑ دی گئی ہے ادھر مستعمل ہے اور اکثر موارد میں فعلِ ''**حَلَفَ**'' کی نسبت منافقین کی طرف ہے۔

علاوہ یہ کہ اِن میں سے گیارہ موارد میں یہ فعل، فعلِ مضارع کی صورت میں آیا ہے، جو کسی کام کے حادث ہونے اور مجدّداً انجام پانے پر دلالت کرتا ہے، یعنی فعلِ مضارع کی دلالت قسم کھانے والوں کے اپنی قسم پر ثابت قدم نہ ہونے پر ہے، جیسے

''وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ''[20]

اور وہ (منافقین) ہمیشہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ وہ بھی یقیناً تم مومنین سے ہیں، حالانکہ باطن میں تم سے ہم عقیدہ نہیں ہیں۔

قران مجید میں ایک جگہ پہ یہ فعل ماضی کے طور پہ آیا ہے وہ بھی قسم توڑنے کے معنی میں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے۔

اب آجائیں اس علمی بددیانتی کی طرف جس کو علمی اصطلاح میں سیاق وسباق سے کاٹنا کہتے ہیں۔

سورہ قلم کی آیت نمبر 10 معترض نے ترجمہ پیش کیا۔مگر اس کا سارا سیاق وسباق تج کر دیا۔اسے شاید یہ معلوم نہیں کہ قضیہ کے سچ اور جھوٹ میں پورا اقتباس کیا معنی رکھتا ہے۔قارئین کے لیے ایک مثال تاکہ سیاق وسباق کی اہمیت واضح ہو جائے جیسا کہ قران مجید میں ہے ''نماز کے پاس مت جاؤ'' اور دوسری جگہ ارشاد ''نماز قائم کرو'' اب بظاہر یہ تضاد ہے ویسا ہی جیسے معترض نے کیے ہیں،مگر اگر پہلی آیات کو اس کے مکمل سیاق وسباق میں دیکھے تو معاملہ صاف اور عیاں ہو جاتا ہے آئیں وہ آیت مکمل کونٹکسٹ میں دیکھے۔

''نماز کے پاس مت جاو نشے کی حالت میں'' اب چونکہ ''نشے کی حالت'' کے سیاق کو بغض اور حسد کے نشے میں پیش کیا گیا تھا اس لیے تضاد معلوم ہوا۔

آئیں اس سورہ کا جو معترض نے پیش کی اس کا سیاق وسباق میں جائزہ لیتے ہیں۔

سورہ قلم کی شروعات ''ن والقلم'' سے ہوئی اور ''و'' بھی عربی میں قسم کے طور پہ آتا ہے۔جب کہ آیت نمبر 10 میں قسم کے لیے لفظ ''حلف'' استعمال ہوا ہے خیر یہ بحث آگے چل کے مکمل کرلیں گے کہ معترض نے جو دو آیات پیش کیں اس میں دوسری سورۃ ''والشمس'' پیش کی اس میں صرف اردو ترجمہ کر کے قسم پہ جلدی جلدی اعتراض جڑ دیا یہ نہ دیکھا کہ یہاں قسم کے لیے کونسا لفظ استعمال ہوا۔۔۔۔۔۔ان شاءاللہ یہ مزید آگے چل کے دیکھ لیں گے۔تو بات ہو رہی تھی سیاق وسباق کی پہلی 4 آیات میں آپ ﷺ کی دل جوئی اور خلق کو بیان کیا پھر دیکھے آیت نمبر 8 کو

''فلا تطع المکذبین'' ''تو آپ جھٹلانے والوں کا کہنا نہ ماننا'' اب آگے چلیں آیت نمبر 10 کو جس کو سیاق سے توڑ کر اعتراض وارد کیا گیا وہ کیا ہے ''ولا تطع کل حلاف مھین'' اب اس کو آیت نمبر 8 کے سیاق وسباق سے دیکھے تو بات واضح اور عیاں ہو جائے گی کہ جھٹلانے والے یعنی سچ اور حق پہ جھوٹ باندھنے والے اس قدر جھوٹ میں آگے جانے والے کہ ''اکثر جھوٹی قسموں سے بھی گریز نہ کرنے والے''۔

اب بات صاف ظاہر ہے کہ آیت نمبر 10 میں انہی جھوٹوں کا ذکر ہے جو اکثر قسمیں

اُٹھاتے ہیں۔اب آپ اسی سورہ کو آخر تک پڑھ جائیں آپ کو پتا چل جائے گا کہ اُن کی مزید کیا کیا اور رزیل صفات بیان کی ہیں طوالت کے خوف سے پوری سورہ کا ترجمہ پیش نہیں کروں گا قارئین خود ملاحظہ فرمالیں۔

اب ایک اور انداز سے اس کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کیا یہ رزیل اور جھوٹے لوگوں ہی کا تذکرہ ہے یا یہ القابات کس کے لیے ہیں۔

اس آیت کے جتنے رزیل القابات بیان ہوئے ہیں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں''یہ تمام رزیل القابات ولید بن مغیرہ جو ان تمام وصف سے متصف تھا، کے لیے استعمال کیے گئے ہیں جو نبی آخر زماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گستاخ تھا، جھوٹا کذاب و بدبخت تھا''

(تفسیر قرطبی، رازی، نسفی وغیرہ)

ایک اور عربی تفسیر میں اس حوالے سے ملاحظہ فرمائیں کہ اس آیت کی کیا تشریح وتوجیح بیان کی گئی ہے۔

قال السعدی فی تفسیرہ: { وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ} أی: كثير الحلف، فإنه لا يكون كذلك إلا وهو كذاب، ولا يكون كذابًا إلا وهو {مُهِينٌ} أی: خسيس النفس، ناقص الهمة، ليس له همة فی الخير، بل إرادته فی شهوات نفسه الخسيسة۔

ترجمہ:

سعدی نے اپنی تفسیر میں کہا { وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ} یعنی زیادہ قسمیں اٹھانا، یقینا زیادہ قسمیں اٹھانے والا صرف بڑا جھوٹا ہی ہوگا اور بڑا جھوٹا صرف ذلیل شخص ہی ہوگا، یعنی ایک حقیر روح، جس میں توانائی کی کمی ہوتی ہے، بھلائی کی خواہش نہیں رکھتی، بلکہ اپنی روح کی حقیر خواہشات کی خواہش رکھتی ہے۔

آئیں اب ایک اور زاویے سے اس آیت کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ قسم درحقیقت ہے کیا۔کیا ہماری زندگی اور عام معاملات میں معاشرتی سطح میں قسم کیا ہے اور اس کی کونسی قسم معیوب اور کونسی جنس معتوب ہے۔اس کے لیے پہلے قسم کی تعریف دیکھتے ہیں علماء اصول کے نزدیک اس کی تعریف کیا ہے۔

قسم کی تعریف:

علّامہ محمد حسین طباطبائی نے "قَسَم" کی تعریف اِس طرح کی ہے:

"خبر اور اِنشاء میں سے کسی ایک کے، کسی دوسری ایسی چیز کے ساتھ، جو شرافت اور اَرزش کی قابلیت رکھتی ہو، ایک خاص طرح کا تعلّق اور ارتباط پیدا کرنا"۔

(حوالہ: المیزان فی تفسیرِ قرآن، ج6،ص)

اب اس تعریف کو نظر میں رکھیے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ قسم بذاتِ خود کیا ہے۔ جب انسان قسم اُٹھاتا ہے تو وہ شرافت اور اعلیٰ قابلیت رکھنے والی اشیاء سے ارتباط پیدا کر کے ایک خبر پیدا کرتا ہے۔ اب وہ بعض اوقات اس ارتباط کو مبنی بر کذب پہ منحصر رکھتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ کذب کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے لوگ اپنی اخبار کے لیے جھوٹی قسمیں اُٹھاتے ہیں جو حقیقتاً واقعہ کے خلاف ہوتی ہیں۔

اب معترض کی پیش کی گئی آیت **الشمس** کو دیکھیے **والشمس** "قسم ہے سورج کی" اب اس پوری آیت کو پڑھتے جائیں تو آپ پہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ کون کون سی قسم خلافِ واقعہ ہے اس اعتبار سے بھی معترض کا تضاد کسی بھی طور پہ ثابت نہیں ہوتا۔

اب آئیں ملحدین کی اس ڈومین اور جہت کو جو انہیں زیادہ مرغوب اور محبوب ہے اور وہ ہے عقلی اور منطقی آخر میں اس اعتبار سے بھی جائزہ لیتے ہیں تا کہ ہر اعتبار سے حجت تمام ہو جائے۔

منطقی جائزہ:

منطق کی تمام کتب میں دو قضیوں یا کہہ لیں دو باتوں کے درمیان نقیض یا تضاد ثابت کرنے کے لیے آٹھ شرائط ہونا ضروری ہیں۔ آئیں ان کا ایک مختصر مگر جامع جائزہ لیں تا کہ منطقی سطح پہ بھی ہم اس قابل ہو جائیں کہ کیا یہاں اور دیگر آیات میں تضاد ہے بھی یا نقصِ عقل اور علمی بد دیانتی کا وطیرہ ہے۔

دو قضیوں میں تناقض کے لیے آٹھ باتوں میں اتحاد ضروری ہے۔ جو وحدات ثمانیہ کہلاتی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

1۔ دونوں قضیوں کا موضوع ایک ہو۔

پس ''زید کھڑا ہے'' اور ''عمر کھڑا نہیں ہے'' ان میں تناقض نہیں، کیوں کہ دونوں کا موضوع ایک نہیں۔

2۔ دونوں قضیوں کا محمول ایک ہو.

پس ''زید کھڑا ہے'' اور ''زید بیٹھا نہیں ہے'' ان میں تناقض نہیں، کیوں کہ دونوں کا محمول ایک نہیں۔

3۔ دونوں قضیوں میں جگہ ایک ہو۔

پس ''زید مسجد میں بیٹھا ہے'' اور ''زید گھر میں نہیں بیٹھا ہے'' ان میں تعارض نہیں، کیوں کہ مکان ایک نہیں۔

4۔ دونوں قضیوں میں شرط ایک ہو۔

پس ''زید کی اُنگلیاں ہلتی ہیں اگر وہ لکھتا ہو'' اور ''زید کی اُنگلیاں نہیں ہلتی ہیں اگر وہ نہ لکھتا ہو'' ان میں تناقض نہیں، کیوں کہ شرط ایک نہیں۔

5۔ دونوں قضیوں میں نسبت ایک ہو۔

پس ''زید عمر کا باپ ہے'' اور ''زید بکر کا باپ نہیں ہے'' ان میں تناقض نہیں، کیوں کہ اضافت ایک نہیں۔

6۔ دونوں قضیوں میں جز وکل کا اختلاف نہ ہو، یعنی یا تو دونوں قضیوں میں کل پر حکم لگایا گیا ہو یا جز پر، ایسا نہ ہو کہ ایک قضیہ میں تو کل پر حکم لگایا گیا ہو اور دوسرے میں جز پر۔

جیسے ''یہ کھانا کافی نہیں'' یعنی سب کے لیے'' اور یہ کھانا کافی ہے'' یعنی بعض کے لیے۔ ان میں تناقض نہیں، کیوں کہ ایک کا حکم کل پر لگایا گیا ہے اور دوسرا جز پر۔

7۔ دونوں قضیوں میں قوت وفعل کا اختلاف نہ ہو، یعنی دونوں قضیوں میں محمول موضوع کے لیے یا تو بالفعل ثابت ہو یا بالقول، ایسا نہ ہو کہ ایک قضیہ میں محمول موضوع کے لیے بالفعل ثابت ہو اور دوسرے میں بالقول۔

جیسے ''یہ شیرۂ انگور شراب نہیں ہے'' یعنی بالفعل اور ''یہ شیرۂ انگور شراب ہے'' یعنی بالقول۔ ان میں تناقض نہیں ہے، کیوں کہ ایک حکم بالفعل ہے دوسرا بالقول۔

8۔ دونوں قضیوں میں زمانہ ایک ہو۔

پس ''زید دن میں پڑھتا ہے'' اور ''زید رات میں نہیں پڑھتا ہے'' ان میں تناقض نہیں ہے، کیوں کہ زمانہ ایک نہیں۔

ان سب شرائط کو بیان کرنا اس لیے ضروری تھا کہ تضاد کی لاعلم گردان رٹنے والے تضاد کی شرائط کو جان لیں تا کہ ان کا علمی معیار اس قابل ہو کہ وہ چیزوں کو ان کی اصل کے مطابق دیکھ سکیں۔اس آیت میں خود معترض کے نزدیک دوطرح کی قسمیں کھانے والے ہیں ایک ''انسان'' جس کا ذکر سورہ قلم 10 میں ذکر ہے۔اور دوسرا سورہ الشّمس میں قسموں ذکر ہے، جو اللہ کریم کی طرف سے ہیں تضاد کی شرائط کے مطابق کیا دونوں آیات ایک ہی جنس کے افراد کے متعلق ہے۔

کیا کوئی معقول آدمی اللہ اور مخلوق کو ایک جنس میں تصوّر کرسکتا ہے سوائے جہلاء اور علمی بد دیانتوں کے علاوہ یا جن کا بغض حد سے بڑھا ہو۔اس طرح تضاد کی ایک شرط سے یہ خارج ہو گی۔

اب انصاف پسند حضرات ان تمام تضادات کی شرائط کو سامنے رکھ کر جائزہ لیتے جائیں دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوجائے گا۔

ان شاء اللہ یہ صرف ایک تضاد کا جواب تھا اس میں مزید بھی بہت کچھ کہا جاسکتا تھا مگر اتنے پہ اکتفاء کیا گیا ہے۔ان شاء اللہ یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر2 کا تحقیقی جائزہ
کیا قرآن میں شک ہے؟

فَاِنۡ کُنۡتَ فِیۡ شَکٍّ مِّمَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ فَسۡـَٔلِ الَّذِیۡنَ یَقۡرَءُوۡنَ الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکَ لَقَدۡ جَآءَکَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ

ترجمہ: سو اگر تمہیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے تیری طرف اتاری تو ان سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں، بے شک تیرے پاس تیرے رب سے حق بات آئی ہے سو شک کرنے والوں میں ہرگز نہ ہو۔ (سورہ یونس، آیت نمبر 94)

ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡہِ ۚۛ ہُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ

ترجمہ: یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں (کہ کلامِ خدا ہے۔ خدا سے) ڈرنے والوں کی رہنما ہے۔ (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 2 تا 3)

ان دو آیات کو پیش کر کے معترض نے اعتراض اٹھایا ہے کہ ان میں بھی تضاد ہے۔ کہ ایک طرف کہا گیا اس میں شک نہیں اور دوسری طرف سورۃ یونس کی آیت نمبر 94 میں کہا کہ اس چیز میں شک ہے۔۔۔

علمی خیانت اور علمی بد دیانتی کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے۔ آدمی کو بغض اور حسد میں اس قدر بھی اندھا نہیں ہو جانا چاہیے کہ اسے سامنے کی پڑی چیز بھی نظر نہ آئے۔ آئیں اب اس کا علمی و تحقیقی جائزہ لیں کہ معترض کا اعتراض بنتا بھی ہے یا نہیں۔۔۔

پہلی آیت میں اللہ فرماتا ہے۔ ''لا ریب فیہ'' ''اس میں کوئی شک شبہ نہیں''

اب اللہ فرماتا ہے کہ اس کتاب یعنی قران کا وحی الہی ہونے میں کوئی شک نہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ معترض کوئی ایسی آیت ڈھونڈ لاتے جس میں واضح الفاظ میں ہوتا کہ ''اس میں شک ہے۔'' مگر وہ آیت دیکھے تضاد ثابت کرنے کے لیے کونسی لایا''

"سو اگر تمہیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے تیری طرف اتاری تو ان سے پوچھ لے جو

تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں، بے شک تیرے پاس تیرے رب سے حق بات آئی ہے سو شک کرنے والوں میں ہر گز نہ ہو۔"

اب کوئی عقل کے پیچھے لٹھ لے کر نہ پڑا ہو تو اسے سمجھایا جا سکتا ہے کہ اس میں تضاد نہیں بلکہ موافقت اور تائید پیدا ہو رہی ہے۔ کیسے آئیں دیکھتے ہیں۔

اگر اس میں شک ہے (کس میں شک ہے) جو تیری طرف نازل کی تو ان سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

اب اس ٹکڑے کو ذرا غور سے دیکھیے گا۔ کہ آیت حرف شرط "اِنۡ" "اگر" سے شروع ہو رہی ہے۔ اچھا جی شرط سے شروع ہو رہی ہے تو کیا؟

بھئی شرط سے شروع ہوئی ہے کہ اگر اس میں شک ہے تو پھر ان سے پوچھ جو پہلے کتاب دیئے گئے۔ اب یہاں کتاب میں شک کی بات کہاں سے آ گئی یہاں تو انسانی ذہن میں تشکیک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کتاب میں ہونا تھوڑی ہے۔ آئیں ایک اور آیت دیکھتے ہیں جو اس سارے مقدمے کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دے گی کہ اس کتاب کے وحی ہونے میں اگر شک ہے تو پھر یہ چیلنج بھی قبول کیا جائے

"وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورہ من مثلہ"

(ترجمہ) اور جو کلام ہم نے اپنے عبد (مقدس) پر نازل کیا ہے' اگر تم کو اس (کے منزل من اللہ ہونے) میں شک ہے تو اس جیسی کوئی سورت (بنا کر) لے آؤ۔ (سورہ البقرہ، آیت نمبر 23)

ایک اور جگہ اسی چیلنج کو نتیجے کے طور پہ یوں پیش کیا گیا ہے:

"فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ لَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَ قُوۡدُھَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَۃُ ۚۖ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ (۲۴)"

ترجمہ: پھر اگر نہ لا سکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لا سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار رکھی ہے کافروں کے لیے۔ (سورہ البقرہ، آیت نمبر 24)

اس چیلنج کو ہم عجمی تو کیا چودہ سو سال میں افصح عرب ادباء شعراء اور بڑے بڑے لسان العصر بھی قبول نہ کر سکے۔ آج کل کے زعمِ باطل رکھنے والے جو فصاحت و بلاغت تو کجا اردو سے درست آشنائی نہیں رکھتے وہ کیا اعتراض کر سکیں گیں۔

''کیا پدی کیا پدی کا شوربا''

مذکورہ بالا آیت سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کو اس میں شک تھا، اور سورہ بقرہ کی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ''اس میں کوئی شک نہیں ہے'' اس کا جواب یہ کہ فی نفسہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے ایسے مرتبہ پر ہے کہ اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی تر دد نہیں ہے، اور جو شخص بھی کھلے ہوئے ذہن اور بصیرت کی آنکھوں سے اس کو پڑھے گا یا بہ غور اس کلام کو سنے گا اس کو اس کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہوگا' اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی شخص اس میں شک نہیں کرتا بلکہ اس آیت کا مطب یہ ہے کہ اپنے واضح اور روشن دلائل کی وجہ سے یہ شک کا محل نہیں ہے اور اس میں تر دو کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس کے باوجود اگر کفار اور مشرکین اس میں شک کرتے ہیں تو اس کی وجہ ان کی بصیرت سے محرومی ہے' خواہش نفس کی اتباع' تکبر اور ہٹ دھرمی ہے' اور اپنے اباء و اجداد کی اندھی تقلید ہے' انہوں نے اپنے دماغ کے دریچے بند کر لیے ہیں اور وہ کسی نئی فکر کو اپنے ذہن میں آنے نہیں دیتے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ "فیہ" "ریب" کی صفت ہے اور" للمتقین "اس کی خبر ہے اور معنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یہ (کتاب) متقین کے لیے ہدایت ہے (سورہ البقرہ: آیت نمبر 2)

اب تضاد تو تب تھا کہ کتاب کے وحی نہ ہونے میں شک کے سامنے کتاب کے وحی ہونے میں شک ہوتا مگر آیت تو واضح بیان کر رہی ہے کہ یہاں انسانی ذہن میں مشروط شک کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ بھی ایک طریقے سے ایک تصدیق سے کافور ہو جاتا ہے کہ ''ان سے پوچھ لو جو کتاب پڑھتے ہیں۔''

اور ساتھ ہی آیت کے اگلے ٹکڑے میں اس پہلی آیت کی تصدیق ہوگئی جو معترض اپنی کم علمی کی وجہ سے تضاد کے طور پہ لایا تھا وہ بھی ذرا دیکھ لیں سورت بقرہ کی آیت میں ہے:

''لاریب فیہ''

اور سورت یونس اگلا ہی جو ٹکڑا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں۔

''لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ''

ترجمہ: ''بے شک تیرے رب کی طرف سے حق بات آئی ہے''

اب بتائیں یہ تو اوپر والی آیت کی تصدیق ہوگئی کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے اس میں

شک نہیں ہے۔

اب آیت کا آخری ٹکڑا بھی دیکھ لیجیے جو ساری آیت کا نچوڑ اور نتیجہ ہے کیا ہے وہ نچوڑ

"فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ"

ترجمہ: سو شک کرنے والوں میں ہرگز نہ ہو۔

ایک بار پھر پڑھ لیں کہ "ف" پس نتیجے کے طور پہ "لا" نفی کے معنی میں آتا ہے تکونن ہو جانا ممترین شک کرنے والوں میں۔

مگر کیا کیجیے معترض تو اب بھی شک میں ہے اس کے دماغ کا شک اسے کتابِ ہدایت میں نظر آ رہا ہے وہ اپنی تمام کوششیں کتاب میں خلل ڈھونڈنے میں لگا رہا ہے اپنے دماغ کے علاج کے لیے تیار نہیں ہے۔ غالب کا ایک مصرعہ تھوڑا تحریف کر کے پیش کرتا ہوں جیسا کہ معترض کو عادت ہے تحریفات کی مگر یہ تحریف عین نشانے پہ لگے گی۔

کہتے ہیں جسے بغض خلل ہے دماغ کا۔

جنابِ من آپ تو ابھی اردو سے پورے واقف نہیں عربی تو کجا کاش جناب جملہ شرطیہ کی تفصیل کسی اچھی اردو گرائمر سے پڑھ لیتے تو آپ کبھی اس طرح کے اعتراض کی جراءت نہ کرتے۔ بلکہ میں تو یہ بھی تجویز کروں گا کہ آپ کسی اردو کے استاد سے اچھی طرح اردو پڑھ لیں مسلمانوں سے خوف ہو تو کسی اور سے پڑھ لیں تا کہ تضاداتِ معنوی و لفظی کی پہچان کر پائیں۔

دوسرا اقتباس کو سیاق و سباق سے توڑ کر تو نہ جانے کچھ کا کچھ کیا جا سکتا ہے۔ مگر علمی حلقوں میں اسے خیانت اور بد دیانتی کے نام سے گردانا جاتا ہے۔

تیسرا مجمل بیان سے نتیجہ نکالنا بغیر تفصیل کو دیکھے۔

جملہ شرطیہ کے دو اجزاء ہوتے ہیں، 1-شرط-2-جزاء

اب سورت یونس کی آیت نمبر 94 میں شرط یہ ہے کہ "اگر شک ہو" یہ نہیں فرمایا کہ "ہاں شک ہے (نعوذ باللہ) پھر اس کا دوسرا جز ساتھ ملائیں تو پوری بات یوں بنتی ہے کہ

"سو اگر تمہیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے تیری طرف اتاری تو ان سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں، بے شک تیرے پاس تیرے رب سے حق بات آئی"

اس طرح اس کا دوسرا جز جو جزء کے طور پہ ہے کہ تو پھر جو پہلے کتابیں پڑھتے ہیں اور

جانتے ہیں کہ یہ بھی (تورات، انجیل، زبور) رب کی طرف سے ہیں اور قران بھی حق اور سچ ہے اللہ ہی کی طرف سے۔

پتانہیں کیوں معترض کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی یا وہ سمجھنا نہیں چاہتا۔

نوٹ:۔سورت یونس کے متعلق مفسرین کے اقوال۔میں سے راجح قول:۔

کما قال الالوسی (رح)۔

قیل الخطاب له (ﷺ) والمراد به امته او لکل من یسمع ای ان کنت ایها السامع فی شك مما انزلنا علی لسان نبینا الیك فاسال۔ الخ

یعنی اگر خطاب حضور (ﷺ) یک طرف ہے مگر اس سے مراد امت مرحومہ ہے یا ہر وہ شخص جو اس آیہ کریمہ کو سنے تو اس کے معنی یہ ہوئے اگ تو اے سننے والے شک میں ہے اس پر جو ہم نے نازل فرمایا زبان محمد مصطفیٰ پر تو پوچھ دیکھ ان سے جو اہل کتاب میں تجھ سے پہلے مثل ابن سلام، تمیم داری، کعب احبار وغیرہ کے۔آ گے ارشاد ہے:

"لقد جاء ك الحق من ربك۔ بیشک تیرے پاس آیا حق تیرے رب کی طرف سے تو نہ ہو تو ہر گز شک کرنے والوں سے اور ان سے نہ ہو جنہوں نے جھٹلائیں اللہ کی آیتیں تو ہو گا تو نقصان والوں سے بیشک وہ جن پر حق ہوگئی تیرے رب کی بات ایمان نہ ائیں گے اگر چہ آئیں ان کے پاس تمام نشانیاں جب تک نہ دیکھیں وہ دردناک عذاب"۔

(تصریح) شک اسے کہتے ہیں جس میں انسان کسی چیز کے ہونے اور نہ ہونے میں برابر یقین کرے۔خواہ وہ ایسی صورت میں ہوں کہ دونوں جانب کے قرینے برابر ہوں خواہ ایسے کہ دونوں طرف قرینہ ہی نہ ہو۔ چنانچہ محققین نے شک کو بھی جہل سے بتایا ہے اس میں یعنی جہل و شک میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے تو واضح وا کہ ہر شک جہل ہے اور ہر جہل شک نہیں۔

اسی لئے لقد جاء ك الحق میں ایک طرف فرمایا کہ براہین لائحہ اور آیات واضحہ سے اتنا روشن ہو چکا ہے کہ اس میں مومن کو مجال شک نہیں مگر جن کے لئے لوح محفوظ میں کفر ثابت ہے ان کی خبر ملائکہ (علیہم السلام) نے دے دی کہ وہ کافر ہی مریں گے اور ضغطہ موت کے وقت اگر وہ ایمان لائے بھی تو ان کا ایمان مثل فرعون ان کے لئے نافع نہیں ہوسکتا۔ کما قال الز مخشری فی روح المعانی۔

اب ہم ریب اور الشك میں فرق سمجھتے ہیں:

قرآن مجید کا ہر لفظ معجز ہے۔اس کے ہر ہر لفظ میں معانی ومفاھیم کے سمندر موجود ہیں ۔البتہ اتنا ضرور ہے کہ بعض الفاظ کی فصاحت و بلاغت واضح اور عام فھم ہے اور بعض کی مخفی اور مشکل الادراک ہے۔عجیب بات یہ ہے کہ مفسرین نے عموما جملوں کی فصاحت پر گفتگو کی ہے ۔مفردات کے اعجاز پر گفتگو نہ ہونے کے برابر ہے اور یہ صرف میرا خیال نہیں ہے بلکہ حضرت بنوری رحمہ اللہ نے یتیمۃ البیان میں بھی یہی رائے ظاہر کی ہے۔میں ایک عرصہ دراز تک دشت کتب کی خاک چھاننے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر بلاغت کے اسرار و رموز جاننے ہیں تو اس کے لئے کسی ایک آدھ تفسیر یا لغت کی کتاب کا مطالعہ کافی نہ ہوگا۔لہذا اب میں جو آپ کے سامنے رکھتا ہوں بظاہر یہ ایک دو لفظوں کے گرد ہونے والی گفتگو ہے لیکن درحقیقت ان کے پیچھے سینکڑوں بلکہ ھزاروں صفحات پر مشتمل تلاش وجستجو ہے۔

اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ کی پہلی آیت میں قرآن مجید کے شک وشبہ سے پاک ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں *لا رَيْبَ فيه* اب یہاں لفظ ریب استعمال کیا ہے یہاں یہ بھی کہا جاسکتا تھا *لا شك فيه* یا *لا شبهة فيه* تو ریب کا لفظ کیوں استعمال کیا؟

تو شبھۃ تو کہتے ہیں کے دو چیزیں رنگ وروپ یا وصف میں ایک جیسی ہوں جس کی وجہ سے پہچان دشوار ہو اور معاملہ خلط ملط ہونے لگے تو اس کے لئے شبھۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے اب یہاں معاملہ التباس یا خلط ملط کا نہ تھا بلکہ کفار کو قرآن کی حقانیت اور منجانب اللہ ہونے میں شک تھا اس لیے شبھۃ کے لفظ کا تو یہ محل ہی نہ تھا۔

البتہ شک کا لفظ یہاں استعمال کیا جاسکتا تھا بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیگر مقامات پر قرآن مجید میں شک وشبہ کا مفہوم بتانے کے لئے *شک* کا لفظ استعمال کیا ہے۔جیسے *وانهم لفي شك منه مريب* یا *وان كنت في شك مما انزلنا* وغیرہ آیات ہیں ۔تو یہاں ریب کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا اور وہاں شک کا لفظ کیوں استعمال ہوا۔اس کو سمجھنے کے لئے شک اور ریب کی حقیقت اور ان میں فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔

شک کہتے ہیں کہ جن دو چیزوں میں شک ہے وہ دونوں جانبیں شک کرنے والے کے نزدیک بالکل برابر ہوں اور وہ ان دونوں میں سے کسی بھی ایک جانب کو اختیار کرنے اور ترجیح

دینے کے قابل نہ ہو۔اگر اس کا خیال کسی ایک جانب راجح ہو جائے تو پھر وہ شک نہیں رہتا بلکہ جس جانب خیال راجح ہو گیا اسے ظن اور دوسری جانب کو وھم کہتے ہیں۔

اھل لغت کے نزدیک شک کے لفظ کا اصل معنی تداخل یعنی ایک دوسرے میں داخل ہونا ہے۔عرب کہتے ہیں*شککت بالرمح*یعنی میں نے نیزہ اس کے جسم میں داخل کر دیا۔اب یہاں بھی شک کرنے والا گویا کہ ایسے مقام میں داخل کر دیا گیا جہاں اس کو دونوں صورتوں میں سے کونسی صورت ہے۔اور کونسی جانب کو اختیار کرے اور کس کو چھوڑے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا لہٰذا اسے بھی شک کہا جانے لگا۔

ریب کا لفظ *ریب المنون* سے نکلا ہے۔المنون زمانے کو کہتے ہیں اور ریب سے مراد حادثات ومصائب تو زمانے کے حوادث کو بنیادی طور پر ریب کہتے تھے پھر چونکہ ان حادثات ومصائب سے طبیعت میں قلق و اضطراب اور شک پیدا ہوتا ہے۔اور بعض اوقات مسبب کا نام سبب پر رکھ دیتے ہیں تو شک واضطراب کو ریب کہا جانے لگا۔

پھر ریب کے بارے میں بعض حضرات کا خیال تھا کہ اس میں اور شک میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جب کہ محققین جیسے علامہ علامہ رازی،علامہ زیبدی،ابوحیان،العسکری۔ابن القیم وغیرہ نے مثالوں سے ثابت کیا کہ ان میں فرق ہے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ریب کا مرتبہ شک سے کم ہے۔وھم اور التباس کو ریب کہتے ہیں۔اس صورت میں تو بات واضح ہے کہ جب ادنی کی نفی کر دی جائے تو اعلی کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے۔گویا آیت میں یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ ایسی کتاب ہے جس میں شک تو کیا وھم کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

"ریب" کا معنی:

علامہ زیبدی (رح) لکھتے ہیں:

"ریب" کا معنی حاجت ہے' حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے کچھ یہودی گزرے' بعض نے کہا: ان سے سوال کرو' اور بعض نے کہا: "مارابکم الیہ" تمہیں ان سے سوال کی کیا حاجت ہے؟ اور ریب کا معنی شک اور تہمت بھی ہے' ابن الاثیر (رح) نے کہا ہے

کہ ریب اس شک کو کہتے ہیں جس میں تہمت کا عنصر شامل ہو' حدیث میں ہے: جس چیز میں ریب ہواس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کرو جس میں ریب نہ ہو' حضرت ابوبکر (رض) نے حضرت عمر (رض) کو وصیت کی: "علیك بالرائب من الامور" جس چیز میں بالکل شبہ نہ ہو اس کو لازم کرلو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت فاطمہ (رض) کے بارے میں فرمایا "یریبنی مایریبھا" جو چیز (حضرت) فاطمہ (رض) کو بے قرار کرتی ہے' وہ مجھے بے قرار کرتی ہے اور "تہذیب" میں ہے: شک مع تہمت کو "ریب" کہتے ہیں۔

(تاج العروس ج۱ ص ۲۸۳۔۲۸۲' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

قرآن مجید میں "ریب" کی نفی اور اثبات کا محمل:

شک کی حقیقت ہے: کسی چیز کا دل میں کھٹکنا اور دل کا مضطرب ہونا، شک کی ضد طمانیت ہے' آیت کا معنی یہ ہے کہ اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے میں' اس کی ہدایت اور ارشاد میں' فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے اس کے معجز اور بے مثال ہونے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔قرآن مجید میں ہے: (آیت)

"وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورہ من مثله"

(ترجمہ) اور جو کلام ہم نے اپنے عبد (مقدس) پر نازل کیا ہے' اگر تم کو اس (کے منزل من اللہ ہونے) میں شک ہے تو اس جیسی کوئی سورت (بنا کر) لے آؤ۔(سورہ البقرہ: آیت نمبر 23)

اس آیت سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کو اس میں شک تھا، اور پہلی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے' اس کا جواب یہ کہ فی نفسہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے ایسے مرتبہ پر ہے کہ اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے، اور جو شخص بھی کھلے ہوئے ذہن اور بصیرت کی آنکھوں سے اس کو پڑھے گا یا بہ غور اس کلام کو سنے گا اس کو اس کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہوگا' اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی شخص اس میں شک نہیں کرتا بلکہ اس آیت کا مطب یہ ہے کہ اپنے واضح اور روشن دلائل کی وجہ سے یہ شک کا محل نہیں ہے اور اس میں تردو کی کوئی گنجائش نہیں ہے،۔

اس کے باوجود اگر کفار اور مشرکین اس میں شک کرتے ہیں تو اس کی وجہ ان کی بصیرت سے محرومی ہے' خواہش نفس کی اتباع' تکبر اور ہٹ دھرمی ہے' اور اپنے اباء واجداد کی اندھی تقلید

ہے، انہوں نے اپنے دماغ کے دریچے بند کر لیے ہیں اور وہ کسی نئی فکر کو اپنے ذہن میں آنے نہیں دیتے۔اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ "**فیہ**" "**ریب**" کی صفت ہے اور "**للمتقین**" اس کی خبر ہے اور معنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: یہ (کتاب) متقین کے لیے ہدایت ہے (سورہ البقرہ: آیت نمبر 2)

ابوحیان رح لکھتے ہیں کہ ریب اس شک کو کہتے ہیں جو تھمت کے ساتھ ہو۔یعنی اس میں مخاطب پر شک کیساتھ ساتھ کوئی الزام اور تہمت لگائی جا رہی ہو۔اسی طرح علامہ رازی رح لکھتے ہیں اصل میں ریب اس شک کو کہتے ہیں جس کی بنیاد بدگمانی پر ہو۔

اسی وجہ سے اگر کسی کو سورج کے نکلنے میں یا بارش کے ہونے نہ ہونے میں شک ہو تو اسے مرتاب نہیں کہتے کہ وہاں بدگمانی اور تہمت نہیں پائی جا رہی۔

اب غور کیجئے کہ کفار کو قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے میں صرف شک نہ تھا بلکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس بات کی تہمت لگاتے تھے کہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود سے گھڑ لیا ہے۔جسے قرآن مجید نے *بل افتراہ* کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ اس شک وتہمت کی نفی فرماتے ہوئے لا ریب کا لفظ استعمال فرماتے ہیں کہ قرآن مجید ان شکوک واتہامات کا محل نہیں ہے۔ابن قیم نے بدائع الفوائد میں ریب اور شک میں چھ وجوہ سے فرق ذکر کیا ہے۔ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ریب اصل میں اس قلق، بے چینی اور اضطراب کو کہتے ہیں جو اطمینان قلب کی ضد ہے۔جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ حالت احرام میں ایک ھرن کے پاس سے گذرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا *ما یریبہ احد* کوئی بھی اسے بے چین اور مضطرب نہ کرے اب یہاں *ما یشکہ احد* کوئی اسے شک میں نہ ڈالے کہنا درست نہ ہوتا۔اسی طرح کہا جاتا ہے *رابنی مجیئیہ وذھابہ* اس کے آنے جانے نے مجھے مضطرب کر دیا۔اب یہاں *شککنی* کہنا درست نہیں ہے. وہ مزید لکھتے ہیں کہ شک کی ابتداء بے چینی سے ہوتی ہے لہٰذا ریب شک کے لئے مبداء (جس سے ابتداء ہو) کی حیثیت رکھتا ہے جیسے علم یقین کے لئے مبداء کی حیثیت رکھتا ہے۔انتھی۔پھر چونکہ تہمت لگانے والے کے دل میں بے چینی کی کیفیت غالب ہوتی ہے اس لئے اس شک کو جس کے ساتھ بدگمانی اور واضطراب پیدا کرتا رہے گا یہاں تک کے وہ تہمت لگانے کے درجے کو پہنچ جائیں گے۔

ملحدین کے اعتراض نمبر3 کا تحقیقی جائزہ
کیا اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کے پیروکار کی نجات ہوسکتی ہے؟

جوشخص اسلام کے سوا کسی اور دین کوتلاش کرے اسکا دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

(سورہ آل عمران، آیت نمبر 85)

ترجمہ: مسلمان یہودی صابی عیسائی جو بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اسے آخرت میں بے خوف ہوگا اور کوئی رنج وغم نہ ہوگا (سورہ البقرہ، آیت نمبر 62)

ان آیات میں مجھے نہیں علم کے اعتراض کیونکر بنتا ہے۔لیکن پھر بھی اگر اس سے دھوکہ دینے کی کوشش کی۔گئی ہے تو آئیں اس کو مزید کھول کر سمجھ لیتے ہیں۔پہلی بات جو اس ضمن میں سمجھنے والی ہے وہ یہ ہے کہ تم انبیاء علیہ السلام ایک ہی دین کی دعوت لے کر مبعوث ہوئے ہیں۔سب انبیاء علیہ السلام کی متفق الیہ دعوت لا الہ الا اللہ رہی ہے قران مجید نے اس کی جا بجا کی خبر اور تصدیق کی ہے۔اس کے علاوہ تمام انبیاء علیہ السلام کو جب نبوت عطا کی گئی تو قران مجید ان سے لیے ایک عہد کا ذکر ان الفاظ میں فرماتا ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ

ترجمہ: اور جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس رسول (آخرالزماں) آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمھیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اسکی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھیرایا) انھوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا (خدا نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

(سورہ آلِ عمران، آیت نمبر 81)

یہ عہد تو تمام انبیاء علیہ السلام سے لیا گیا کہ جب بھی آخری نبی حضرت محمد ﷺ تشریف لائیں گے تو ان پہ ایمان لانا اور ان کے مشنِ حق کی تصدیق کرنا سب پہ لازم ہے۔ اب اس عہد و میثاق کے تحت تمام انبیاء علیہ السلام اپنے اپنے پیروکاروں کو خبر دیتے آئے قرآن مجید اس پیغام کو بھی نقل فرماتا ہے۔

۱۔ پیغمبر اکرم (ﷺ) کی بعثت کے متعلق حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اس طرح بشارت دی ہے، قرآن کریم کے سورہ صف کی چھٹی آیت میں ذکر ہوا ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ۔

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ (علیہ السّلام) بن مریم علیہ السّلام نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے پہلے کی کتاب توریت کی تصدیق کرنے والا اور اپنے بعد کے لئے ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہے لیکن پھر بھی جب وہ معجزات لے کر آئے تو لوگوں نے کہہ دیا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ (سورہ الصفٰت، آیت نمبر 6)

ان آیاتِ بینات سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر پیغمبر کے پیرو جب تک اپنے پیغمبر کی تعلیمات پہ عمل پیرا رہی جن میں آخری پیغبر علیہ السلام کی تصدیق بھی شامل تھی۔ وہ چاہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے امتی ہوں چاہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امتی وہ مسلمان ہی تھے۔ مگر جونہی آخر الزماں پیغبر علیہ السلا تشریف لائے تو دیگر تمام امتیوں کی آپ ﷺ کی تعلیمات کی تصدیق لازم ٹھہری۔

اس پورے مقدمے کو سمجھنے کے بعد اب میں قارئین کی خدمت میں یہ بات پیش کرنا چاہتا ہوں کہ دراصل حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں ﷺ تک جو پیغام لائے جسے اسلام کہا جاتا ہے وہ ہے کیا؟ اس کے متعلق چند بنیادی اور اہم باتیں باتیں تا کہ بات واضح اور روشن ہو جائے۔

سوال: اسلام کیا ہے؟

جواب: اسلام کے معنیٰ عربی زبان میں اطاعت اور فرمانبرداری کے ہیں اور دین اسلام سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اسکے احکامات کی فرمانبردای ہے۔

سوال: دین اسلام کا نام ''اسلام'' کیوں رکھا گیا؟

جواب: کیونکہ دین اسلام کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنا ہے اس لئے اس کا اسلام رکھا گیا ہے۔

سوال: اسلام کے بنیادی عقائد کونسے ہیں؟

جواب: اسلام کے مندرجہ ذیل بنیادی عقاید ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان اور یہ کہ ان میں آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

۳۔ جملہ آسمانی (الہامی) کتابوں پر ایمان لانا جن میں آخری قرآن مجید ہے۔

۴۔ قیامت کے دن پر ایمان لانا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان لانا

قران مجید میں ہر جگہ ان تعلیمات کو واضح طور پہ بیان کر دیا گیا ہے۔

اب جو بھی شخص ان تعلیمات پہ عمل پیرا ہوگا۔ وہ مسلمان ہے اور جو ان سے انحراف اختیار کرے گا وہ اس دائرے سے خارج ہو جائے گا۔ اب چونکہ خود انبیاء علیہ السلام کی حیاتی میں بھی بہت سے لوگوں نے ان تعلیمات سے انحراف کیا اور کچھ نے بعد میں بھی تو قطع نظر وہ اپنے آپ کو کسی پیغبر کی طرف بھی منسوب کریں وہ صابی کہلائیں، نصاری کہلائیں یا خود کو یہود تسلیم کریں۔ ان پر یہ متفق علیہ عقائد جن کا اوپر ذکر گزرا ہے قبول کرنا ہی انہیں مسلمان بناتا ہے۔

اب آئیں ان دونوں آیات کی طرف جن میں معترض کو تضاد نظر آتا ہے۔ جو جناب کے علمی و تحقیقی نکتہ نظر کو پکار پکار کر بیان کر رہا ہے کہ جناب کس درجہ تحقیق کے میدان میں ملکہ ومہارت رکھتے ہیں۔ پہلی آیت میں اللہ فرماتا ہے۔

ترجمہ: جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے اسکا دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

(سورہ آلِ عمران، آیت نمبر 85)

اب جو تضاد کے طور پہ آیت پیش کی اسے دیکھ لیں۔

ترجمہ: مسلمان یہودی صابی عیسائی جو بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اسے آخرت میں بے خوف ہوگا اور کوئی رنج وغم نہ ہوگا (سورہ البقرہ, آیت نمبر 62)

اب میری سمجھ سے تو بالاتر ہے کہ ان دو آیات میں تضاد کہاں ہے۔ حالانکہ کہ اللہ رب العزت فرما رہا ہے کہ کوئی بھی ایک شخص وہ خود کو کسی نبی سے بھی منسوب کرے وہ مطلوبہ تعلیمات کی پیروی کرے جس کو تمام انبیاء علیہ السلام لے کر آئیں تو اسے ہی قبول کیا جائے گا۔ اور اللہ کے نزدیک یہی مصدقہ طور پہ دین حق، دینِ اسلام ہے۔

اب چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبعثت سے قبل کوئی خود کو صابی کہتا، نصاری یا یہود آپ کی بعثت کے بعد ان کی تعلیمات میں توحید سے لے کر ہر ہر پیغبر پہ ایمان لانا لازم تھا اس لیے اللہ فرماتا ہے کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ بھی ایمان لانے کے بعد گو وہ صابی ہو یا یہودی اس کو قبول کیا جائے گا کیونکہ یہی تو متفق دین ہے جسے ''اسلام'' کا نام دیا گیا ہے۔ اور تاریخ اس بات پہ شاہد ہے کہ بہت سے عیسائی، یہودی آپ کی بعثت سے قبل آپ کے منتظر تھے اور تبلیغ کے طور پہ اس پیغام کو آگے پہنچاتے رہتے اور ان میں سے بعض نے آپ صلی اللہ علیہ واسلم کی بعثت کے بعد آپ پہ ایمان لائے۔

بس انہی باتوں کو اللہ کریم نے مذکورہ بالا آیات میں پیش فرمایا جو معترض کو تضاد معلوم ہوتی ہیں۔ اصل میں معترض علمی منابع اور ماخذ سے واقف نہیں ہے۔ کاش کے وہ تاریخ کے متفق علیہ علم کو انسانوں کے ہاں ایک مستحکم علم کا منبع سمجھتا تو شاید اسے اس بات کو ازبر کرنے میں کوئی عار نہ محسوس ہوتی کہ کائنات کا جمِ غفیر ایک طرف اور وہ اکیلا ایک طرف کھڑا ہو کر تواتر کو جھوٹ ثابت کرنے کی کوششِ لاحاصل میں مبتلاء ہے۔

مثلاً سارے لوگ تو اس بات پہ متفق ہیں کہ پاکستان کا ایک شہر لاہور ہے اور وہاں یادگار بھی ہے اور یہ بات جاننے والے تواتر اور تسلسل میں ایک حقیقت کے طور پہ بیان بھی کرتے ہیں مگر یہ صاحب اس کے برعکس فرماتے ہیں کہ نا تو کوئی شہر لاہور نامی موجود ہے اور نہ کوئی یادگار اب ان کی اس ضد پہ سوائے مسکرانے پہ اور کیا کیا جا سکتا ہے۔



ملحدین کے اعتراض نمبر 4 کا تحقیقی جائزہ

کیا قرآن میں دو مشرق و مغرب ھیں؟

مشرق اور مغرب (سورہ البقرہ, آیت نمبر 142)

دو مشرق اور دو مغرب (سورہ االرحمٰن، آیت نمبر 17)

مشرقوں اور مغربوں (سورہ المعارج، آیت نمبر 40)

معترض کہتا ہے کہ ان تین آیات میں تضاد ہے ایک آیت میں اللہ کریم نے ایک مشرق اور ایک مغرب کا ذکر کیا، دوسرہ میں دو کا اور تیسری میں جمع کا، اس لیے یہ تو تضاد ہے۔ کاش کہ معترض جدید علم وفنون عموما اور علم جغرافیہ وفلکیات سے خصوصا واقف ہوتا تو اس اعتراض کی نوبت تو کجا وہ اللہ کی کارگری پہ اش اش کر اٹھتا مگر موصوف ایک ہی رٹ پہ قائم ہے کہ میں نہ مانوں اور میں نہ جانوں۔ بس ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' علم کی دنیا میں دعوی تصدیق کے لیے دلائل وثبوت کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔

خیر آئیں اس تضاد کا جائزہ لیں۔ مگر اس سے پہلے چند حقائق کا سمجھنا ضروری ہے۔ وہ فردًا فردًا دیکھ لیتے ہیں۔

سب سے پہلے جغرافیہ کی چند اصطلاحات کو سمجھنا ضروری ہے ان میں پہلی اصطلاح ''سمت''، ''جہت'' ہے۔ گو کہ ریلٹی ویٹی تھیوری کہ مطابق جگہ سے جگہ اور چیز سے چیز کی نسبت کے اعتبار سے اس کے اعتبارات بدلتے رہتے ہیں۔ ابھی اس سے بحث نہیں۔ صرف سمتوں کو سمجھنا کافی ہوگا۔

زمین کے سمت تعین میں چار بڑی سمتیں ہیں، مشرق، مغرب، شمال، جنوب یہ بنیادی اکائی ہے یا آسانی کے لیے کہہ لیں جنس کے اعتبار سے واضح تقسیم ہے۔ یہ تقسیم زمین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے اور جس خط سے یہ تقسیم کی جاتی ہے اسے خطِ استواء سے ماسوم کیا جاتا ہے آئیں دیکھتے ہیں یہ خط کیا ہے؟

خط استوا (Equator) گلوب یا دنیا کے نقشے پر اس کے بالکل درمیان سے کھینچا گیا ایک فرضی خط یا لکیر ہے۔ یہ خط ہماری دنیا کو شمال اور جنوب کی طرف بالکل دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ استوا عربی زبان میں برابر کو کہتے ہیں۔ خط استوا اور اس کے آس پاس کے علاقے زمین کے بالکل وسط میں ہونے کی وجہ سے خاص طرح کے موسم میں رہتے ہیں۔

اب قرانِ عظیم کی پہلی آیت کے عظیم انکشاف کو سمجھیے کہ اللہ نے یہاں ایک مشرق اور ایک مغرب کا ارشاد فرما کر چودہ سو سال پہلے ایک خطِ امتیاز جسے جغرافیہ کی زبان میں خطِ استوء کہتے ہیں اور اس آیت سے اس بنیادی اور سمتی تقسیم کی طرف صریحاً اشارہ فرما دیا سبحان اللہ عما یشرقون۔

اب آجائیں کہ اس بنیادی تقسیم سے اہل جغرافیہ کے علماء نے کیا فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس پوائنٹ آف ریفرنس سے کن چیزوں کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس سے پہلے میں قارئین کی نظر جغرافیہ کی دو اصلاحات خطِ سرطان اور خطِ جدی کو رکھنا چاہتا ہوں تا کہ قران عظیم کے تثنیہ کے صیغے کی حکمت ومعارفت سمجھ آ سکے۔

خط سرطان:-

زمین کی وہ حالت جب سورج خط استوا میں خط سرطان پر عموداً چمکتا ہے۔ یہ 22 جون کی کیفیت ہوتی ہے۔ سورج قطب شمالی کی طرف جھکا ہوتا ہے۔ اور قطب جنوبی سے ہٹا ہوا۔ شمالی نصف کرے میں جنوبی کرے سے مختلف صورت ہوتی ہے۔ جنوبی حصے میں سردیوں کا موسم ہوتا ہے اور شمالی کرے میں گرمیوں کا موسم ہوتا ہے۔ خط استوا پر دن رات برابر ہوتے ہیں۔ شمالی نصف کرہ میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ قطب شمالی 24 گھنٹے روشنی میں رہتا ہے۔ جس سے وہاں لگا تار دن رہتا ہے۔ جنوبی نصف کرے میں صورتِ حالات مختلف ہوتی ہے۔ یہاں سردیوں کا موسم ہوتا ہے۔ راتیں لمبی اور دن چھوٹے ہوتے ہیں۔ قطبِ جنوبی مسلسل تاریکی میں رہتا ہے۔ اس کا جنوبی مساوی خط جدی ہے۔

خط جدی:-

خط جدی (Tropic of Capricorn) عرض بلد کا ایک دائرہ ہے۔ اس کا شمالی مساوی خط سرطان ہے۔ راس الجدی وہ حالت جب آفتاب خط جدی پر عموداً چمکتا ہے۔ یہ صورت

22 دسمبر کو پیش آتی ہے۔ سورج قطب جنوبی کی طرف جھکا ہوتا ہے۔ اور قطب شمالی پر سے ہٹا ہوتا ہے۔ اس حالت میں نصف کرہ جنوبی میں گرمیوں کا موسم ہوتا ہے یعنی دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ قطب جنوبی 24 گھنٹے روشنی میں رہتا ہے۔ اس لیے وہاں لگا تار دن رہتا ہے۔ اس کے برعکس نصف کرۂ شمالی میں سردیوں کا موسم ہوتا ہے۔ راتیں لمبی اور دن چھوٹے چونکہ یہ حصہ سورج سے دور ہٹا ہوتا ہے۔ اس لیے قطب شمالی پر متواتر تاریکی چھائی رہتی۔

ان دونوں خطوط کی وضاحت اس لیے ضروری تھی کہ ہم اس بات کو سمجھ پائیں کہ ان خطوط پہ موسم کا تغیر کیا معنی رکھتا ہے۔ یعنی 22 جون جو موسم گرما کا گرم اور طویل دن ہوتا ہے اور 22 دسمبر سردیوں کا چھوٹا دن اور طویل رات کیوں ہے۔

ان دونوں خطوط جیسا کہ بیان کیا گیا دو مشرق اور دو مغرب کی طرف اشارہ ہے۔ کس طرح آیئے اس کو سمجھ لیں

1 - ایک تو خطے استواء سے ایک طرف سورج کے جھکنے سے گرمی دن کا بڑا ہونا اور ایک مقام سے نکلنا بعین دوسری خط کی طرف سے ہٹے ہونے کی وجہ سے مقامِ سورج کو اور جگہ سے نکلنا، موسم کا سرد اور دن کا چھوٹا ہونا

2 - ایک اور نکتہ سے دو مشرق اور دو مغرب کو سمجھے جب یہاں سورج غروب ہوتا ہے تو دیگر مما لک میں سورج طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔ اور جب یہاں طلوع ہوتا ہے تو دیگر مما لک میں غروب ہو رہا ہوتا ہے اس اعتبار سے دو مشرق اور دو مغرب ثابت ہو جاتے ہیں جو مبنی بر حقیقت ہے۔ آئیں اب اس آیت کو اس ریفرنس میں رکھ کر سمجھے تا کہ بات واضح ہو جائے۔

ترجمہ: ''(وہی) مشرقین (دو مشرق) اور مغربین (دو مغرب) کا رب ہے۔''

(سورہ الرحمٰن، آیت نمبر 17)

جغرافیے کی سائنس ہمیں یہ بتاتی ہے کہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور لیکن اس کے طلوع ہونے کا مقام سارا سال تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ سال میں دو دن، 21 مارچ اور 23 ستمبر، جو اعتدال ربیعی و خریفی (Equinox) کے نام سے معروف ہیں، ایسے ہیں جب سورج عین مشرق سے طلوع ہوتا ہے، یعنی خط استوا پر سفر کرتا ہے، باقی تمام دنوں میں عین مشرق سے قدرے شامل یا قدرے جنوب کی طرف ہٹ کر طلوع ہوتا ہے۔ موسم گرما کے دوران میں 22 جون کو سورج

مشرق کی ایک انتہا سے نکلتا ہے(خط سرطان پر سفر کرتا ہے) تو موسم سرما میں بھی ایک خاص دن، یعنی 22 دسمبر کو سورج مشرق کی دوسری انتہا سے نکلتا ہے۔(خط جدی پر سفر کرتا ہے)۔اس طرح سورج موسم گرما میں (22 جون) اور موسم سرما میں (22 دسمبر) کو مغرب میں دو مختلف انتہاؤں پر غروب ہوتا ہے۔

اس طرح ہم روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ دو مشرق اور دو مغرب کیا ہیں۔

آئیں اب اس آیت کا جائزہ لیں جہاں مشارق اور مغارب یعنی جمع کے صیغے کا ذکر ہوا ہے اس میں کیا حکمتیں اور کیا کیا راز موجود ہیں۔

فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ (٤٠)

ترجمہ: ''پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی''

(سورہ المعارج، آیت نمبر 40)

اس میں مشرق اور مغرب کی جمع کے لیئے مشارق اور مغارب کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو کہ جمع کے صیغے ہیں اور دو سے زیادہ کی تعداد کو ظاہر کرتے ہیں۔اب خط استواء کے عین مطابق ایک مشرق اور ایک مغرب پہ دلالت کرتی ہے دو انتہاؤں پہ دو مشرق اور دو مغرب کی طرف اشارہ ہے۔اور تیسرا پوائنٹ آف ریفرنس سے ایک انتہا کے درمیان سال کے 365 ایام کے اعتبار سے سورج کا طلوع و غروب جمع کے صیغے یعنی بہت سے مشارق اور بہت سے مغارب کی نشاندہی کرتا ہے۔

جغرافیے کی سائنس ہمیں یہ بتاتی ہے کہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور لیکن اس کے طلوع ہونے کا مقام سارا سال تبدیل ہوتا رہتا ہے۔سال میں دو دن، 21 مارچ اور 23 ستمبر، جو اعتدال ربیعی و خریفی (Equinox) کے نام سے معروف ہیں، ایسے ہیں جب سورج عین مشرق سے طلوع ہوتا ہے، یعنی خط استوا پر سفر کرتا ہے، باقی تمام دنوں میں عین مشرق سے قدرے شامل یا قدرے جنوب کی طرف ہٹ کر طلوع ہوتا ہے۔موسم گرما کے دوران میں 22 جون کو سورج مشرق کی ایک انتہا سے نکلتا ہے(خط سرطان پر سفر کرتا ہے) تو موسم سرما میں بھی ایک خاص دن، یعنی 22 دسمبر کو سورج مشرق کی دوسری انتہا سے نکلتا ہے۔(خط جدی پر سفر کرتا ہے)۔اس طرح سورج موسم گرما میں (22 جون) اور موسم سرما میں (22 دسمبر) کو مغرب میں دو مختلف انتہاؤں پر

غروب ہوتا ہے۔

اس طرح تینوں آیات میں تطابق اور بے شمار راز چھپے ہیں جو ایمان کے اضافے کے لیے معاون اور ممد ہیں لیکن اگر کوئی کجی آنکھ سے دیکھے تو اس میں اللہ کی آیات کا کیا قصور ٹیڑھا پن تو اسی کی آنکھوں میں اور دماغ میں ہے۔

اس پہ تھیوری آف ریلٹی ویٹی کے نظر سے بھی بات ہوسکتی ہے کہ کتنے مشرق اور کتنے مغرب ہیں۔مگر طوالت سے گریز اختیار کر کے اسی پہ اکتفاء کیا جاتا ہے۔

ایک عام آدمی کے لیے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت (البقرہ، آیت نمبر 142) میں تو جنسِ مشرق و مغرب مراد ہے جو قلیل وہ کثیر سب کو شامل ہے۔اور دوسری آیت (سورہ الرحمٰن، آیت نمبر 17) میں ہر یوم کی مشرق و مغرب کے اعتبار سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔کیونکہ روزانہ مشرق اور مغرب بدلتے رہتے ہیں، سال کے ایام کی تعداد کے مطابق تین سو ساٹھ (360) مشارق اور تین سو ساٹھ (360) مغارب ہیں، ابن عطیہ سے مروی ہے کہ ایک سو اسی (180) مشارق اور اتنے ہی مغارب ہیں، یا مطلق کواکب کے مشارق و مغارب مراد ہیں، اس لئے صیغۂ جمع لایا گیا ہے۔ اور تیسری آیات (المعارج 40) میں مشرق صفت وشتاء اور مغرب صفت وشتاء کے اعتبار سے صیغۂ تثنیہ استعمال کیا گیا ہے، گرمی و سردی کے مشرق و مغرب مختلف ہوتے ہیں، یا مشرقِ شمس وقمر اور مغربِ شمس وقمر کے اعتبار سے مشرقین و مغربین کہہ دیا گیا ہے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔



ملحدین کے اعتراض نمبر 5 کا تحقیقی جائزہ
اللّٰہ کی ذات سے فائدہ پہنچتا ھے یا نقصان؟

سورۃ النساء کی دو آیات میں معترض نے تعارض اور تضاد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

ترجمہ: اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے، کہہ دو کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ (سورہ انساء، آیت نمبر 78)

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۷۹

ترجمہ: اے مخاطب) تم کو جو اچھائی پہنچتی ہے سو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تم کو جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہاری ذات کی وجہ سے ہے' اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ (بطور) گواہ کافی ہے (سورہ انساء، آیت نمبر 79)

ان آیات کو پیش کر کے معترض نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان میں تضاد پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سوائے کم علمی اور قران کی فصاحت و بلاغت سے بے بہرہ ہونے کے کچھ نہیں۔ اس کے علاوہ سیاق وسباق سے آیات کو نہ دیکھنا بھی ایک سبب ہے۔

قران مجید کی فصاحت و بلاغت سے نابلد لوگ اسے تضاد اور تعارض سمجھ بیٹھتے ہیں۔ آئیں دیکھیے وہ کیسے۔۔۔۔۔

قرآن حکیم میں "اَلْحَسَنَة" اور "اَلسَّيِّئَة" کا مفہوم:

مفسرین کی اکثریت یہی کہتی ہے کہ یہاں "اَلْحَسَنَة" اور "اَلسَّيِّئَة" سے مراد نعمت اور مصیبت ہے، وہ اچھے یا بُرے اعمال نہیں جنہیں انسان اپنے اختیار سے انجام دیتا ہے۔ قرآن

مجید میں حسنات (بھلائیاں) اور سیئات (برائیاں) کے الفاظ دونوں قسم کے معنوں کے لئے آئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا:

اِنۡ تَمۡسَسۡکُمۡ حَسَنَۃٌ تَسُؤۡهُمۡ وَاِنۡ تُصِبۡکُمۡ سَیِّئَۃٌ یَّفۡرَحُوۡا بِهَا وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا یَضُرُّکُمۡ کَیۡدُهُمۡ شَیۡئًا

ترجمہ: ''اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو انہیں بُری لگتی ہے، اور اگر تمہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کے مکر تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔'' (سورہ آلِ عمران، آیت نمبر 120)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنۡ تُصِبۡکَ حَسَنَۃٌ تَسُؤۡهُمۡ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡکَ مُصِیۡبَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ وَیَتَوَلَّوۡا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ

ترجمہ: ''اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے تو وہ انہیں بُری لگتی ہے، اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں ہم نے تو پہلے ہی اپنا بندوبست کر لیا تھا، اور وہ خوش ہو کر لوٹ جاتے ہیں۔''

(سورہ التوبہ، آیت نمبر 50)

اب جیسا کہ قران مجید کی مذکورہ بالا آیات سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہاں جو آیت معترض نے پہلے پیش کی وہاں سیئہ اور حسنہ کا معنی وہ نہیں جو معترض نے اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا ہے بلکہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ مگر ہم نے بھی معترض کی طرح صرف دعوی ہی تو نہیں کر دیا اس کی کوئی دلیل بھی ہے تو آئیں اس کو بھی قران کے اپنے سیاق وسباق سے سمجھ لیتے ہیں۔ اسی آیت کا پچھلا ٹکڑا ملاحظہ فرمائیں۔

اَیۡنَمَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ؕ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَیِّئَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِکَ ؕ قُلۡ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَهُوۡنَ حَدِیۡثًا

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو گے موت تمہیں آ ہی پکڑے گی اگر چہ تم مضبوط قلعوں میں ہی ہو، اور اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے

ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے، کہہ دو کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔" (سورہ النساء، آیت نمبر 78)

اب اس آیت اور اس قبل کی آیت 71 سے 79 تک مطالعہ کیجیے سب عیاں ہو جائے گا یہاں صرف اپنے مقدمے کی دلیل کے لیے آیت نمبر 72,73 کو درج کروں گا۔

وَاِنَّ مِنۡكُمۡ لَمَنۡ لَّيُبَطِّئَنَّ‌ ۚ فَاِنۡ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالَ قَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَىَّ اِذۡ لَمۡ اَكُنۡ مَّعَهُمۡ شَهِيۡدًا (72)

ترجمہ: اور بے شک تم میں ایسا شخص بھی ہے جو (لڑائی سے) جی چراتا ہے، پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آجائے تو کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ نہ تھا۔

(سورہ النساء، آیت نمبر 72)

وَلَـئِنۡ اَصَابَكُمۡ فَضۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوۡلَنَّ كَاَنۡ لَّمۡ تَكُنۡۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ مَعَهُمۡ فَاَفُوۡزَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا (73)

ترجمہ: اور اگر اللہ کی طرف سے تم پر فضل ہو تو اس طرح کہنے لگتا ہے کہ گویا تمہارے اور اس کے درمیان دوستی کا کوئی تعلق ہی نہیں کہ کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا۔

(سورہ النساء، آیت نمبر 73)

اب ان آیات سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ یہاں سیاق وسباق کے اعتبار سے منافقین مصائب اور نعمتوں کو بیان کر رہے ہیں وگرنہ وہ یہ جملہ کیوں بیان کرتے دیکھیے ذرا آیت نمبر 78 میں

وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ‌ؕ

ترجمہ: اور جب انہیں مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں عندك "تیری طرف سے"

(سورہ النساء، آیت نمبر 78)

اس اعتبار سے تو منافقین یہ تو پھر اعمال کے متعلق نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف کر رہیں۔ جیسا کہ معترض اس کا معنی اعمال یا برائی لے رہا ہے حالانکہ منافقین اس سے مراد یہ نہیں لے رہے بلکہ وہ تو جہاد سے جی کترا رہیں ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لائے ہوئے دین کے متعلق برے شگون اور ان مصائب کا ذکر کر رہیں جن کو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم پر شاید ان تعلیمات کی وجہ سے

آ پہنچا ہے حالانکہ وہ منافقت سے کام لے رہیں ہیں۔ اللہ تعالی نے ان نعمتوں اور اس رستے میں آنے والی مصیبتوں کے متعلق فرمایا کہ ''کل عنداللہ'' یہ سب راحتیں اور مصیبتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ اور تمہاری خیر کے لیے ہیں وگرنہ یہ آزمائشیں نہ ہوتی تو کھرا اور کھوٹا، مومن اور منافق الگ الگ کیسے ہوتے اور ان کو تم سے الگ ہونا تمہارے لیے خیر ہے جو وقتی طور ممکن ہے کسی کو بھلا معلوم نہ ہو۔ اب یہاں یہ بات بھی سمجھنے والی ہے کہ یہاں مصائب فی نفسہ یا مطلق شر نہیں ہے۔ بلکہ اس کو چند ناعاقبت اندیشوں نے مطلقاً شر کے معنی میں یا بدی کے معنی میں استعمال کر کے تعارض پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں تو یہ بشکل مصائب ہیں جن کے سیئہ کا لفظ استعمال کیا۔ اللہ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا کہ رزق کی فراوانی ہو یا ثمرات کی بہتات، بارشوں کا نزول ہو یا قحط کا وبال، جان کا تحفہ ہو یا موت کا ذائقہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہیں۔

کیونکہ یہ سارے تکوینی معاملات ہیں ان میں انسان کا عمل دخل نہیں ہے، اس لیے یہ ''عنداللہ ہیں''

اب آجائیں اس آیت کی طرف جہاں سیئہ اور حسنہ میں سے حسنہ کی نسبت اللہ کی طرف ہے اور سیئہ کی نسبت انسانی نفس کی طرف ہے۔ جس کو معترض نے کہاں کہ پہلے تو اللہ سیئہ اور حسنہ کو اپنی طرف منسوب کر رہا ہے اور اگلے ہی حصے میں حسنہ کی نسبت اپنی طرف اور سیئۃ کی نسبت نفس کی طرف، یہاں ان دونوں کا کیا معنی لیا گیا ہے آئیں اسے بھی قرانِ عظیم سے دیکھتے ہیں۔

وہ عمال جن کا حکم دیا گیا ہے یا جن سے منع کیا گیا ہے ان کا ذکر بہت سی آیات میں ''اَلْحَسَنَة'' اور ''اَلسَّيِّئَة'' کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ مثلاً:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

''جو'' ''اَلْحَسَنَة'' (بھلائی) لے کر آیا تو اس کے لئے اس سے بہتر بدلہ ہے اور جو ''اَلسَّيِّئَة'' (بُرائی) لے کر آیا تو بُرائیاں کرنے والوں کو اس کا بدلہ ملے گا جو وہ کرتے تھے۔''

(سورہ القصص، آیت نمبر 84)

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ

ترجمہ:''بے شک الحسنات (نیکیاں) السیئات (برائیوں) کو ختم کر دیتی ہے۔سبق حاصل کرنے والوں کے لئے اس میں بہت بڑا سبق ہے۔'' (سورہ الھود، آیت نمبر 114)

اورفرمایا:

فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

ترجمہ:''پس اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی برائیوں کونیکیوں میں تبدیل کر دے گا، اوراللہ تعالیٰ ہمیشہ سے غفوراوررحیم ہے۔'' (سورہ الفرقان، آیت نمبر 70)

ان آیات میں ''اَلْحَسَنَة'' (بھلائی) سے مراد نیک عمل اور ''اَلسَّیِّئَة'' (بُرائی) سے مراد بُرے عمل ہیں یاان سے پیدا ہونے والے نتائج ہیں۔''

ان قرانی آیات سے ثابت ہو گیا کہ یہاں سیئہ کے معنی برے کام اور حسنہ کے معنی اچھے کام ہیں۔

برے کام کی نسبت کونفس کی طرف نسبت دی گئی ہے جوارادہ واختیار کا مرہونِ منت ہے کیونکہ انسان کا ارادہ واختیار بھی بنفسہ ارادہ واختیار اللہ کا فضل ہے جیسے زندگی پہ انسان کا کوئی حق نہیں تھا اللہ نے اپنے فضلِ محض سے اسے زندگی عطا کی ویسے ہی اللہ نے انسان کواختیار کا بھی حق عنایت فرمایا۔اب اعمال کے معاملے میں یہ سراسر اخلاقی مسئلہ بن جاتا ہے۔میں چاہوگا اسے پوری شرح وبست سے سمجھ لیاجاے تا کہ کوئی ابہام نہ رہے۔

اخلاقی مسئلہ۔اس لیے کہا کہ''اختیار کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ہر اثر سے متاثر ہوکر اقدام کر سکے''

اب اختیاری فعل اخلاقی محل میں صادر ہوتا ہے۔وہ کیسے آئیں اسے بھی دیکھ لیں۔اخلاقی محل سے کیا مراد ہے پہلے اسے دیکھیں۔

اخلاقی محل یہ ہے کہ انسان میں خواہش اور فرض کے درمیان کشمکش واقع ہو۔خواہشات کا تعلق جبلت سے ہے جن کو فی نفسہ پورا کرنا کوئی شر نہیں یعنی یہ دیکھا جائے گا کہ خواہش کے پورے کرنے میں آزادی استعمال کی گئی ہے اور فرض کو تج کر دیا گیا ہے تو اب اس میں شر اور برائی کا عنصر پیدا ہو جائے گا۔آگے بڑھنے پہلے میں اختیاری ارادی فعل کے عناصر آپ کے سامنے رکھنا

چا ہو گا۔

1 ۔خواہش اور فرض میں کشمکش 2 ۔غور وخوض 3 ۔عزم 4 ۔انتخاب ونیت 6 ۔نتیجہ

اب جبکہ ارادہ اختیار میں ایک طرف فرض ہے اور دوسری طرف خواہشات کی تکمیل بنا کسی ضابطے کے تو اب یہ تمام عناصر پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں یا تو فرض اس عمل کی پشت پہ کھڑا ہو گا یا خواہش دونوں میں غور وخوض بھی ہو گا۔ وہ فرائض کی بجا آوری یا خواہش کی تکمیل دونوں کے غور کرے گا۔

عزم:۔ جب غور حوض کے مرحلے گزرے گا تو تو دونوں میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہو گا اور بڑھ کر انتخاب کر کے اس کی تائید کا عزم کرنا ضروری ٹھہرے گا چونکہ اس کے بغیر فعل صادر ہونا ممکن نہیں۔

نیت کا انتخاب:۔اگر نیت خواہش کی تکمیل کے ارادے سے مکمل ہو گا یعنی اخلاقی حقوق کی خلاف ورزی تو فعل پر بدی کا اطلاق ہو گا اور اگر فرض کی بجا آوری کے لیے تو عنوان نیکی ہو گا۔ کیونکہ کا سب یعنی عمل کرنے والے کو انتخاب کے معاملے میں اختیار وارادے کی آزادی دی گئی ہے۔

تکمیل:۔عزم کے بعد فعل کی تکمیل یا تو حکم کی بجا آوری یا پامالی

نتیجہ:۔اب ان اعمال کا نتیجہ بذاتہ خود ایک عمل ہے جو اللہ کے ہاں سے نیکی کے نتیجہ میں مزید نیکی یا نعمت کی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور برائی کی صورت میں مزید برائی یا سزاء کی صورت میں پیدا ہوتا ہے کیونکہ انسان اسے اپنے اختیار اور ارادے سے خود منتخب کرتا ہے اس لیے یہ شرِ مطلق یا خیرِ مطلق بن جاتا ہے اس لیے شرِ مطلق کی نسبت نفس کی طرف کی گئی ہے۔اور خیرِ مطلق کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف کیونکہ اللہ ہر شے کا خالق ہے تو وہ انسان کے ارادے اور اختیار کے انتخاب کے بعد اس کے عمل کو بھی تخلیق فرما دیتا ہے اور اس کے نتیجے کو بھی اور یہی اللہ کا قانون ہے جو قرانِ مجید میں جا بجا ارشاد ہوا ہے اس کی ایک سادہ مثال حفظانِ صحت کے اصولوں سے لگا سکتے ہیں کہ جو ان کو اختیار کرے گا صحت مند رہے گا اور جو ان سے روگردانی اختیار کرے گا وہ بیمار ہو جائے گا۔حالانکہ بیماری اور صحت کو پیدا تو اللہ ہی فرماتا ہے مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی صحت کے اصولوں کو تج کرے اور وہ نتیجہ نہ دیکھے۔

خیر یہاں یہ ثابت ہو گیا کہ مذکورہ بالا آیات میں کہی بھی تضاد اور تعارض نہیں ہے۔ بلکہ میں نے معترض کے پہلے اعتراض میں دو قضیوں یا دو باتوں یا دو جملوں کے درمیان تضاد، تعارض، تناقض کی آٹھ شرائط بیان کی تھی کہ ان آٹھ شرسئط کا تضاد کے لیے ہونا شرط ہے طوالت کے ڈر سے میں ان میں سے صرف ایک یہاں بیان کیے دیتا ہو وہ ہے کہ۔

دو قضیوں کے درمیان جنس کا ایک ہونا لازم ہے مگر ان آیات میں پہلی آیت میں حسنہ اور سیئہ کے معنی اور اور دوسری آیت میں اس کے معنی اور اب تضاد کی شرط قائم نہ رہی تو تضاد کہاں رہا فصیل قارئین پہ ہے۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 6 کا تحقیقی جائزہ کیا خدا کے چاہنے سے کفر اختیار ہوتا ہے یا انسان کا اپنا ختیار ہوتا ہے؟

وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۔فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ

ترجمہ:اورتم فرمادو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہےتو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ (سورۂ الکہف،آیت نمبر 29)

وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ(۲۹)

ترجمہ:اورتم کچھ نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے جوسارے جہانوں کارب ہے۔

(سورۂ التکویر،آیت نمبر 29)

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیداء کور کو کیا نظر آے وہ کیا دیکھ

ان دونوں آیات کو پیش کر کے معترض نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان میں تعارض وتضاد ہے یعنی پہلی آیت میں ایمان اور کفر کے معاملے میں چاہت کو بندے کی طرف منسوب کیا ہے اور دوسری آیت میں تمام تر معاملات کے چاہنے کا اختیار خود کی طرف منسوب کیا ہے۔آئیں اس کا علمی جائزہ لیں۔تھوڑے سے غور اور تفکر کے ساتھ پہلی آیت سے معلوم ہوجا تا ہے کہ اللہ فرمارہا ہے کہ یہ حق خود اللہ کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے کونسا حق کا وہ حق ہے ارادہ اور اختیار کا حق (ارادہ واختیار پہ اعتراض نمبر 5 پہ سیر حاصل گفتگو موجود ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں) اور یہ بھی اللہ ہی نے چاہا کہ انسان کو ارادہ واختیار کا حق دیا جائے تا کہ وہ چاہے تو اپنے ارادے اور اختیار سے ایمان قبول کرے یا کفر۔

اب دوسری آیت کو ملاحظہ فرمائیں اس میں اللہ نے اپنے ارادے اور اختیارِ مطلق کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اللہ کے چاہنے کے بغیر کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ کچھ چاہ سکے۔کیوں کہ جس

طرح حیات وزندگی اللہ کا فضلِ محض ہے کسی کو اس کا حق نہیں تھا کہ وہ خود پیدا ہو اسی طرح اختیار اور ارادہ بھی اللہ کا فضلِ محض اور حق ہے جو اس نے انسان کو دیا وگرنہ انسان فی نفسہ اس کا حقدار نہ تھا۔اس لیے اللہ نے فرمایا اللہ کے چاہنے کے بغیر کوئی کس طرح چاہ سکتا ہے اور ساتھ اپنی ربوبیت کی صفت بھی بیان فرما دی۔اب کوئی عقل کا اندھا ہی ہوگا جو ان دونوں آیات میں تضاد سمجھے۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 7 کا تحقیقی جائزہ
"جدید سائنسی نظریات" کے مطابق
کیا قرآن میں قیامت کی مدت کے متعلق تضاد ہے؟

قرآن میں قیامت کے دن کی مددت کے متعلق تضاد ہے ملحدین کے جھوٹ کا جواب

'' قرآن کریم میں ذکر ہوا ہے کہ اللہ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے، ایک دوسری آیت قرآنی کہتی ہے کہ ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے، تو کیا قرآن اپنی ہی بات کی نفی نہیں کر رہا؟''

قرآن کریم کی سورہ السجدہ اور سورہ الحج میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی نظر میں جو دن ہے، وہ ہماری دانست کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔:

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ (٥)

ترجمہ: '' کام کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اسی کی طرف رجوع کرے گا اس دن کہ جس کی مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں۔'' (سورۃ السجدہ، آیت نمبر 5)

ایک اور آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ کے نزدیک ایک دن تمہارے پچاس ہزار سال کے برابر ہے، ارشاد باری تعالی ہے۔:

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (٤)

ترجمہ: '' ملائکہ اور جبریل اس کی بارگاہ کی طرف عروج کرتے ہیں وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے'' (سورۃ المعارج، آیت نمبر 4)

ان آیات کا عمومی مطلب یہ ہے کہ اللہ کے وقت کا موازنہ زمینی وقت سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی مثالیں زمین کے ایک ہزار سال اور پچاس ہزار سال سے دی گئی ہیں۔ بالفاظ دیگر اللہ کے نزدیک جو ایک دن ہے وہ زمین کے ہزاروں سال یا اس سے بھی بہت زیادہ عرصے کے برابر

ہے۔

''یوم'' کے معنی: ان تینوں آیات میں عربی لفظ ''یوم'' استعمال کیا گیا ہے۔جس کا مطلب ''ایک دن'' کے علاوہ ''طویل عرصہ'' یا ''ایک دور'' بھی ہے، اگر آپ یوم کا ترجمہ عرصہ (Period) کریں تو کوئی اشکال پیدا نہیں ہوگا۔

ان دونوں آیات میں کم فہمی کی بنیاد پہ تعارض پیدا کرنے کی سعی لا حاصل کی گئی ہے اور یہاں بھی وہی لاعلمی حائل ہے جو اس سے قبل آیات کے اعتراض میں تھی بہرکیف آئیں اس کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں۔پہلی بات تو یہ کہ ان دو آیات میں تعارض اس وقت پیدا ہوتا جب دونوں آیات کے اجزاء ایک ہی طرح کے ہوتے مثلاً کیوں کہ یہاں تعارض وتضاد وقت (Time) کے اعتبار سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے حالانکہ اس بات کے تعین کے بنیاد اصول دیکھے ہی نہیں گئے۔پہلے تو وقت کی تعریف سے اعراض برتا گیا۔دوسرا وقت کے تعین کے لیے مقام کا درست فہم سامنے نہیں رکھا گیا تیسرا جس شے نے ایک خاص وقت یا مقدار میں کوئی فاصلہ طے کیا اسے پسِ پشت ڈالا گیا۔

آئیں ان کا فرداً فرداً جائزہ لیں۔قران مجید نے ان آیات سے پہلے تو یہ منکشف کیا کہ وقت کوئی مطلق شے نہیں ہے بلکہ یہ ایک اضافی شے ہے۔اس کی اضافت کے بدلنے سے اس کا وقت اور دورانیہ مختلف ہوسکتا ہے۔چونکہ جدید تھیوری کے مطابق بھی وقت کوئی مطلق شے نہیں ہے بلکہ یہ اضافی شے ہے۔اس تھیوری کے بانی آئن سائن ہیں جنھوں نے ''نظریہ اضافت'' کو پیش کر کے وقت کے مطلق ہونے کو چیلنج کیا ہے۔اور تین ابعاد میں ایک چوتھا بعد ''زماں'' ایڈ کر کے ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔

اب زماں کیا ہے؟

''زماں حرکت کی مقدار کا نام ہے'' اور حرکت کا مطلب یہ کہ ہر جسم ہر لمحہ متغیر ہو رہا ہے۔

ان مذکورہ بالا آیات کو بھی اگر آپ دیکھے تو ایک آیت کچھ یوں ہے۔

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ (٥)

ترجمہ: ''کام کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اسی کی طرف رجوع کرے گا اس دن کہ

جس کی مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں۔''(سورہ السجدہ، آیت نمبر 5)

اب اس آیت کے مقام کو دیکھیں السماء سے الارض تک معارج طے کرنے کی نسبت جب طے کرنے والے کی طرف کی تو ''ایک یوم'' اور ہماری گنتی میں وہ ''ایک ہزار سال'' کس مقام سے کس مقام تک اسے ذہن میں رکھے اور وہ کونسی شے ہے اور اس کی حرکتِ مقدار کیا ہے اسے بھی فرضی طور پہ ذہن میں رکھ کر اگلی آیت کی طرف بڑھے۔

تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ إِلَيۡهِ فِيۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِيۡنَ أَلۡفَ سَنَةٍ (۴)

ترجمہ: ''ملائکہ اور جبریل اس کی بارگاہ کی طرف عروج کرتے ہیں وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے''(سورہ المعارج، آیت نمبر 4)

پہلی آیت میں مقام آسمان سے زمین تک اور مقدار ایک ہزار سال اب دوسری آیت میں اللہ کی بارہ گاہ تک مقدار پچاس ہزار سال وہ بھی ہماری نسبت کے اعتبار سے۔

اب بتائیے تعارض کہاں ہے۔آئیں اب دیکھ لیں آئن سائن اس پہ کیا کہتا ہے

''آئن سٹائن نے بتایا ہے کہ نظری اور تجربی دونوں قسم کے وجوہات کی بنا پر مطلق زمان اور مطلق مکان کا تصور نا قابل قبول ہے۔مثلاً پہلے اس جملے کو لیجیے کی فلاں فلاں دو واقعات ایک ہی وقت میں رونما ہوئے۔اگر یہ واقعات ایک ہی جگہ پر ہوں اور ایک ہی نظام میں ہوں، یعنی اگر مشاہد ساکن ہوں یا یکساں سیدھی رفتار سے حرکت کر رہے ہوں تو ''ہم وقتی'' کا ایک معین تصور کرلیا جاسکتا ہے اور اس کی واضح اور غیر مبہم تعریف کی ہوجاسکتی ہے۔لیکن یہ تعریف اس وقت کام نہیں دے سکتی جبکہ نظام مختلف ہوں اور واقعات مختلف مقاموں پر رونما ہو۔''

اب بتائیے کہ ناسمجھ پتا نہیں کس دنیا میں رہتے ہیں اور پتا نہیں کونسے وہموں کو پالے پھرتے ہیں چلو قران سے تو ان کا بغض سہی مگر دیگر کتب سے بھی یہ عاری ہیں۔اب قران مجید کی اس آیت کو ملاحظہ فرمائیں جہاں اللہ تعالی نے حضرت عزیر پر نیند طاری کی اور دو نظاموں جو اللہ کی طرف سے نشانی دیکھانے کے لیے طاری کیے گئے کیا تھے۔

اَوۡ كَالَّذِىۡ مَرَّ عَلٰى قَرۡيَةٍ وَّ هِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا‌ۚ-قَالَ اَنّٰى يُحۡىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا‌ۚ-فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ‌-قَالَ كَمۡ لَبِثۡتَ‌-قَالَ لَبِثۡتُ يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ‌-قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَةَ عَامٍ فَانۡظُرۡ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمۡ

يَتَسَنَّهْۚ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًاؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲۵۹)

ترجمہ: یا (کیا تم نے) اس شخص کو (نہ دیکھا) جس کا ایک بستی پر گزر ہوا اور وہ بستی اپنی چھتوں کے بل گری پڑی تھی تو اس شخص نے کہا: اللہ انہیں ان کی موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟ تو اللہ نے اسے سو سال موت کی حالت میں رکھا پھر اسے زندہ کیا، (پھر اس شخص سے) فرمایا: تم یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے ہو؟ اس نے عرض کی: میں ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم وقت ٹھہرا ہوں گا۔ اللہ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ تو یہاں سو سال ٹھہرا ہے اور اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ اب تک بدبودار نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو دیکھ (جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں) اور یہ (سب) اس لئے (کیا گیا ہے) تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے ایک نشانی بنادیں اور ان ہڈیوں کو دیکھ کہ ہم کیسے انہیں اٹھاتے (زندہ کرتے) ہیں پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں تو جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہو گیا تو وہ بول اُٹھا: میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 259)

اس طرح کے دیگر واقعات خصوصاً اصحاب کہف، حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں بلقیس کا تخت، لیلۃ القدر کی رات کا ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہونا، اور دیگر واقعات موجود ہیں کہ زماں و مکاں کے بدلنے سے وقت اور مقدار گھٹتی بڑھتی ہے اور یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔

اب اس پہ بھی جدید سائنس کا موقف ملاحظہ فرمائیں۔

آئن سٹائن نے مثالیں دے کر بتایا ہے کہ واقعات کا ہم وقت ہونا ایک اضافی چیز ہے۔ ایک مشاہد زید کے لئے جو واقعات ہم وقت ہوں، ضروری نہیں کہ دوسرے مشاہد بکر کے لیے بھی وہ ہم وقت ہوں، بلکہ یکے بعد دیگرے ہو سکتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وقت کے بہاؤ کی شرح کا بھی ان دونوں کے لیے یکساں ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر دو واقعات کے درمیان زید کی گھڑی ایک گھنٹے کا واقعہ ظاہر کرے تو یہ ممکن ہے کہ انھی دو واقعات کے درمیان بکر کی گھڑی میں ایک گھنٹے سے زیادہ وقفہ معلوم ہو۔ اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وقت کوئی مطلق چیز نہیں بلکہ اضافی ہے ہر مشاہد کا ایک خاص ذاتی وقت ہوتا ہے اور اگر دو مشاہد ملحوظ ایک دوسرے کے اضافی حرکت کر رہے ہوں تو ان کے وقت بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے۔

اس کے بعد کیا رہ جاتا ہے مگر نشانیاں عقل والوں کے لیے ہیں۔اندھوں کے لیے کوئی دلیل کوئی ثبوت قابلِ قبول نہیں مگر ایک بات یاد رکھیں آفاق کو انفس کی نشانیاں انسان پہ واضح کر دے گی کہ وہ اللہ ہے قادرِ مطلق ہے اللہ فرماتا ہے

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ-اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ(۵۳)

ترجمہ: ابھی ہم اُنہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور خود اُن کے آپے میں یہاں تک کہ ان پر کُھل جائے کہ بے شک وہ حق ہے کیا تمہارے رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں۔

(سورۂ حم السجدہ، آیت نمبر 53)

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر8 کا تحقیقی جائزہ آپ ﷺ کو استغفار کا حکم کیا آپ ﷺ کے رحمت ہونے کے منافی ہے؟

ملحدین نے یہ دو آیات پیش کی ہیں کہ ایک میں حضور ﷺ کو اللہ نے رحمت بنا کے بھیجا اور دوسری آیت میں آپ ﷺ کو ذنب کے استغفار کا حکم دیا۔ (اللہ معاف فرمائے ان لاعلمی کے بہتانوں سے)

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۔

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں تمام جہانوں کیلئے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا۔

(سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 107)

فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِبۡكَارِ

ترجمہ: توتم صبر کرو، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنوں کے گناہوں کی معافی چاہو اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے صبح اور شام اس کی پاکی بولو۔ (سورۃ المومن، آیت نمبر 55)

سورۃ فتح کی ایک آیت اس معاملے کو سمجھنے کے لیے پیش خدمت ہے۔

لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا (۲) وَّيَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِيۡزًا (۳)

ترجمہ: تاکہ اللہ تمہارے صدقے تمہارے اپنوں کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے اور اپنا انعام تم پر تمام کردے اور تمہیں سیدھی راہ دکھادے۔ اور اللہ تمہاری زبردست مدد فرمائے۔

(سورۃ الفتح، آیت نمبر 2 تا 3)

(یہاں بھی بہت سے لوگوں نے اس وجہ سے ٹھوکر کھائی کہ وہ ذنبک سے مراد آپ کے ذنب سمجھ بیٹھے، معاذ اللہ) بلکہ خود نفس عبارت گواہ ہے کہ یہ جسے ذنب فرمایا گیا ہرگز حقیقۃً ذنب بمعنی گناہ نہیں۔ (اگر کسی کا خیال ہے کہ یہ آپ ﷺ کی طرف نسبت ہے تو)

ماتقدّم سے کیا مراد لیا، وحی اترنے سے پیشتر کے، اور گناہ کسے کہتے ہیں، مخالفتِ فرمان کو، اور فرمان کاہے سے معلوم ہوگا، وحی سے۔ تو جب تک وحی نہ اتری تھی فرمان کہاں تھا جب فرمان نہ تھا مخالفتِ فرمان کے کیا معنی، اور جب مخالفتِ فرمان نہیں تو گناہ کیا۔

جس طرح ماتقدم میں ثابت ہولیا کہ حقیقۃً ذنب نہیں۔ یوں ہی ماتاخر میں نقد وقت ہے قبل ابتدائے نزول فرمان جو افعال جائز ہوئے کہ بعد کو فرمان ان کے منع پر اترا اور انہیں یوں تعبیر فرمایا گیا حالانکہ ان کا حقیقۃً گناہ ہونا کوئی معنی ہی نہ رکھتا تھا۔ یونہی بعد نزول وحی وظہور رسالت بھی جو افعال جائز فرمائے اور بعد کو ان کی ممانعت اُتری اسی طریقے سے ان کو ماتاخر فرمایا کہ وحی بتدریج نازل ہوئی نہ کہ دفعۃً۔

اب جب کہ یہ نسبت آپ کی طرف ہے بقول معترض تو پھر یہ ذنب (گناہ) ثابت ہی نا ہوسکا تو پھر اس کی معنویت کیا رہ جاتی ہے۔ ان دونوں آیات میں پہلی جہاں ''لذنبک'' اور دوسری فتح کی آیت ''لیغفر لک'' واضح اشارہ ہے کہ آپ استغفار کیجیے مگر ان کے لیے جو آپ سے وابستہ ہو گئے اور انہوں نے معصیت میں زندگی گزاری اپنی جانوں پہ ظلم کیا۔ یہ بات کس حد تک ہمارے موقف کو صحت کے ساتھ دلیل بخشتی ہے آیئے اسے بھی دیکھ لیں۔

بلکہ آیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تو صاف قرینہ موجود ہے کہ خطاب حضور سے نہیں، اس کی ابتداء یوں ہے:

فاعلم انہ لا الہ الا اللہ واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنٰت

جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی معافی چاہ۔

(سورہ محمد، آیت نمبر 19)

تو یہ خطاب اُس سے ہے جو ابھی لا الہ الا اللہ نہیں جانتا ورنہ جاننے والے کو جاننے کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے، تو معنی یہ ہوئے کہ اے سُننے والے جسے ابھی توحید پر یقین نہیں کسے باشد توحید پر یقین لا اور اپنے اور اپنے بھائی مسلمانوں کے گناہ کی معافی مانگ۔

اسی طرح ایک واضح آیت سورۃ النساء آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو اس موقف کو روزِ روشن کی طرح عیاں کردے گی۔

وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ وَ لَوۡ اَنَّہُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ

جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا-

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو اے حبیب! تمہاری بارگاہ میں حاضر ہوجاتے پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (بھی) ان کی مغفرت کی دعا فرماتے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، مہربان پاتے۔ (سورۂ النساء، آیت نمبر 64)

اس آیت سے دو باتیں بالکل واضح ہوگئی ایک یہ کہ کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا گیا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اب جب یہ بات جو نافہم اور ناعقل بیان کرنے کی لاحاصل کوشش میں ہیں کہ معاذاللہ رسول سے بھی ذنب (گناہ) سرزد ہوجاتا ہے تو پھر معصیت میں بھی اطاعت لازم ٹھہرے گی معاذاللہ یہ کیسی بے سندی بات ہے اور کیسا عظیم بہتان ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں کی طرف منسوب کر رہیں ہیں۔

دوسری بات کہ یہاں جو ظلم اور جو زیادتی آپ کے ماننے والوں سے ہوئی اس پہ اللہ نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے استغفار کا حکم دیا جو آیت سے واضح ہے۔

کیوں غلاموں کی نسبت آقا ہی کی طرف ہوتی ہے اس لیے انہیں کے گناہوں کی معافی کے لیے آپ کو حکم ہوا کہ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کیجیے یہاں آیت کو تھوڑا سا غور سے دیکھا جائے تو اللہ نے واضح فرمایا "**جاءوك فاستغفروا الله**" آپ کی بارگاہ میں آجائیں اور اللہ سے استغفار کریں۔ اب آگے کے ہی حصے کو ذرا دیکھے "**واستغفر لهم الرسول**" اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کریں۔ انبیاء علیہ السلام تو ہیں ہی معصوم عن الخطاء اور اس پہ امت کا اجماع ہے۔ انبیاء علیہ السلام تو ملائکہ سے بھی عظیم المرتبت ہیں اب فرشتوں سے معصیت کے متعلق سوچنا تو جہالت کے سواء کچھ نہیں مگر اس کے باوجود وہ بھی استغفار کرتے ہیں کس لیے اور کس کے لیے؟ آئیں اسے بھی قران سے ہی سمجھتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْاۚ-رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (۷)

ترجمہ: عرش اٹھانے والے اور اس کے اردگرد موجود (فرشتے) اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس

کی پا کی بیان کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمانوں کی بخشش مانگتے ہیں ۔اے ہمارے رب! تیری رحمت اور علم ہر شے سے وسیع ہے تو انہیں بخش دے جو توبہ کریں اور تیرے راستے کی پیروی کریں اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔(سورۃ المومن، آیت نمبر 7)

فرشتے بھی مومنین کے لیے استغفار کر رہیں ہیں جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو حکم ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہاں اللہ نے آپ ﷺ کو اپنی امت کے لیے استغفار کا حکم دیا۔اور اگر کوئی ہٹ دھرمی سے پھر بھی نہیں باز آتا اور وہ یہی رٹ لگائے ہوئے کہ یہاں نسبت انہیں کی طرف ہے۔تو پھر بھی وہ نرا جاہل ہے کہ قران کے اسلوب اور عربی گرائمر سے نابلد وہ کیسے آئیں دیکھ لیں اس تناظر سے بھی

’’دونوں آیۃ کریمہ میں صیغہ امر ہے اور امر انشا ہے اور انشا وقوع پر دال نہیں تو حاصل اس قدر کہ بفرض وقوع استغفار واجب نہ یہ کہ معاذ اللہ واقع ہوا، جیسے کسی سے کہنا اکرم ضیفک اپنے مہمان کی عزت کرنا، اس سے یہ مراد نہیں کہ اس وقت کوئی مہمان موجود ہے نہ یہ خبر ہے کہ خواہی نخواہی کوئی مہمان آئے گا ہی بلکہ صرف اتنا مطلب ہے کہ اگر ایسا ہو تو یوں کرنا۔‘‘

آئیں اس بات کو مزید ایک اور زاویے سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جو علماء نے سمجھائی جو خالصتاً عربی زبان کو سمجھے بغیر ممکن نہ تھا مگر معترضین کو تو اردو ٹھیک نہیں آتی خیر اس زاویے کو بھی دیکھ لیں۔

علم کی دنیا کا ایک مسلمہ قاعدہ اور اصول ہے

اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال

ترجمہ: جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

سورہ مومن و سورہ محمد ﷺ کی آیات کریمہ میں کون سی دلیل قطعی ہے۔ کہ خطاب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے، مومن میں تو اتنا ہے۔:

واستغفر لذنبك-

اے شخص اپنی خطا کی معافی چاہ کسی کا خاص نام نہیں کوئی دلیل تخصیص کلام نہیں،

قرآن عظیم تمام جہاں کی ہدایت کے لیے اترا نہ صرف اس وقت کے موجودین بلکہ قیامت تک کے آنے والوں سے وہ خطاب فرماتا ہے،

اقیموا الصلوۃ

نماز برپا رکھو۔ یہ خطاب جیسا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تھا ویسا ہی ہم سے بھی ہے اور تا قیامِ قیامت ہمارے بعد آنے والی نسلوں سے بھی۔

اسی قرآن عظیم میں ہے:

اس کے علاوہ میں ایک اور تناظر بھی آپ کے سامنے رکھوں گا وہ تقریباً زبانوں میں پایا جاتا ہے عربی لیے لے، انگلش دیکھ لیں، فارسی اٹھالیں، یا اپنی زبان اردو ہی لے لیے، اردو کی علم البیان کی کتب میں یہ درج ہے کہ ایک صنعت پائی جاتی ہے جسے ''حسنِ تعلیل'' کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی شے کی کوئی علت بیان کرنا اس کی بے شمار اقسام۔ ہیں میں طوالت کے ڈر سے ان میں سے صرف ایک کو بیان کرتا ہوں اور وہ ہے ''جز کو بول کر کل مراد لینا'' اب اس اعتبار سے بھی آپ کلامِ مجید کے اسلوب کو دیکھے تو بات روزِ روشن کی طرح ہو جاتی ہے۔ کہ یہاں اصل نسبت کا محمول کون ہیں جیسا کہ اوپر کی تمام بحث سے عیاں ہو گیا ہے۔ اس لیے ان دو آیات میں تعارض اور تضاد موجود نہیں ہے۔

اس کے علاوہ ارادی اختیار کے طور پہ جب بھی کوئی اپنے اختیار کا استعمال کرتا ہے تو اس فعل پہ جزاء و سزاء وارد ہوتی ہے۔ اس کے متعلق اعتراض نمبر 5 میں اس کی مکمل بحث ہے وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 9 کا تحقیقی جائزہ
پہلے مسلمان کون تھے؟

معترض نے جوجن آیات کا ترجمہ اپنے اعتراضات میں پیش کیا وہ درج ذیل ہیں ایک تو یہ مکمل سیاق وسباق سے کٹا ترجمہ ہے دوسرا یہ ترجمہ بھی بالکل پہلے پیش کردہ ترجموں کی طرح ڈنڈی مار ہے اس لیے اس کا جواب صرف یہ ہے کہ انہیں یہاں واضح کردیا جائے لائن کے اوپر معترض کا پیش کردہ ترجمہ اور لائن کے نیچے آیات کے متن اور حوالہ کے ساتھ ترجمہ پیشِ خدمت ہے موازنہ قارئین خو کرلیں

پہلے مسلمان محمد تھے (سورہ التحریم، آیت نمبر 12)

ابراہیم اور اسکی اولاد تھی (سورہ البقرہ، آیت نمبر 132)

عیسیٰ اور اسکے حواری تھے (سورہ آلِ عمران، آیت نمبر 52)

وَ مَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ (۱۲)

ترجمہ: اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی طرف کی روح پھونکی اور اس نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور فرمانبرداروں میں ہوئی۔ (سورہ التحریم، آیت نمبر 12)

وَ وَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ-یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۱۳۲)

ترجمہ: اور اسی دین کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے یہ دین تمہارے لئے چن لیا تو نہ مرنا مگر مسلمان۔

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 132)

فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ-قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ

اَنۡصَارُ اللّٰہِۚ اٰمَنَّا بِاللّٰہِۚ وَ اشۡہَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ(۵۲)

ترجمہ: پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر پایا بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف، حَواریوں نے کہا ہم دینِ خدا کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے، اورآپ گواہ ہوجائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔(سورہ آلِ عمران، آیت نمبر52)



ملحدین کے اعتراض نمبر 10 کا تحقیقی جائزہ

مومنین کس کو سجدہ کرتے ہیں یا پوجتے ہیں؟

معترض نے یہ دو آیات پیش کر کے یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ ان میں تضاد اور تعارض پایا جاتا ہے تھوڑا سا عقل سے کام لیتے تو انہیں خبر لگ جاتی کہ یہاں تو تضاد کی بو تک نہیں ہے۔ آئیں اس کا جائزہ لیں

وَ لِلّٰہِ یَسۡجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ دَآبَّۃٍ وَّ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ ہُمۡ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ(۴۹)

ترجمہ: اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں چلنے والا ہے اور فرشتے اور وہ غرور نہیں کرتے۔ (سورۃ النحل، آیت نمبر 49)

وَ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمۡلِکُ لَہُمۡ رِزۡقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ شَیۡئًا وَّ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ(۷۳)

ترجمہ: اور اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں جو انہیں آسمان اور زمین سے کچھ بھی روزی دینے کا اختیار نہیں رکھتے نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ (سورۃ النحل، آیت نمبر 73)

ان دو آیات میں معترض کہتا ہے کہ ایک آیت میں اللہ فرماتا ہے ''اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو کچھ زمین میں چلنے والا ہے''۔ اور دوسری آیت میں ہے کہ ''اور اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں''

تھوڑا غور کرتے اور عقل سے کام لیتے اور کسی لغت سے دابۃ کا معنی ہی دیکھ لیتے تو شاید اتنا بڑا اعتراض کرنے کی ضرورت نہ پڑتی مگر کیا کیجیے عقل ہو تو ہی، خیر آئیں پہلے دیکھتے ہیں کہ یہ دابۃ کیا شے ہے۔

دابۃ کا مادہ اور معنی:-

دابۃ۔ مادہ د ب ب۔ الدب والدبیب (ضرب) کے معنی آہستہ چلنے اور رینگنے کے ہیں یہ لفظ حیوانات اور زیادہ تر حشرات الارض کے متعلق استعمال ہوتا ہے یہ لفظ گو عرف عام میں خاص کر

گھوڑے پر بولا جاتا ہے مگر لغت ہر حیوان یعنی ذی حیات چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے قرآن مجید میں اور جگہ ہے واللہ خلق کل دابۃ من ماء اور خدا نے ہر چلتے پھرتے جانور کو پانی سے پیدا کیا۔

اب ان چلنے والوں سے مراد زمین کے جانور، حشرات، حیوانات ہیں جو اللہ کو سجدہ کرتے ہیں مگر اگر کوئی روگردانی کرتا ہے تو وہ انسان ہے۔اس سے پہلے کہ آگے بڑھا جائے قران مجید سے لفظ دابۃ کی چند مثالیں تا کہ بات کھل جائے

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (۴)

ترجمہ: اور تمہاری پیدائش میں اور جو جو جانور وہ پھیلاتا ہے ان میں نشانیاں ہیں یقین والوں کے لیے۔ (سورۂ الجاثیہ، آیت نمبر 4)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ-وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ (۱۰)

ترجمہ: اُس نے آسمان بنائے بے ایسے ستونوں کے جو تمہیں نظر آئیں اور زمین میں ڈالے لنگر کہ تمہیں لے کر نہ کانپے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہم نے آسمان سے پانی اُتارا تو زمین میں ہر نفیس جوڑا اُگایا۔ (سورہ لقمان، آیت نمبر 10)

اب دیکھیے اللہ ان کی اقسام بھی بیان فرماتا ہے کہ وہ کن کن اقسام کے ہیں ان کی انواع کیا کیا ہیں۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ-فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ-وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ-وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ-يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ-اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۴۵)

ترجمہ: اور اللہ نے زمین پر ہر چلنے والا پانی سے بنایا تو ان میں کوئی اپنے پیٹ پر چلتا ہے اور ان میں کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے اور ان میں کوئی چار پاؤں پر چلتا ہے اللہ بناتا ہے جو چاہے بیشک اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ (سورۂ النور، آیت نمبر 45)

اس کے علاوہ ایک اور آیت دیکھیے جہاں اللہ تبارک وتعالی نے ہر شے واضح فرمادی کہ اللہ کریم کو کون کون سجدہ کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ-وَ كَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ-وَ مَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ-اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ(۱۸)

ترجمہ: کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور سورج اور چانداور تارے اور پہاڑ اور درخت اور چو پائے اور بہت آدمی اور بہت وہ ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا اور جسے اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والانہیں بیشک اللہ جو چاہے کرے۔ (سورۂ الحج،آیت نمبر 18)

یہ آیت ایسی ہے جو بڑے واضح طور پہ عیاں کر رہی ہے کہ اللہ کو زمین و آسمان کی سب چیزیں سجدہ کرتی ہیں (اپنے طریق سے) جس میں سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، شجر، حیوانات اور بہت سے انسان بھی یہاں سے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ سبھی کچھ تو سجدہ وعبادت کرتے ہیں لیکن سارے انسان نہیں اب ذرا دوسری آیت کا موازنہ اس آیت اور پہلی آیت سے کر کے دیکھے بات صاف ہو جائے گی۔

وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَۚ(۷۳)

ترجمہ: اور اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں جو انہیں آسمان اور زمین سے کچھ بھی روزی دینے کا اختیار نہیں رکھتے نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ (سورۂ النحل،آیت نمبر 73)

اوپر آیت میں اللہ نے ارشاد فرمایا ''کثیر من الناس'' یہاں اسے واضح کر دیا کہ کچھ انسان دوسروں کی عبادت میں مشغول ہیں۔

اب جب کے دونوں آیات کا محمول ایک نہیں ہے ایک جگہ چو پائے یا حیوانات ہیں اور دوسری جگہ انسانوں کا بیان تو پھر اندازہ لگالیں تعارض وتضاد کہاں ہے۔

اب ذرا قران مجید کا ایک اور تناظر دیکھیے کہ جو انسان اللہ کو اپنا خالق مالک ماننے سے مُکر گیا حالانکہ زمین و آسمان کی ہر شے اسے اپنا معبود وخالق مانتی ہے حتی کہ ''دابۃ'' یعنی حیوانات بھی مگر جو کفر کر چکے آئیں ان کے متعلق بھی قران کا حکم سن لیں کاش کہ ملحد بھی اس پہ کان لگائیں اور اللہ ان کے لیے بھی کوئی راہ پیدا فرما دے وہ جان جائیں کہ وہ کس درجے کو پہنچ چکے ہیں قران عظیم

فرماتا ہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الۡبُكۡمُ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ (۲۲)

ترجمہ: بیشک سب جانوروں سے (بھی) بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو بہرے گونگے ہیں جن کو عقل نہیں۔ (سورۃ الانفال، آیت نمبر 22)

اچھا جی کون ہیں یہ اس کو بھی ذرا ملاحظہ فرمالیں اور ہوش کے ناخن لیں:

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۖۚ (۵۵)

ترجمہ: بیشک سب جانوروں سے (بھی) بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور ایمان نہیں لاتے۔ (سورۃ الانفال، آیت نمبر 55)

یعنی وہ جنھوں نے کفر کیا وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ اللہ ہمیں حق سچ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

التوفیق الا باللہ۔



ملحدین کے اعتراض نمبر 11 کا تحقیقی جائزہ
کیا کفار کو دین اسلام کا جنگ کے ذریعے قبول کروانے کا حکم ہے؟

ترجمہ: اوران سے جنگ کرو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔
(سورہ التوبہ، آیت نمبر 29)

رسول کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہی ہے (سورۂ التغابن، آیت نمبر 64)

یہ دو آیات کا ترجمہ ملحدین کی طرف سے پیش کیا گیا۔جس میں دوسری آیت کا حوالہ غلط ہے بلکہ اس سورۃ میں آیات کی تعداد صرف 18 ہیں۔

خیر پورے عربی متن اور ترجمہ کے ساتھ آیات پیشِ خدمت ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں۔

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ-فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ(۱۲)

ترجمہ: اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو پھر اگر تم منہ پھیرو تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف صریح پہنچا دینا ہے۔ (سورۂ التغابن، آیت نمبر 12)

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے یعنی وہ جو کتاب دیے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہو کر۔ (سورۂ التوبہ، آیت نمبر 29)

یہاں جو مسلہ در پیش ہے یا جو علمی بد دیانتی اختیار کی گئی وہ صرف اجمالی جائزہ پیش کر دیا

گیا اس کی تفصیل کو سامنے رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ خیر آئیں اس کا اصولی اور تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔ اللہ کریم آیت کے پہلے ٹکڑے میں فرماتا ہے "وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی دوسرا حصہ یوں ہے:

فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ

ترجمہ: اگر تم منہ پھیرو تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف صریح پہنچا دینا ہے۔

(سورۃ التغابن، آیت نمبر 1)

اس آیت میں دین کے احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے تاکہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

اس کیھ وضاحت قرانِ مجید ایک اور جگہ اس انداز میں یوں ہے

لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَ یُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی لَا انۡفِصَامَ لَہَا وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ

ترجمہ: دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو کر واضح ہو چکا۔ اس کے بعد جو شخص طاغوت کا انکار کر کے للہ پر ایمان لے آئے گا، اس نے ایک مضبوط کنڈا تھام لیا جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں۔ اور للہ خوب سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 256)

یہاں اللہ کریم نے فرما دیا کہ جو رسول پہ واضح پہنچانا ہے اس کے نتیجہ میں ہدایت کا رستہ گمراہی سے ممتاز اور جدا ہو گیا ہے۔

یہ دینِ متین کا پورا لائحہ عمل ہے۔ جس میں اللہ کے دین کو واضح اور شفاف انداز میں پیش کرنے سے شروع ہوتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ واسلم نے پیش کر دیا جس کے متعلق اوپر آیت میں جو معترض نے پیش کی اس میں ہے۔ اور یہ تمام انبیاء علیہ السلام کا طریقہ رہا ہے۔ سورہ نمل کو دیکھیے لیں حضرت سلیمان علیہ السلام کیا دعوت نامہ بھیج رہیں ہیں۔

اِذۡہَبۡ بِّکِتٰبِیۡ ہٰذَا فَاَلۡقِہۡ اِلَیۡہِمۡ ثُمَّ تَوَلَّ عَنۡہُمۡ فَانۡظُرۡ مَا ذَا یَرۡجِعُوۡنَ (28)

ترجمہ: میرا یہ خط لے جا اور ان کی طرف ڈال دے پھر ان کے ہاں سے واپس آ جا پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ (سورۃ النمل، آیت نمبر 28)

قَالَتۡ یٰۤاَیُّہَا الۡمَلَؤُا اِنِّیۡۤ اُلۡقِیَ اِلَیَّ کِتٰبٌ کَرِیۡمٌ (29)

ترجمہ: کہنے لگی اے درباروالو! میرے پاس ایک معزز خط ڈالا گیا ہے۔
(سورۃ النمل، آیت نمبر 29)

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (30)

ترجمہ: وہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے، اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔ (سورۃ النمل، آیت نمبر 30)

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ (31)

ترجمہ: میرے سامنے تکبر نہ کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلی آؤ۔ (سورۃ النمل، آیت نمبر 31)

اب اس دعوتِ توحید پہ جب وہ اپنے جنگ جووں سے مشورہ کرتی ہے تو ذرا ان کا جواب دیکھ لیں۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ (32)

ترجمہ: کہنے لگی اے درباروالو! مجھے میرے کام میں مشورہ دو، میں کوئی بات تمہارے حاضر ہوئے بغیر طے نہیں کرتی۔ (سورۃ النمل، آیت نمبر 32)

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ (33)

ترجمہ: کہنے لگے ہم بڑے طاقتور اور بڑے لڑنے والے ہیں، اور کام تیرے اختیار میں ہے سو دیکھ لے جو حکم دینا ہے۔ (سورۃ النمل، آیت نمبر 33)

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (34)

ترجمہ: کہنے لگی بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے خراب کر دیتے ہیں اور وہاں کے سرداروں کو بے عزت کرتے ہیں، اور ایسا ہی کریں گے۔ (سورۃ النمل، آیت نمبر 34)

یہ تو خیر ان جنگجوؤں کا روایتی بادشاہوں کے متعلق خیال تھا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ تمام انبیاء کا طریقہ رہا ہے کہ وہ سب سے پہلے لوگوں کے سامنے دعوتِ حق کو واضح اور صاف دلائل میں رکھتے ہیں۔ انہیں دلیل و برھان کے ذریعے قائل کرتے ہیں ان کے سامنے معجزات اتمامِ حجت کے لیے پیش کرتے ہیں۔ قرانِ مجید کا اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکمل مطالعہ کر لیں آپ پہ بات

عیاں اور واضح ہو جائے گی۔اس کے بعد اس سے اگلا مرحلہ پیش آتا ہے کہ جب حجت تمام ہونے کے بعد بھی لوگ ہٹ دھرمی اور انکار کا مظاہرہ کرتے ہیں تو پھر وہ دین کے خلاف اور دین کے ماننے والے کے خلاف شازشیں کرتے ہیں انہیں طرح طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ یہ حق سے پلٹ آئیں۔اس تصویر کو دیکھنا ہو تو پہلی ہجرت جو حبشہ کی طرف ہوئی اس کو دیکھ لیں کہ مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا نہیں کیا گیا حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کرنا پڑی مگر پھر بھی کافروں کے دل کو چین نصیب ہوا اور انہوں نے جنگ کرنے کی ٹھان لی جنگِ بدر اس کا بین ثبوت ہے۔اس پورے حالات کو مدنظر رکھنے کے بعد اللہ کا اگلا حکم یہ ہے کہ آپ بھی ان کے خلاف جہاد کریں۔

اب چونکہ یہ اگلاء مرحلہ ہے جہاد کے حکم کا تا کہ اللہ کے دین اور حکم کو فتنہ فساد اور ظلم کے خاتمے پر غالب کیا جائے۔اور حجت تمام ہونے کی صورت میں اللہ کی عدالت لگ جائے اور ان کو آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا کے عذاب میں مبتلاء کیا جائے۔

یہ اللہ کا مکمل قانون ہے جو قرانِ کریم نے جا بجا مجمل و مفصل سورتوں میں بیان کیا ہے۔اور یہ ان کے لیے ہے جنہوں خالصتاً کفر وشرک کا رستہ اختیار کیا جو کسی الہامی دین کے قائل ہی نہیں جیسے کفارِ مکہ ان کو روشن ہدایت پہنچا دینے کے بعد جب کہ وہ ان پہ عیاں بھی ہو جائے یا وہ اللہ کے دین کو قبول کرلیں یا پھر تلوار کو قبول کرلیں۔

اس عذابِ دنیا کو بھی اللہ نے اپنی کتابِ حکمت میں بیان کیا ہے

قَاتِلُوۡهُمۡ يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ بِاَيۡدِيۡكُمۡ وَ يُخۡزِهِمۡ وَ يَنۡصُرۡكُمۡ عَلَيۡهِمۡ وَ يَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِيۡنَۙ‏ (۱۴)

ترجمہ: تو ان سے لڑو اللہ انہیں عذاب دے گا تمہارے ہاتھوں اور انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر مدد دے گا اور ایمان والوں کا جی ٹھنڈا کرے گا۔(سورہ التوبہ، آیت نمبر 14)

کہ جب ان پہ حجت تمام ہوگئی اور وہ ہٹ دھرمی پہ جہالت کی وجہ سے ڈٹ گئے تو اللہ ان کے لیے اپنے عذاب کا سلسلہ اس دنیا سے شروع کر دیا اللہ نے ان کے لیے عذاب مسلمانوں کی تلواروں کے ذریعے دے گا جیسا کہ مذکورہ بالا آیت سے عیاں ہو گیا ہے۔

اس کے علاوہ جو دوسری آیت معترض نے پیش کی اس میں اہل کتاب سے جہاد وقتال کا

حکم ہے حتی کہ وہ اللہ کے دین کی طرف لوٹ آئیں یہ مطیع ہو کر اسلام کے اصولِ باہمی صلح وآشتی امن وامان سے جزیہ دے کر رہیں کیونکہ اہلِ کتاب کا معاملہ کفارہ سے مختلف ہے انہوں نے اپنے دین میں تحریف کی ہے اس لیے ان سے جزیہ کو قبول کیا جائے گا اسلام کی شرائط کے مطابق وہ اس علاقے میں رہیں گے۔جیسا کہ آیت سے واضح ہے۔اب اس تفصیل کے بعد ان دونوں آیات میں تضاد وتعارض کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اس کے علاوہ ایک عمومی بات بھی سمجھ لی جائے جو ملحدین اعتراض کے طور پہ جہاد کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔آج کی دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو جہاں اس کی وفاداری کی قسم نہ لی جاتی ہو اور غداری کی صورت میں اس کے لیے سخت سزائیں اور موت کی سزاء قانونی طور پہ موجود ہے چند مثالیں پیشِ خدمت۔امریکہ میں غداری و بغاوت کی سزا۔

,Who ever owing allegiance to the United States

,levies war against them or adheres to their enemies

giving them aid and comfort within the United States or

or , is guilty of treason and shall suffer death,elsewhere

shall be imprisoned not less than five years and fined

10000$ less thanunder this title but not

جو کبھی بھی ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ساتھ وفاداری کا سبب بنتا ہے، ان کے خلاف جنگ کرتا ہے یا ان کے دشمنوں کا ساتھ دیتا ہے، انہیں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اندر یا کسی اور جگہ امداد اور تسلی دیتا ہے، وہ غداری کا مجرم ہے اور اسے موت کی سزا دی جائے گی، یا اسے پانچ سال سے کم قید کی سزا ہو گی اور اس عنوان کے تحت جرمانہ 10000 ڈالر سے کم نہیں۔

یو۔کے میں

became Since the Crime and Disorder Act 1998

the maximum sentence for treason in the UK has ,law

been life imprisonment

جب سے کرائم اینڈ ڈس آرڈر ایکٹ 1998 کا قانون بن گیا ہے، برطانیہ میں غداری

کی زیادہ سے زیادہ سزا عمر قید ہے۔

اب جہاں اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام واضح پہنچانے کا حکم دیا اور آپ کو تبشیر، انذار، تذکیر، دعوت اور تبلیغ حکم ہے، جس کا تذکرہ سورہ النساء (آیت نمبر: 165) میں بایں الفاظ موجود ہے: رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلاَّ يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ اور اس حجت کے اتمام پر رسالت کے دوسرے مقصد کا بھی حکم فرمایا۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

ترجمہ: وہ للہ ہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے، تا کہ اُسے ہر دوسرے دین پر غالب کر دے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی ناپسند ہو۔

(سورۃ الصفّت، آیت نمبر 9)

اور اس کے لیے بھی پورا لائحہ عمل کو بیان کیا جس میں جہاد و قتال کے احکام بھی ہیں۔ اور یہی اللہ کا مکمل ضابطہ ہے۔ جس کو جب بھی توڑ کر سمجھا جائے گا تو وہ تضاد اور تعارض ہی محسوس ہوگا۔

التوفیق الا باللہ۔



ملحدین کے اعتراض نمبر 12 کا جواب
انبیا کا مشرکین کی بخشش چاھنا؟

یہ سورۃ توبہ کی دو آیات پیش کر کے معترض نے تعارض اور تضاد ثابت کیا ہے آئیں اس کا جائزہ لیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (۱۱۳)

ترجمہ: نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جبکہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔(سورہ التوبہ، آیت نمبر 113)

مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: اور ابراہیم کا اپنے باپ کی بخشش چاہنا وہ تو نہ تھا مگر ایک وعدے کے سبب جو اس سے کر چکا تھا پھر جب ابراہیم کو کھل گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے اس سے تنکا توڑ دیا بیشک ابراہیم ضرور بہت آہیں کرنے والا متحمل ہے۔(سورہ التوبہ، آیت نمبر 114)

ان دونوں آیات میں مجھے تو کہیں تضاد نظر نہیں آیا قارئین بھی اس کو پڑھ لیں۔پہلی آیت میں اللہ کریم نے مومنین اور انبیاء علیہ السلام کے لیے بخشش نہ چاہنے کا عندیہ دیا ہے اور ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جب ان پہ یہ بات واضح ہو جائے کہ وہ دوزخی اور اللہ کے دشمن ہیں اور یہ دشمنی ان کی ہٹ دھرمی پہ مبنی ہے۔

اور جب ایک بات واضح ہو جائے تب دعا سے ممانعت ہے حضرت نوح علیہ السلام نے بھی جب اللہ کے فرمان "اھلك" کو سامنے رکھتے ہوئے بارگاہ ایزدی میں بیٹے کے لیے دعا کی تو اللہ کا ارشاد کچھ یوں تھا۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ

الْحَاكِمِيْنَ (45)

ترجمہ: اور نوح نے اپنے رب کو پکارا کہ اے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔ (سورہ الھود، آیت نمبر 45)

قَالَ يَا نُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْاَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۖ اِنِّيْ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ (46)

ترجمہ: فرمایا اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے، کیونکہ اس کے عمل اچھے نہیں ہیں، سو مجھ سے مت پوچھ جس کا تجھے علم نہیں، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کہیں جاہلوں میں نہ ہو جاؤ۔

(سورہ الھود، آیت نمبر 46)

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْاَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۖ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْ اَكُنْ مِّنَ الْخَاسِرِيْنَ (47)

ترجمہ: کہا اے رب! میں تیری پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ تجھ سے وہ بات پوچھوں جو مجھے معلوم نہیں، اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں نقصان والوں میں ہو جاؤں۔

(سورہ الھود، آیت نمبر 47)

یعنی اے نوح تیرے اہل وعیال میں تیرا بیٹا شامل نہیں۔ وہ عملِ غیر صالح کا مرتکب تھا۔ اب اس بات پہ جس پہ تجھے علم نہیں سوال نہ کر اس سے ثابت ہو گیا کہ وہ بات واضح نہ تھی اور واضح ہونے کے بعد یا علم میں نہ ہونے پہ حضرت نوح علیہ السلام کے الفاظ بھی یہی تھے کہ

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْاَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۖ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْ اَكُنْ مِّنَ الْخَاسِرِيْنَ (47)

ترجمہ: کہا اے رب! میں تیری پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ تجھ سے وہ بات پوچھوں جو مجھے معلوم نہیں، اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں نقصان والوں میں ہو جاؤں۔

(سورہ الھود، آیت نمبر 47)

اس سے ثابت ہوا کہ واضح ہونے کے بعد دعا نہ کی جائے جیسا کہ معترض نے جو دوسری آیت پیش کی ہے اس میں بھی یہی بات ہے کہ حضرت ابرھیم علیہ السلام نے آزر کے لیے ایک وعدے کے تحت دعا کی مگر جب ان پہ واضح ہو گیا کہ یہ ان کا دشمن ہے تو پھر ان کے لیے نہ کبھی دعا

کی بلکہ ان سے قطع تعلق کرلیا جیسا کہ آیت سے خود عیاں ہے۔

اس کے متعلق حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں جو اس آیت کے پس منظر کو بھی واضح کر دیتی ہے۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ:

ترجمہ: اور ابراہیم کا اپنے باپ کی مغفرت کی دعا کرنا صرف ایک وعدے کی وجہ سے تھا۔

(سورہ التوبہ، آیت نمبر 114)

اس سے یا تو وہ وعدہ مراد ہے جو حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے آزر سے کیا تھا کہ میں اپنے رب عَزَّ وَجَلَّ سے تیری مغفرت کی دعا کروں گا یا وہ وعدہ مراد ہے جو آزر نے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے اسلام لانے کا کیا تھا۔ (مدارک، التوبۃ، تحت الآیۃ: ۱۱۴، ص ۴۵۷) شانِ نزول: حضرت علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی

"سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ"

ترجمہ: (عنقریب میں تیرے لئے اپنے رب سے معافی مانگوں گا) (سورہ المریم: آیت نمبر ۴۷)

تو میں نے سنا کہ ایک شخص اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کر رہا ہے حالانکہ وہ دونوں مشرک تھے تو میں نے کہا: تو مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے؟ اس نے کہا: کیا حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے آزر کے لئے دُعا نہ کی تھی؟ وہ بھی تو مشرک تھا۔ یہ واقعہ میں نے نبی اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے ذکر کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا اِستغفار اسلام قبول کرنے کی امید کے ساتھ تھا جس کا آزر آپ سے وعدہ کر چکا تھا اور آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام آزر سے استغفار کا وعدہ کر چکے تھے۔ جب وہ اُمید مُنقطع ہو گئی تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے اس سے اپنا تعلق ختم کر دیا۔ (ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ التوبۃ، ۵ / ۶۹، الحدیث: ۳۱۱۲، خازن، التوبۃ، تحت الآیۃ: ۱۱۴، ۲ / ۲۸۷ ملتقطاً)

اب یہاں کہا تضاد اور تعارض موجود ہے حالانکہ کہ دونوں آیات میں تعارض کی شرائط بھی موجود نہیں۔ یعنی مشرک کے حق میں دعا نہ کیجیے کب؟ جب وہ آپ پہ واضح ہو جائے کہ یہ ہدایت پانے والے نہیں

التوفیق الا باللہ

ملحدین کے اعتراض نمبر 13 کا جواب
کیا خدا نے اپنے ہاتھ سے جانوروں سے پیدا کیا یا اپنے ارادے سے؟

ترجمہ: کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھ سے ان کے لیے چوپائے پیدا کیے
(سورہ یٰسین: آیت نمبر 73)

ترجمہ: جب اللہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے
(سورہ یٰسین: آیت نمبر 82)

یہ دو آیات کا ترجمہ ملحدین کی طرف سے پیش کیا گیا۔ جس میں پہلی آیت کا حوالہ غلط ہے سورہ یٰسین میں آیت 73 نہیں بلکہ 71 ہے عربی متن اور ترجمہ کے ساتھ آیات ملاحظہ فرمائیں۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾

ترجمہ: اور کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے چوپائے ان کے لیے پیدا کئے تو یہ ان کے مالک ہیں۔ (سورہ یٰسین، آیت نمبر 71)

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔
(سورہ یٰسین، آیت نمبر 82)

ان آیات میں بھی کہیں تعارض نہیں دونوں میں اللہ کے ارادے واختیار اور قدرت کا بیان ہے۔ اس میں تخلیق کے مختلف مراحل کی طرف بھی اشارہ ہے قطع نظر مرحلہ ارتقاء یا عملِ تخلیق۔ اس کی ایک مثال حضرت عیسی علیہ السلام کے معجزات میں بھی جو خود قران نے اپنی نشانیوں کے طور پہ بیان فرمایا۔

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ

ترجمہ: اور جب تو مٹی سے پرندے کی صورت میرے حکم سے بناتا تھا پھر تو اس میں پھونک مارتا تھا

تب وہ میرے حکم سے اڑنے والا ہوجاتا تھا۔(سورۃ المائدہ، آیت نمبر 110)

اس کے علاوہ مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ اللہ فرماتا ہے

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِىْ

ترجمہ: اور جب مردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا کرتا تھا۔(سورۃ المائدہ، آیت نمبر 110)

یہاں بھی اللہ نے اپنی قدرت اور طاقت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے طور پہ پیش کیا جس کی کیفیت سے وہ سب لوگ ناواقف تھے۔

اس طرح اوپر کی آیات کے حوالے سے اللہ کی قدرت کا بیان ہے۔اس کے لیے کبھی ''ید''، کبھی ''کن''، کبھی ''نفخت'، کبھی ''قدرت'، کبھی ''خلق ''جیسے الفاظ استعمال فرماتا ہے۔ جو شاید انسانی مشاہدے سے کچھ تو ماورا ہوتے ہیں اور چند تخلیقی کیفیتیں مشاہدے میں ہیں جن پہ آج بھی سائنس حیاتیاتی مطالعے کے طور پہ آگے بڑھ رہی ہے۔مگر چند اعتبارات سے ان کے مراحل کی اور قانون فطرت کے اعتبار سے الفاظ اور اصطلاحات تو مختلف ہوسکتی ہیں مگر یہ اللہ کی طاقت اور قدرت کے ہی مظاہر ہیں۔جیسا کہ جدید سائنس میں میکانکی کی دنیا کی اصطلاحات علت ومعلول، حیاتیات کی اصطلاحات نمو وارتقاء اور اسی طرح نفسیات کی اصطلاحات جدا گو کہ تمام تخلیقی مراحل کے مراتب اور مدارج ہیں بہر کیف ان آیات میں معترض کی عربی سے واقفیت اور اہل عرب کے ہاں ان کا درست موضوع لہ معلوم نہ ہونے اور عرب محاورات سے ناآشنائی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ کیونکہ اس نے تو" ید" کو ترجمے میں ہاتھ کے طور پہ لیا ہے حالانکہ وہ اس بحث سے مکمل ناواقف ہے۔اور دعوے کی وضاحت مدعی پہ واجب ہوتی ہے۔یہی تو وطیرہ رہا ہے زندیقہ وفاسق لوگوں کا کہ وہ ہر شے کو اپنی طرف سے من مانی توجیح دے کر تعارض وتضاد کی کیفیت پیدا کرنا چاہتے ہیں

التوفیق الا باللہ۔

ملحدین کے اعتراض نمبر 14 کا جواب
انبیا کی مدد لوگ کرتے ہیں یا اللہ؟

ترجمہ: اے نبی کہہ دو مجھے اللہ ہی کافی ہے (سورۃ التوبہ، آیت نمبر 129)

ترجمہ: اے لوگو نبی کی مدد کرو (سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 81)

یہ دو آیات کا ترجمہ ملحدین کی طرف سے پیش کیا گیا۔ سب سے پہلے ہم عربی متن اور ترجمہ کے ساتھ آیات پیش کرتے ہیں اس کے بعد جواب ملاحظہ فرمائیں

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰہُ ۟ۖ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَ ہُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ: پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرمادو کہ مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔ (سورۃ التوبہ، آیت نمبر 129)

وَ اِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُکُمۡ مِّنۡ کِتٰبٍ وَّ حِکۡمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِہٖ وَ لَتَنۡصُرُنَّہٗ ؕ قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَ اَخَذۡتُمۡ عَلٰی ذٰلِکُمۡ اِصۡرِیۡ ؕ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ؕ قَالَ فَاشۡہَدُوۡا وَ اَنَا مَعَکُمۡ مِّنَ الشّٰہِدِیۡنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ (سورۃ آل عمران، آیت نمبر 81)

ان آیات میں بھی تعارض موجود نہیں ہے ایک میں اللہ فرما رہا ہے کہ فرما دیجیے کہ آپ کے لیے اللہ ہی کافی جبکہ دوسری آیت میں اللہ تمام انبیاء علیہ السلام سے میثاق لے رہا ہے کہ جب تمہیں کتاب وحکمت دی جائے تو آخر الزماں پیغبر علیہ السلام کی تصدیق ان پر ایمان اور نصرت و

مدد کرنا۔ چونکہ تضاد کے آٹھ اصول جو ہم نے اعتراض نمبر 1 میں درج کر دیئے ہیں ان اصولوں کے تحت دونوں آیات کے مخاطبین ایک نہیں ہیں ایک میں اللہ کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ واسلم کو فرما رہا کہ آپ کے لیے اللہ کافی ہے۔اور دوسری آیت میں دیگر انبیاء علیہ السلام سے مخاطب۔اب وہی اللہ اپنے پیغبر علیہ السلام کے لیے عالمِ ظاہری کے اسباب کو پیدا بھی فرمار ہا ہے اور ان سے اس کا عہد و پیماں بھی لے رہا ہے۔اس میں تضاد کہاں ہے۔عجب منطق ہے معترض کی کہ وہ عالمِ اسباب کی تلقین بھی فرماتا ہے اس کے لیے انتظام بھی پیدا کرتا ہے اور اس کے باوجود یہ بھی فرماتا ہے کہ یہ اسباب صرف اور صرف مسبب الاسباب کے پیدا کیے ہیں اور اسی پہ بھروسہ رکھنا ہے اور اسے ہی کافی اور کارساز جاننا ہے کیوں کہ ایمان ہے ہی یہی کہ اسباب کی طرف نہیں مسبب الاسباب کی طرف نظر کی جائے اور وہی ظاہری اور غیبی اسباب پیدا فرمائے۔ان دو آیات میں بھی دراصل اسی حقیقت کی طرف نشاندہی کی گئی ہے۔مگر کیا کیجیے مادہ پرست کو ان میں بھی تضاد اور تعارض نظر آتا ہے۔قران مجید نے بارہا جگہ ان دونوں اعتبارات کو مجمل و مفصل طور پہ بیان فرمایا ہے۔اور ہر ہر نبی اور رسول کی زبان سے یہی کلمہ جاری فرمایا ہے

حسبنا اللہ و نعم الو کیل نعم المولا و نعم النصیر۔

اور پھر اپنے بندوں کے لیے کارساز بن کے سامنے آیا درحقیقت مومن اور ملحد کے درمیان ہی تو یہ دونوں آیات حدِ فاصل ہیں کہ ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اسے کافی سمجھتے ہیں مگر کافر و ملحد مادیت اور ظاہری اسباب پہ اپنا ایمان لا بیٹھتے ہیں علامہ اقبال اسی کی ترجمانی کچھ یوں فرماتے ہیں۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

دور نہ جایئے ملحد تو تاریخ کو علم کا ذریعہ ہی نہیں مانتے بلکہ جو قران کو وحی نہیں مانتا اس کے ہاں تاریخ کی کیا حثیت مگر میں ان کے سامنے موجودہ صورت حال جہاں ایک طرف سپر پاور امریکہ جو ہر طرح کے بارود اسلحہ، راکٹ ،جنگی جہاز، ہر جدید مشینری سے لیس افغانستان پہ بیس سالوں سے چڑھ دوڑ امگر دوسری طرف بے سروسامان افغان معیشت میں بدتر انہوں نے امریکہ کو ناک و چنے چبوا دیئے آج سپر پاور ان سے مزاکرات کی میز پر بیٹھنے کے لیے ساری دنیا کی منت

سماجت کررہی ہے۔ یہ ہے وہ ایمان جوانبیاء علیہ السلام کے ذریعے اللہ نے اہلِ ایمان کو دیا کہ میرے لیے اللہ ہی کافی

آج وہ ان کا مددگار اور سازگار ہے اور انہیں بے سروسامانی میں بھی فتح عطا فرما رہا ہے۔بس یہی فرق ہے ایک ملحداور ایک مومن کی سوچ اور اپروچ کا۔

دوسری بات ابھی اس ٹیکنیکل بحث میں جانے کی ضرورت نہیں کہ عربی میں جب ''تنصر'' کن کن معنی میں مستعمل ہے اور ''کفٰی'' کن کن معنی میں

اللہ ہمیں سمجھ کی توفیق عطافرمائے

التوفیق الا باللہ۔



ملحدین کے اعتراض نمبر 15 کا جواب
بی بی مریم علیہ السلام کس کی بیٹی؟
عمران کی یا ھارون کی؟

معترض نے جو ترجمہ اعتراض کے طور پہ پیش کیا وہ نیچے درج ہے اور پھر اس کے بعد عربی متن اور ترجمہ اور جائزہ پیشِ خدمت ہے

ترجمہ: عمران کی بیٹی (عیسیٰ کی ماں) کو مریم کہا گیا (سورہ التحریم، آیت نمبر 12)

موسیٰ ہارون کا بھائی (سورہ الاعراف، آیت نمبر 142)

(1400 پرانے) ہارون کی بہن بنا دیا اللہ نے (سورہ المریم، آیت نمبر 28)

{وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۠} (۱۲)

ترجمہ: اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی طرف کی روح پھونکی اور اس نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور فرمانبرداروں میں ہوئی۔ (سورہ التحریم، آیت نمبر 12)

{وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةًۚ-وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ} (۱۴۲)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ فرمایا اور ان میں دس اور بڑھا کر پوری کیں تو اس کے رب کا وعدہ پوری چالیس رات کا ہوا اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میری قوم پر میرے نائب رہنا اور اصلاح کرنا اور فسادیوں کی راہ کو دخل نہ دینا۔

(سورہ الاعراف، آیت نمبر 142)

{يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّاۖۚ} (۲۸)

ترجمہ: اے ہارون کی بہن تیرا باپ برا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار

(سورہ المریم، آیت نمبر 28)

مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ معترض کو مطالعے سے اتنا گریزہ کیوں ہے؟ تحقیق تو کجا معترض، مطالعے سے بھی قاصر ہے۔ کیا ہارون نام کے دو بندے یا متعدد اشخاص ہونا بعید از عقل ہے۔ اس پہ متعدد قول موجود ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ حضرت مریم کے بھائی کا نام بھی ہارون تھا،

دوسرا معترض عرب کے لسانی اصولوں ضوابط، سے بھی واقف نہیں اسے یہ بھی نہیں پتا کہ عرب کن کن بنیادوں پہ اپنی نسبت دوسری طرف کر لیتے تھے اور یہ لسانی اصول قران کا بھی اسلوب ہے۔ اس میں زمانی اعتبار معنی نہیں رکھتا، آئیں اس کی مثالیں قران سے دیکھ لیتے ہیں۔

(وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ)46۔ سورۃ الاحقاف، آیت نمبر 21، میں ہود (علیہ السلام) کو ''عاد'' کا بھائی کہا ہے۔ حالانکہ ''عاد'' ان کی قوم کے مورث اعلیٰ کا نام تھا۔

اس کے علاوہ نسبتی اعتبار سے تمام قومِ بنی اسرائیل کی طرف نسبت سے پکاری جاتی ہے ۔آج بھی بڑے قبائل کو ان کے بڑوں کی نسبت سے ہی پکارہ اور منسوب کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے بھی حضرت مریم علیہ السلام کو حضرت ھارون علیہ السلام کے خاندانی نسب کے طور پہ یا اخت ہارون سے پکارہ گیا۔ ''اخت ہارون'' اس لیے کہا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بھائی حضرت ہارون (علیہ السلام) کی نسل سے تھی۔ گویا '' **اُخت ھارون** '' سے مراد'' **اُخت قوم ھارون**''

اس کے علاوہ نسبت کے چند اور اسلوب بھی ملاحظہ فرمالیں تا کہ بات واضح ہو جائے اور تردد جو پیدا کیا جارہا ہے دور ہو۔

(بھائی) اصل میں اخو ہے اور ہر وہ شخص جو کسی دوسرے شخص کا ولادت میں ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک کی طرف سے یا رضاعت میں شریک ہو، وہ اس کا اخ کہلاتا ہے لیکن بطور استعارہ اس کا استعمال عام ہے اور ہر اس شخص کو جو قبیلہ دین و مذہب صنعت وحرفت دوستی یا کسی دیگر معاملہ میں دوسرے کا شریک ہو، اسے اخ کہا جاتا ہے چنانچہ آیت کریمہ:

{لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ} (سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 156)

ترجمہ: ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو کفر کرتے ہیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں۔
میں اخوان سے ان کے ہم مشرب لوگ مراد ہیں اور آیت کریمہ:
{ أَخَا عَادٍ } (سورۃ الاحقاف، آیت نمبر 21) میں ہود (علیہ السلام) کو قوم عاد کا بھائی کہنے سے اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ وہ ان پر بھائیوں کی طرح شفقت فرماتے تھے اسی معنی کے اعتبار سے فرمایا:

{وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا}

ترجمہ: اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ (سورۃ ال ہود، آیت نمبر 61)

{وَإِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ}

ترجمہ: اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی (ہود) کو بھیجا۔ (سورۃ ال ہود، آیت نمبر 50)

{وَإِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا}

ترجمہ: اور مدین کی طرف ان کے بھائی (شعیب) کو بھیجا۔ (سورۃ ال ہود، آیت نمبر 84)

اس سے اگلی بات بڑی اہم ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مریم علیہ السلام کو ان کی قوم نے پکارہ قران فرماتا ہے "یا اخت ھارون" اب یہ تو کلمات ان لوگوں کے ہیں جو اللہ نے قران میں درج کر دیئے اب معترض کا یہ کہنا کہ اللہ نے ایک جگہ انہیں ہارون کی بہن بنا دیا جب کہ یہ تو کلمات ان لوگوں کے تھے پہلے تو انہیں اس بات پہ ہی غور کرنا چاہیے تھا اور سب سے پہلے یہودیوں کو یہ اعتراض کرنا چاہیے تھا کہ یہ تو تضاد ہے حالانکہ ایسی کوئی بات یہودیوں کے ذہن میں نہ آئی، آئی تو اس وقت کے نام نہاد ملحدوں کے ذہن میں آئی جو کہ بذات خود حیران کن بات ہے۔

اس پہ بہت سا کلام مفسرین ان آیات کے مقامات پہ کیا ہے وہاں سے اگر کوئی دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے ہم اس بات پہ اکتفا کرتے ہیں کہ ان آیات میں بہت سے زاویوں سے اعتراض کی گنجائش نہیں نکلتی اس لیے ہم اسے اتنی وضاحت کے بعد سمیٹتے ہیں۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 16 کا جواب
زمین و آسمان کا نور چاند ہے یا اللہ؟

ترجمہ: اور چاند کو (مصنوعی روشنی والا) نور بنایا (سورۂ النوح، آیت نمبر 16)

ترجمہ: اللہ زمین و آسمان کا نور ہے (سورۂ النور، آیت نمبر 35)

معترض کے نزدیک اللہ نے خود کو زمین و آسمان کو روشن کرنے والا فرمایا اور دوسری آیت میں چاند اور سورج کو روشنی اور نور دینے والا کہا عربی متن اور ترجمہ اور جائزہ درجہ ذیل ہے:

جَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (۱۶)

ترجمہ: اور اُن میں چاند کو روشنی کیا اور سورج کو چراغ (سورۂ النوح، آیت نمبر 16)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ-مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ-اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ-اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ-يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ-نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ-وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ-وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ (۳۵)

ترجمہ: اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھّم کا قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اُٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ (سورۂ النور، آیت نمبر 35)

ان دو آیات میں کہیں تعارض نہیں ہے اللہ ہی زمین و آسمان کو روشن کرنے والا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کون ہے جو ساری کائنات کو عدم (اس کا معنی کچھ بھی نہ ہونا اور اندھیرے سے بھی اس کو تشبیہ دی جاتی ہے) سے وجود میں لایا یعنی کائنات ساری کی ساری عدم میں تھی یعنی نیست سے ہست میں آئی اس کو ملحدین اور جدید سائنس کبھی بھی نہیں سمجھ سکے گی کیوں کہ عقل کسی ایسی تصور

کی قائل نہیں جو پہلے ہو ہی نا یعنی عدم سے وجود میں آ نا وہ تو مادے کی قدامت کے قائل ہیں۔

بہرکیف اللہ کریم نے تخلیق کے دو مراحل لفظ تخلیق استعمال کر کے بیان کیے ہیں۔ایک نیست سے ہست کا مرحلہ ہے۔اہل معقول کے ہاں اسے ''**جعل بسیط**'' کہا گیا ہے اور اس میں فعل کا اثر فقط مفعول ہی قبول کرتا ہے اور اگر اس جعل کے مفہوم سے اللہ قطع نظر فرمالے تو اس شے کا وجود تک باقی نہیں رہتا وہ معدوم ہو جائے کیونکہ جاعل (حقیقی بنانے والا) کی اپنے مجعول (جیسے بنا گیا) کے ساتھ ایک خصوصیت ہوتی ہے جس کا نتیجہ ہی یہی ہے کہ جاعل ہی اس کے وجود کا موجب ہے۔اور اوپر اسی آیت کی طرف اشارہ ہے۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ-یا جعل الظمات والنور-

ایک حدیثِ عماء بھی اس کیفیت کی طرف اشارہ کرتی ہے جو کتبِ حدیث میں دیکھی جا سکتی ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں نور چونکہ ایک کیفیت حادثہ کو کہتے ہیں اس لئے اس کا اطلاق اللہ تعالی پر محال ہے،

اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

جعل الظلمت والنور (الانعام:۱)

ترجمہ:اللہ نے ظلمات (اندھیروں) اور نور (روشنی) کو پیدا کیا۔(سورۂ الانعام،آیت نمبر 10)

اس لیے۔اس سے مراد کائنات کو عدم سے وجود میں لانا ہے کیوں کہ اشیاء کا مرئی ہونا تب ممکن ہے جب وہ تخلیق ہوں۔دوسرا انہیں تب دیکھا جا سکتا ہے جب نور اور روشنی ہو وگرنہ روشنی کے بغیر اشیاء کو دیکھنا ممکن نہیں۔اس کے علاوہ نور حسی و باطنی دونوں طرح کا ہوتا ہے۔قرانِ مجید میں اس کی بہت سی آیات موجود ہیں جیسا کہ

(۱) نور ظہور اور ہدایت کا سبب ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے۔

(سورۂ البقرہ،آیت نمبر 257)

اللہ مومنوں کا کارساز ہے، وہ ان کو ظلمات سے نور کی طرف نکال لاتا ہے۔۔

(سورہ الشوریٰ،آیت نمبر 52)

ترجمہ:لیکن ہم نے اس (کتاب) کو نور بنایا ہم اس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جس کو

چاہیں ہدایت دیتے ہیں۔

جب یہ واضح ہوگیا کہ قرآن مجید میں نور کا اطلاق ہدایت پر کیا گیا ہے تو ''**اللہ نور السموت والارض**'' کا معنی ہے یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کے نور والا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ آسمانوں والوں اور زمینوں والوں کو اللہ تعالی سے ہدایت حاصل ہوتی ہے، یعنی وہی ان کا ھاوی ہے۔''

اب اس کے بعد جعل کی دوسری کیفیت ہے جسے اہل معقول ''**جعل مرکب**'' کہتے ہیں اس کا مطلب اہل عرب کے ہاں کسی کو کسی صفت، خصوصیت سے متصف کرنا۔

جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔

جَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (۱۶)

ترجمہ: اور اُن میں چاند کو روشنی کیا اور سورج کو چراغ۔ (سورۃ النوح، آیت نمبر 16)

یہ جعل المرکب ہے۔ اس کو ایک اور طرح سے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے مگر وہ اہلِ نحو ہی سمجھ سکے گے وہ ہے۔ جعل بسیط جو متعدی بہ یک مفعول ہے۔ جبکہ جعل المرکب متعدی بہ دو مفعول ہے۔

اس طرح دونوں آیات میں تضاد تک کی بو تک نہیں مگر اللہ جانے ملحدین کے یہ اعتراض کیسے ہے۔ اس کی صرف ایک وجہ ہے اور وہ ہے علمی کم مائیگی کاش، موصوف علم سے کچھ شغف پیدا کرلیں تو ان کے لیے ایمان کا نور روشن ہوجائے۔

اور ایک بات جو ملحدین کم عقلی میں پہ مبنی ہے وہ ہے کہ وہ کہتے اللہ نے خود کو نور فرمایا ہے اور اس کی ایک مثال بھی بیان کی ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ-مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ-اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ-اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍۙ-يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ-نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ-وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ-وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۳۵)

ترجمہ: نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے برکت

والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھّم کا قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اُٹھے اگر چہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے اللہ اپنے نور کی راہ بتا تا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔(سورہ النور، آیت نمبر 3)

یہاں بھی اگر ملحدین غور فرماتے تو انہیں علم ہو جاتا کہ اللہ نے جس نور کی مثال پیش فرمائی ہے وہ نور اس دنیا کے نور کی مثل نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں کا نور اور روشنی تو کسی کے جلانے اور کسی شے کے جلنے یا روشن ہونے پہ منحصر ہے۔ مگر اللہ کے اس قول کو کھلی آنکھوں سے دیکھ لیجیے:

ترجمہ: برکت والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھّم کا قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اُٹھے اگر چہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے اللہ اپنے نور کی راہ بتا تا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے۔(سورہ النور، آیت نمبر 3)

اب یہاں تو نہ تیل شرقا ہے نہ غربا اور نہ اسے آگ مس کرتی ہے یہ تو خود بخود روشن ہے۔اس کے لیے جدید دور کی اردو میں اگر موصوف "علامات" کا مطالعہ کر لیتے کہ علامات کیا ہے کیا یہ ماورایت کے لیے بھی استعمال ہوتی ہیں۔ اور کاش وہ مثال و تمثیل کے اجزاء وارکان سے بھی کچھ واقفیت حاصل کر لیں

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 17 کا جواب
اللہ زندگی اور موت دیتا ھے یا فرعون؟

ترجمہ: اللہ زندگی اور موت دیتا ہے (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 58)

ترجمہ: فرعونی جو تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے۔

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 49)

ان دو آیات میں بھی پہلی آیت کا حوالہ جو معترض نے دیا ہے وہ اعراف کی آیت نمبر 58 میں موجود نہیں۔ بلکہ آیت نمبر 158 کا ہے معترض اپنے ناپاک عزائم جسارت سے، مسلمانوں کے پاک عقیدے کو ہمہ وقت اپنے ناپاک جراثیم سے نجس کرنے میں مشغول ہے۔ جب کہ ملحدین کے اعتراضات میں کوئی علمی حقیقت نہیں، جس کی دلیل بار بار ملحدین کا غلط ترجمہ کرنا غلط حوالہ جات دینا آدھی ادھوری آیت پیش کرنا ہے اب ہم عربی متن کے ساتھ صحیح ترجمہ پیش کر کے جواب درج کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ-لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ-فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ(۱۵۸)

ترجمہ: تم فرماؤ اے لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمان و زمین کی بادشاہی اسی کو ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں جلائے اور مارے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے پر کہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ۔ (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 158)

وَ اِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ-وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ(۴۹)

ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات بخشی کہ تم پر برا عذاب کرتے تھے

تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی بلا تھی یا بڑا انعام۔ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 49)

اس میں شک نہیں کہ اللہ ہی موت دیتا ہے اور وہی زندگی عطا کرنے والا ہے جیسا کہ۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○28

ترجمہ: ''تم کیسے اللہ کا کفر کرتے ہو تم مرے ہوئے تھے اللہ نے تمہیں زندہ کیا، پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے، پھر تمہیں زندہ کرے گا اور پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۸)

اس آیت میں اللہ کریم نے دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر فرمایا ہے پہلی موت جب کے وہ عدم میں تھا اور اسے وجود بخشا گیا یعنی زندگی دی گئی دوسرا جب اسے پھر موت دی جائے گی یعنی اس دنیا کی زندگی اور پھر موت اب معترض کا کہنا ہے کہ جب اللہ ہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت تو فرعون کی طرف زندگی اور موت کو کیوں منسوب کیا گیا ہے۔ اللہ سمجھ عطا فرمائے اور عقل کی گتھی کھول دے کہ موت کے اسباب کو بعض اوقات موت متصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ کہ فرعونی بھی جانتے تھے کہ ہم نے ان کو زندگی نہیں دی یعنی ان کو نیست سے ہست نہیں کیا بلکہ وہ دو اس دوسری زندگی کی بات کر رہیں ہیں جو ہست میں آنے کے بعد ہے اور وہ بھی صرف اس اعتبار سے کہ ایک اگر فرعون قتل کر دیتا تھا اور ایک کو چھوڑ دیتا تھا چونکہ وہ قتل کا سبب بنتا تھا اس اعتبار سے اس کے اس فعل کی وجہ سے نسبت کی گئی وگرنہ موت تو اللہ ہی دیتا ہے۔ یوں تو پھر آج بھی اگر کوئی کسی کو قتل کر دے تو محاورتاً کہہ دیا جاتا ہے اس نے فلاں کو قتل کر دیا یا حضرت عزائیل کو اللہ نے موت کی ذمہ داری سونپی ہے تو اس نسبت سے حضرت عزائیل علیہ السلام کی طرف موت کی نسبت کر دی جاتی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات سبب بول کر مسبب مراد لی جاتی ہے اور بعض اوقات مسبب بول کر سبب مراد لیا جاتا ہے اور یہ زبانوں کے اسلوب میں شامل ہے۔ اس کی ایک مثال دیکھیے۔

میرا گلا بیٹھ گیا۔۔۔ میرا کاروبار بیٹھ گیا۔۔۔۔ میرا بھائی بیٹھ گیا۔۔۔ اب صاحب عقل اور صاحب فکر جو زبان سے واقف ہے وہ کیا ان سب سے ایک ہی مراد لے گا ہرگز نہیں اور اگر

لے گا تو اسے مجنون دیوانہ یا کم از کم غبی ضرور سمجھا جائے گا۔

اس لیے ان دو آیات میں تعارض دور دور نظر نہیں آتا۔

اب ایک اور حقیقت کے متعلق آیت جو مرنے کے بعد یہی کافر خود بیان کر گے وہ ملاحظہ فرمائیں کہ وہ زندگی کے دونوں مراحل اور موت کے دونوں ادوار کے متعلق کیا کہہ رہیں ہیں:

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ○

ترجمہ: ''وہ کہیں گے اے ہمارے رب واقعی تو نے ہم کو دو مرتبہ موت بھی دے دی اور دو مرتبہ زندگی بھی بخش دی سو ہم نے اعتراف کرلیا اپنے گناہوں کا تو کیا اب نکلنے کی کوئی صورت ہوسکتی ہے؟'' (سورۂ المومن، آیت نمبر 11)

اب ذرا ملحدین عقل کو ہاتھ مارے تو ان کو عیاں ہو کہ وہ تو زندگی اور موت کا اللہ کو مالک مانتے ہیں مگر ملحد عقل کے پیچھے لٹھ لے کر پڑے ہیں۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 18 کا جواب
مخلوق اللہ کو سجدہ کرتی یا آدم کو؟

ترجمہ: اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں کل جاندار اور فرشتے (سورۃ النحل، آیت نمبر 49)

ترجمہ: اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔
(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 34)

معترض کے نزدیک پہلی آیت میں اللہ نے فرمایا، اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں کل جاندار اور فرشتے۔ جبکہ دوسری آیت میں ہے، اللہ نے جب فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا لہٰذا ان دونوں آیت میں تضاد ہے۔ ہم عربی متن کے ساتھ آیات کا ترجمہ پیش کر کے ملحدین کے اس اعتراض کا جائزہ لیتے ہیں۔

وَ لِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓىٕكَةُ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ(۴۹)

ترجمہ: اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں چلنے والا ہے اور فرشتے اور وہ غرور نہیں کرتے۔ (سورۃ النحل، آیت نمبر 49)

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ-اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ(۳۴)

ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 34)

یہاں پر بھی کوئی تعارض نہیں اصل میں ملحد جب اللہ ہی کو نہیں مانتے اللہ کے حکم کو کیا سمجھے اور کیا مانے گے۔ پہلی آیت میں ہر شے زمین و آسمان کی اللہ کے حکم سے اللہ کو سجدہ کرتی ہے اور وہ تکبر نہیں کرتی کیونکہ تکبر کرنا والا بظاہر تو اللہ کو سجدہ کرتا ہے، مگر بباطن وہ اپنے نفس کی پیروی اور اسے سجدہ کرتا ہے۔ اصل میں ان دو آیات سے جس بات کی حقیقت سمجھائی گئی ہے۔ آئیں اس کو

تفصیل سے سمجھتے ہیں:

پہلی بات تو یہ کہ دوسری آیت میں شیطان نے سجدہ نہیں کیا سب نے کیا اللہ کے حکم سے کیا (قطع نظر اس سجدے کی کیفیت کیا تھی) اب وہ بظاہر تو اللہ ہی کو سجدہ کرنے کا قائل تھا اس میں تو تعارض کہا۔

مگر بات اس سے بھی کچھ آگے ہے کہ حکمِ ایزدی ہی ہر شے کا منبع و ماخذ ہے۔اس کے حکم پہ سرِ تسلیم خم کرنا ہی اس کی اطاعت ہے، اور اس کی اطاعت عجز و انکساری سے ممکن ہے۔ نا کہ تکبر سے جیسا کہ اللہ کریم نے پہلی آیت میں بیان فرمایا۔

اور دوسری آیت میں اللہ کریم نے شیطان کے تکبر کو بیان کیا کہ اس نے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی، اس نے اپنے تکبر کی بنیاد پہ" اور اس تکبر کی ماہیت اور نفسیات کو بھی سمجھنا یہاں ضروری ہے۔"

دیکھیے شیطان نے اس وقت اس جدید مادیت پرست منطق جو آج بڑی شد و مد سے ملحدین اور مادہ پرست استعمال کرتے ہیں کی بنیاد رکھ دی تھی" اس سے پہلے کہ ہم اسے قران سے سمجھے میں ایک بات واضح کر دوں کہ وہ جو اس بات پہ مصر ہیں ضدی ہیں کہ وہ کسی رب کو نہ مانتے ہیں نہ سجدہ کرتے ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں وہ اپنے نفس اور نفس کے حکم پہ ہر مادی شے کو پوجتے ہیں، اللہ ان کی اس حقیقت کی طرف ہوں اشارہ فرماتا ہے۔"

اَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَكُوۡنُ عَلَيۡهِ وَكِيۡلًا

ترجمہ: کبھی تم نے اُس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہو؟ کیا تم ایسے شخص کو راہِ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہو؟" (سورۂ الجاثیہ، آیت نمبر 23)

اب ملحد سمجھتے ہیں کہ وہ کسی کی پوجا نہیں کرتے کاش کہ وہ غور کریں،

بقول علامہ اقبال رحمہ اللہ:

یہ ایک سجدہ جسے تُو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

خیر اب تکبر کی فلاسفے کو سمجھ لیں تا کہ ہمیں سمجھ آجائے کہ ہم کہاں بھٹکے پھرتے ہیں، جب شیطان سے پوچھا گیا کہ تو نے کیوں سجدہ نہ کیا تو اس کی تقابلِ عناصر:

Comparison Between The Elements

جواس کی منطق تھی جو سراسر عقلی بنیاد پہ منحصر تھی جو آج بھی مادیت پسندوں کے ہاں پیش کی جاتی ہے ان کے امام اللعین کا جواب سنئے:

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿سورۂ ص﴾

ترجمہ: (شیطان نے) ''کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں؛ تُو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے'' (سورہ الص، آیت نمبر 75)

اب یہ تھی تکبر کی وجہ Reason خود کو دوسروں سے بہتر سمجھنا Reason on the Basis of Comparison Between The Elements، اور اپنی ہی سوچ کے بل بوتے پر مٹی کو حقیر اور آگ کو اعلی سمجھنا، جب کہ یہ نہ دیکھنا کہ مٹی اور اگ کے خالق کا حکم کیا ہے؟ اس حکم کو پسِ پشت ڈال کر صرف اور صرف اپنی عقل اپنی منطق کے بل بوتے پر اس لیے اللہ کی بارگاہ سے وہ رونده گیا کہ کیوں کہ اپنے بنانے والے کے سامنے اکڑ گیا اور اپنی منطق کی پیروی میں لگ گیا اور اپنے ہی تقابل میں لگ گیا۔

یہ ہے ان آیات کی حقیقت کاش کہ ملحدین کو صحیح سمجھ آ جائے اور وہ الحاد سے اسلام کی طرف آ جائیں۔

التوفیق الا باللہ۔۔۔۔۔



ملحدین کے اعتراض نمبر 19 کا جواب
کیا اللہ کو قرض دیا جا سکتا ہے؟

ترجمہ: اللہ ہی کی بادشاہی ہے آسمان اور زمین میں (سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 189)

ترجمہ: کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 245)

ملحدین نے حسب معمول دو آیت پیش کر کے قرآن میں تضاد ثابت کرنے کی ناپاک، ناکام کوشش کی، پہلی آیت ہے، اللہ ہی کی بادشاہی ہے آسمان اور زمین میں، جبکہ دوسری آیت میں اللہ قرض مانگ رہا ہے۔ ہم عربی متن ترجمہ کے ساتھ آیت درج کر کے ملحدین کے شیطانی مغالطے کا ردبلیغ پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ-وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۠(۱۸۹)

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 189)

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً-وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ-وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ(۲۴۵)

ترجمہ: ہے کوئی جو اللہ کو قرض حسن دے تو اللہ اس کے لئے بہت گُنا بڑھا دے اور اللہ تنگی اور کشائش کرتا ہے اور تمہیں اسی کی طرف پھر جانا (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 245)

ان دو آیات میں بھی تعارض نہیں سوائے عقل کے اندھوں کے اصل ناسمجھ لوگ عرب کے مقولوں سے واقف نہیں کہ یہاں قرضِ حسنہ محاوراتاً استعمال کیا گیا ہے نا کہ وہ معنی جو ہمارے ہاں قرض کا لیا جاتا ہے۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے اسے قرض حسنہ کے طور پہ ارشاد فرمایا، وگرنہ یہ تمام نعمتیں جن میں ہماری زندگی بھی شامل ہے اللہ ہی کی نعمت ہے یہ تو ملحد بھی جانتے ہیں۔ مرزا اسد خاں غالبؔ نے کیا خوب کہا:

جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اللہ کریم نے انسان کو انسان سے محبت ، ہمدردی، بھائی چارہ، ایثار اور قربانی کا حکم فرماتا ہے جسے وہ قرض حسنہ ارشاد فرماتا ہے۔ حالانکہ یہ سب جانتے ہیں کہ کبھی کسی نے براہِ راست اللہ کو کچھ نہیں دیا، پھر بھی ملحد جملہ اعتراضات سے لیس رہتے ہیں اصل میں وہ چاہتے ہیں کہ انسان انسان کے کام نہ آئے ، بلکہ ایک دوسرے کے استحصال میں آگے بڑھ جائے اور دنیا، دوزخ، کی تصویر دیکھائی دے۔

اللہ فرماتا ہے:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۳)

ترجمہ: وہ لوگ جو بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے کچھ (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 3)

اب جب جان اس کی دی مال اس کا دیا تو پھر بھی وہ اللہ کے رستے میں اپنے جیسے مجبور و لاچار انسانوں کو دینے کو قرضِ حسنہ فرما رہا ہے۔ اگر آپ اندازہ کرے تو جو بنیادی نعمتیں ہیں وہ کیا انسان کی پیدا کی ہیں کیا اس نے خود، خود کو پیدا کر لیا؟ کیا زمین انسان کی پیدا کردہ ہے؟ کیا سورج چاند، ستارے، سیارے، ہوا، اور دیگر لوازماتِ زندگی انسان کے پیدا کردہ ہیں نہیں ہرگز نہیں بلکہ اللہ و خالق و مالک کے تخلیق کردہ ہیں۔ تو پھر اللہ تو ان معاملات میں کسی کا محتاج نہیں، تو پھر اس طرح کا اعتراض بذات خود عبث بے کار ارو لفظوں کی الٹی سیدھی بازی گری کے سوا کچھ نہیں۔

اللہ کریم تو اس قدر ارشاد فرماتا ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ- كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ -وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ (۳۷)

ترجمہ: اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ ان کے خون ہاں تمہاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے یونہی ان کو تمہارے بس میں کر دیا کہ تم اللہ کی بڑائی بولو اس پر کہ تم کو ہدایت فرمائی اور اے محبوب خوش خبری سناؤ نیکی والوں کو (سورۂ الحج، آیت نمبر 37)

اب بتایئے اللہ تو فرما رہا ہے کہ تمہارا اخلاص جو تم نے خالصتاً ہمارے حکم کے تحت اختیار کیا

ہم تک پہنچتا ہے جسے ہم قرض حسنہ کے طور پہ جمع کرر کھتے ہیں۔ جو تمہیں آخرت میں واپس اجر کے طور پہ کر دے گے۔ یہ اس لیے کہ یہ دنیا دار الامتحان ہے، اور ہم نے زندگی اور موت تمہیں آزمانے کے لیے بنائی۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

الَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ

ترجمہ: جس نے موت اور زندگی اس لئے پیدا کی تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ بہتر ہے، اور وہی ہے جو مکمل اِقتدار کا مالک، بہت بخشنے والا ہے۔ (سورۃ الملک، آیت نمبر 2)

اب اگر کوئی قران کا مطالعہ سیاق وسباق کو توڑ کے کرے گا اور عربی زبان کے اسلوبیات سے ہٹ کے سمجھے گا تو اسے کیا کہا جائے سوائے اس دعا کے کہ اللہ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔

التوفیق الا باللہ، ۔۔۔۔



ملحدین کے اعتراض نمبر 20 کا جواب
ایک مسلمان دس کافروں بھاری یا دو پر؟

ترجمہ: ایک مسلمان مومن دس کافروں پر بھاری ہے (سورۃ الانفال، آیت نمبر 65)

ترجمہ: ایک مسلمان مومن دو کافروں پر بھاری ہے (سورۃ الانفال، آیت نمبر 66)

معترض نے دو آیت کا ترجمہ توڑ مڑوڑ کر پیش کیا، پہلے میں ''ایک مسلمان، مومن دس کافروں پر بھاری ہے، دوسری آیت میں ایک مسلمان، مومن دو کافروں پر بھاری ہے'' درج کر کے قرآن مجید میں تضاد ثابت کرنے کی ناپاک، ناکام کوشش کی، ہم عربی متن کے ساتھ پورا ترجمہ پیش کر کے معترض کے شیطانی دجل کا جواب لکھتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ-اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ-وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ(٦٥)

ترجمہ: اے غیب کی خبریں بتانے والے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر تم میں کے بیس صبر والے ہوں گے دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں کے سو ہوں تو کافروں کے ہزار پر غالب آئیں گے اس لیے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے (سورۃ الانفال، آیت نمبر 65)

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا-فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ-وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ-وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ(٦٦)

ترجمہ: اب اللہ نے تم پر سے تخفیف فرمادی اور اسے معلوم ہے کہ تم کمزور ہو تو اگر تم میں سو صبر والے ہوں دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں کے ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب ہوں گے اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔ (سورۃ الانفال، آیت نمبر 66)

ان آیات میں کہیں تعارض یا تضاد نہیں پایا جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ جنگی حالات میں دو گرہوں

کے درمیان قوت اور غلبِ کی کیفیت کو بیان فرما رہا ہے۔

اس قوت اور غلب کی اصل اللہ تعالیٰ نے جو بیان فرمائی وہ صبر ہے۔صبر اگر مشکل کی کلید اور ہر مشکل کام اور آزمائش سے نکلنے کا پہلا اور بنیادی وصف ہے۔صبر ایک بہترین وصف ہے اور نفسیاتی ہتھیار مجھے نہیں علم کے اس بڑی خوبی سے ملحد کیوں واقف نہیں، یا وہ اسے خوبی تسلیم نہیں کرتے، اس لیے شاید وہ جلد باز ہیں کیونکہ صبر سے وہ بالکل صاف ہیں۔صبر استقامت کے لیے راہ ہموار کرتا ہے جو آزمائش کی گھڑی میں انسان کے لیے حکمتِ عملی پیدا کرتا ہے۔

مگر یاد رکھیے صبر ایمان اور اطاعت کے بغیر پیدا ہونا ناممکن ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ. اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔

ترجمہ: اور صبر کرو، اور تمھیں اللہ کے بغیر صبر حاصل نہیں ہوسکتا۔تم نہ ان پر غم کرو، اور نہ جو یہ چالیں چلتے ہیں، ان سے پریشانی میں مبتلا ہو۔اس لیے کہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا اور وہ محسن بھی ہیں۔(سورۂ النحل، آیت نمبر 127 تا 128)

یہی تو فرق ہے کہ ایمان والے جب اللہ کو اپنی جانیں اس یقین کے ساتھ کہ آخرت میں ان کے لیے اجر ہے لڑتے ہیں تو ان کا صبر کا پیمانہ اور جو صرف اس دنیا کو ہی اور اس کے مال کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان کی لڑائی بتائے کس بنیاد پہ ہوگی کیا وہ مصیبت برداشت کریں گے؟ کیا وہ مرنا پسند کریں گے؟ کبھی نہیں تو پھر ان کے صبر جنگی حکمت اور لڑائی کی بنیاد ہی عارضی ہے تو وہ کہاں جم کے لڑ سکے گے۔

اس میں ایک عجیب نفسیاتی پہلو بھی موجود ہے۔وہ یہ ہے کہ صابر آدمی کو پہلے ہی مرحلے پر ایک نفسیاتی تفوق حاصل ہوتا ہے۔ وہ مصائب پر چیخنے چلانے کے بجائے، سب سے الگ طریقے پر حوصلہ اور عزم سے کھڑا ہوتا ہے۔یہ چیز ان کے لیے صدمہ کے آغاز ہی میں سہارا بن کر ظاہر ہوجاتی ہے، اور اگر مصیبت اور صدمہ سنگین ہوتا چلا جائے، تو پھر اس سے نکلنے کی راہ یا سہنے کی طاقت ملتی چلی جاتی ہے۔

ان آیات کا آپ اگر جائزہ اس صبر کے ضمن میں لیں تو بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔کہ جیسے صبر کا معیار بڑھے گا ویسے ہی اللہ اپنے حکم کو مستحکم کرتا چلا جائے گا۔ان آیات

کے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے کچھ یوں منقول ہے:

''کہ گذشتہ آیت جس میں مسلمانوں کو دس گنا کافروں کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم تھا، جب لوگوں کو بھاری معلوم ہوئی تو اس کے بعد یہ آیت اتری۔

(اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ) سورۃ الانفال، آیت نمبر 66)

یعنی خدا نے تمہاری ایک قسم کی کمزوری اور سستی کو دیکھ کر پہلا حکم اٹھالیا۔ اب صرف اپنے سے دوگنی تعداد کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری اور بھاگنا حرام ہے، یہ کمزوری یا سستی جس کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہوئی، کئی وجوہ سے ہوسکتی ہے۔ ابتدائے ہجرت میں گنے چنے مسلمان تھے جن کی قوت وجلادت معلوم تھی، کچھ مدت کے بعد ان میں سے بہت افراد بوڑھے اور کمزور ہو گئے اور جونئی پود آئی ان میں پرانے مہاجرین وانصار جیسی بصیرت، استقامت اور تسلیم وتفویض نہ تھی، اور تعداد بڑھ جانے سے کسی درجہ میں اپنی کثرت پر نظر اور ''توکل علی اللہ'' میں قدرے کمی ہوئی ہوگی۔ اور ویسے بھی طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جو سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے۔

اس لیے ایمان والوں کو اللہ پہ بھروسہ اور ایمان کی تلقین کی گئی جیسا کہ۔ اللہ فرماتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَ اذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (۴۵) وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَ اصْبِرُوْا ۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (۴۶) وَ لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۔ وَ اللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ (۴۷)

ترجمہ: اے ایمان والو جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کی یاد بہت کرو کہ تم مراد کو پہنچو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کرو گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی، اور صبر کرو بیشک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔ اور ان جیسے نہ ہونا جو اپنے گھر سے نکلے اتراتے اور لوگوں کے دکھانے کو اور اللہ کی راہ سے روکتے اور ان کے سب کام اللہ کے قابو میں ہیں۔ (سورۃ الانفال آیت نمبر 45 تا 47)

اب ملحدین نہ تو ایمان کے قائل نہ صبر کے تو انہیں آیات میں تعارض نہ نظر آئے تو اور کیا نظر آئے التوفیق الا باللہ۔۔۔۔



ملحدین کے اعتراض نمبر 21 کا جواب
منکرین آخرت کو درگزر کریں یا جنگ؟

ترجمہ: جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان سے درگزر کرو (سورۃ الجاثیہ، آیت نمبر 14)

ترجمہ: جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان سے جنگ کرو (سورۃ التوبہ، آیت نمبر 29)

ملحد، معترض نے اس اعتراض میں بھی دو آیت پیش کر کے تضاد ثابت کرنے کی ناپاک، ناکام کوشش کی ہے۔ پہلی میں، جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان سے درگزر کرو، دوسری جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان سے جنگ کرو، گزشتہ اعتراض کی طرح اس میں بھی سوائے جہل، دجل کے اور کچھ نہیں ساتھ ہی معترض نے حسب معمول قرآن مجید کی مقدس آیات کو سیاق و سباق سے ہٹا کر نسخ و منسوخ پر نظر نہ رکھ کر تضاد بنانے کی ناکام کوشش کی۔ ہم عربی متن کے ساتھ ترجمہ درج کر کے ملحد معترض کے اس اعتراض کا مسکت جواب عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (١٤)

ترجمہ: ایمان والوں سے فرماؤ درگزریں اُن سے جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے تا کہ اللہ ایک قوم کو اس کی کمائی کا بدلہ دے۔ (سورۃ الجاثیہ، آیت نمبر 14)

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ (٢٩)

ترجمہ: لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے یعنی وہ جو کتاب دیے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہو کر۔ (سورۃ التوبہ، آیت نمبر 29)

معترض کا بیان کردہ ترجمہ ٹھیک نہیں وہ اپنی مرضی اور من مانی جہت نکال کر اعتراض وارد

کررہا ہے جو بذات خود علمی خیانت اور علمی بدیانتی کے مترادف ہے۔

آیئے معترض کی پیش کردہ پہلی آیت کے ترجمے کے ساتھ اس کے اقتباس کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے ایام اللہ کا لفظ استعمال کیا ہے، جو کہ یوم کی جمع ہے، جس سے مراد آخرت کا دن خاص نہیں بلکہ مطلقاً ''اللہ کے تمام دن ہیں'' دنیا والے بھی اور آخرت والے بھی چاہے دنیا میں جزا دے یا آخرت کے دنوں میں۔اس کے علاوہ درگزر کرنے کی جو بات کی گئی وہ مکی زندگی کا حکم ہے،" جو تکلیفیں مکہ والوں نے دی ان سے درگزر کریں۔

یہاں معترض نے اس آیت کے زمانی پہلو اور نسخ و منسوخ کو مدنظر نہ رکھا۔ یہ آیت منسوخ ہوگئی تھی جس کی تفصیل کتب تفسیر میں ہے۔ہم یہاں دو آیت پیش کرتے ہیں جس کے بعد اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا تھا ملاحظہ فرمائیں:

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ(۵۷)

ترجمہ: تو اگر تم کہیں انہیں لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسا قتل کرو جس سے ان کے پس ماندوں کو بھگاؤ اس امید پر کہ شاید انہیں عبرت ہو۔(سورۃ الانفال، آیت نمبر 57)

وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً-وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ(۳۶)

ترجمہ: اور مشرکوں سے ہر وقت لڑو جیسا وہ تم سے ہر وقت لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔(سورۃ التوبہ، آیت نمبر 36)

نسخ و منسوخ بھی اللہ کریم کی طرف سے ہے ملاحظہ فرمائیں:

نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ: جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 106)

ناسخ و منسوخ دونوں اللہ کریم کی عین حکمت ہیں اور ناسخ کبھی منسوخ سے زیادہ اسان اور نفع بخش ہوتا ہے، لہٰذا قدرت الٰہی پر یقین رکھنے والے کو اس میں تردد کی کوئی گنجائش نہیں۔ کائنات میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دن سے رات کو، گرما سے سرما کو، جوانی سے بچپن کو،

بیماری سے تندرستی کو، بہار سے خزاں کو منسوخ فرماتا ہے۔ یہ تمام نسخ وتبدیل اس کی قدرت کے دلائل ہیں تو ایک آیت اور ایک حکم کے منسوخ ہونے میں صرف بندر والی عقل رکھنے والے ملحد کو ہی تعجب ہوسکتا ہے۔ نسخ حقیقت میں سابقہ حکم کی مدت کا بیان ہوتا ہے، کہ وہ حکم اس مدت کے لیے تھا اور اب وہ مدت پوری ہوگئی۔ صرف یہ تھا کہ ہمیں وہ مدت معلوم نہ تھی اور ناسخ کے آنے سے معلوم ہوگئی۔ ملحدین جو اپنے آپ کو بندر کی اولاد سمجھتے ہیں ان کا اعتراض تو جہالت کی پیداوار ہے۔

اب چلتے ہیں دوسری آیت کی طرف:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔

(سورۃ التوبہ، آیت نمبر 29)

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر اور نہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ وہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، یہ لوگ ہیں جن کو کتاب دی گئی (تم ان سے قتال کرتے رہو) حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں۔

ربط آیات اور مناسبت: اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالی نے مشرکین کے احکام بیان فرمائے تھے کہ نو ہجری کے بعد ان کو مسجد حرام میں حج اور عمرہ کے لیے آنے کی اجازت نہیں ہوگی اور نہ مشرکین کے لیے مساجد کو بنانا جائز ہے، اور یہ کہ مشرکین جہاں پائے جائیں ان کو قتل کرنا واجب ہے، اب اس آیت میں اللہ تعالی اہل کتاب کا حکم بیان فرما رہا ہے کہ اہل کتاب اگر ایمان نہ لائیں تو ان سے قتال کرو حتی کہ وہ ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کریں۔

ادھر بھی وہی دجل کاری کی گئی سیاق وسباق کاٹ دیا گیا ادھر حکم صرف آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کی بات نہیں بلکہ کتاب کو بدلنے والے اللہ تعالیٰ کی ہر طرح سے نافرمانی کرنے سے

جنگ کا حکم ہے۔اور وہ بھی جزیہ کی صورت میں حکماً بدل جاتی ہے جیسا کہ آیت کے سیاق وسباق سے عیاں ہے۔

جواب کی طوالت کی وجہ سے جزیہ کی بحث کو روک رکھتے ہیں۔ چونکہ معترض کے اعتراض کا اتنا جواب کافی وشافی ہے۔

الّتوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 22 کا جواب
قرآن صرف عربوں کے لیے یا ساری دنیا کے لیے؟

ترجمہ: قرآن عربوں کے لیے ہے۔
(سورۂ الفصلٰت، آیت نمبر 44)(سورۂ الزخرف، آیت نمبر 3)(سورۂ الیوسف، آیت نمبر 2)
ترجمہ: قرآن ساری دنیا کے لیے ہے (سورۂ النساء، آیت نمبر 174)
ترجمہ: قرآن انسانوں اور جنوں کے لیے ہے۔ (سورۂ الرحمٰن، آیت نمبر 33)

ملحد معترض، جو غالباً عربی کے عین سے بھی واقف نہیں ہے، توڑ مڑوڑ کر اپنی مرضی کا ترجمہ نکال کر چند آیات پیش کر کے تین باتیں درج کر کے تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کر رہا ہے۔ پہلی قرآن عربوں کے لیے ہے، دوسری قرآن ساری دنیا کے لیے ہے، تیسری، قرآن انسانوں اور جنوں کے لیے ہے۔

اس سے پہلے کہ حسب معمول عربی متن، اور صحیح ترجمہ کر کے ہم جواب عرض کریں ہم ملحد معترض کا دجل آپ کو بتانا چاہتے ہیں، ملحد معترض نے سب سے آخر میں جو آیت سورہ رحمان کے حوالے سے درج کی ہے وہ ہم کو پوری سورت میں کہیں نہیں ملی جس سے یہ بات اور پختہ ہو جاتی ہے کہ ملحد معترض کے اعتراضات بغض کے سوا اصلاً کچھ نہیں۔ اب جواب ملاحظہ فرمائیں۔

وَ لَوۡ جَعَلۡنٰہُ قُرۡاٰنًا اَعۡجَمِیًّا لَّقَالُوۡا لَوۡ لَا فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ ؕ ءَاَعۡجَمِیٌّ وَّ عَرَبِیٌّ ؕ قُلۡ ہُوَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ہُدًی وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَقۡرٌ وَّ ہُوَ عَلَیۡہِمۡ عَمًی ؕ اُولٰٓئِکَ یُنَادَوۡنَ مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ (۴۴)

ترجمہ: اور اگر ہم اُسے عجمی زبان کا قرآن کرتے تو ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں کیوں نہ کھولی گئیں کیا کتاب عجمی اور نبی عربی تم فرماؤ وہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور وہ جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ٹینٹ ہے اور وہ ان پر اندھا پن ہے گویا وہ دُور جگہ سے پکارے جاتے ہیں۔ (سورۂ الفصلٰت، آیت نمبر 44)

اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ‌ۚ‏ (۳)

ترجمہ: ہم نے اُسے عربی قرآن اُتارا کہ تم سمجھو۔ (سورۃ الزخرف، آیت نمبر 3)

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ (۲)

ترجمہ: بیشک ہم نے اسے عربی قرآن اُتارا کہ تم سمجھو۔ (سورۃ الیوسف، آیت نمبر 2)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا (۱۷۴)

ترجمہ: اے لوگو بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا۔ (سورۃ النساء، آیت نمبر 174)

معترض بڑی سادگی سے عیارانہ ہاتھ صاف کر کے نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ شاید اپنی کم علمی اور بے وقوفی کو ہر آئینے میں دیکھنے کا عادی ہو گیا ہے۔

صاحب فرماتے ہیں کہ اوپر والی آیات میں تعارض ہے۔ کیا تعارض ہے کہ ایک آیت میں قرآن عرب کے لیے ہدایت ہے۔۔۔۔ ایک آیت میں ساری دنیا کے لیے ہدایت کا پروانہ دیا گیا ہے۔۔۔ کوئی صاحبِ عقل ہو تو سمجھے کہ جنابِ والا اعتراض جڑنے سے پہلے کوئی ایک آدھی کتاب یا عبارت عموم وخصوص، مقید وعام کے باہمی تعلق اور کسی بیان میں اس کے درست پیرائے اور تطبیق کے متعلق مطالعہ فرما لیتے تو اتنے لمبے چوڑے چکر میں پڑھنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔۔۔۔

خطاب کی اقسام اور مخاطبین کی درجہ بندی سے بھی معترض صاف اور چٹا ہے۔

قران مجید فرقانِ حمید کے خطاب کے ایک سے زیادہ اسلوب ہیں کبھی وہ خطاب میں صرف پیغبر سے مخاطب ہوتا ہے، کبھی اہل عرب، کبھی پوری انسانیت اور کبھی کبھی آپ ﷺ سے بظاہر خطاب مگر اصل مخاطبین امت ہوتے ہیں قران مجید کا مطالعہ کرنے والے اس اسلوب سے مکمل واقف اور اس کی امثال سے بخوبی واقف ہیں۔

آپ جب بھی کسی زبان کے مخاطبیت کے اسلوب سے واقف نہ ہوں تو پھر اس طرح کے بے ڈھنگے، عجیب اور بے سروپا سوالات تو اُٹھیں گے۔

اب جب قران آپ ﷺ سے مخاطب ہوگا تو ایک خاص انداز اور صیغہ میں، جب عرب سے مخاطب ہوگا تو ایک خاص انداز میں اور جب ایمان والوں کے لیے تب ان سے خاص تخاطب

فرماتا ہے۔

اب معترض کہتا ہے کہ قران فرماتا ہے قران عربوں کے لیے ہے ہاں ہے۔ حالانکہ جو ترجمہ معترض نے پیش کیا وہ اس طرح نہیں آئیں اس کو درست متن درست ترجمے کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

وَ لَوۡ جَعَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا اَعۡجَمِیًّا لَّقَالُوۡا لَوۡ لَا فُصِّلَتۡ اٰیٰتُهٗ-ءَاَعۡجَمِیٌّ وَّ عَرَبِیٌّ-قُلۡ هُوَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًی وَّ شِفَآءٌ-وَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرٌ وَّ هُوَ عَلَیۡهِمۡ عَمًی-اُولٰٓئِكَ یُنَادَوۡنَ مِنۡ مَّكَانٍۭ بَعِیۡدٍ(۴۴)

ترجمہ: اور اگر ہم اُسے عجمی زبان کا قرآن کرتے تو ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں کیوں نہ کھولی گئیں کیا کتاب عجمی اور نبی عربی تم فرماؤ وہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور وہ جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ٹینٹ ہے اور وہ ان پر اندھا پن ہے گویا وہ دُور جگہ سے پکارے جاتے ہیں۔(سورۂ الفصلٰت، آیت نمبر 44)

یہاں تو عرب جو سے انہیں یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر قران اس زبان کے علاوہ ہوتا تو تم۔ کہتے بھی کہ یہ ہم پہ مبہم رہا مگر تم تو یہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ چونکہ امت کے طبقہ اول عرب تھے اس لیے ان سے قران خطاب فرما کر واضاحت فرما رہا ہے کہ

قُلۡ هُوَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًی وَّ شِفَآءٌ-

ترجمہ: فرماؤ وہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے۔(سورۂ الاسرأ، آیت نمبر 82)

اب معترض کو کون پڑھ کہ سنائے کہ یہاں تو قران فرما رہا ہے کہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت بھی ہے اور شفاء بھی سورۃ بقرہ کی ابتداء میں فرمانِ خدا سنیئے

ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ ۛۚ-هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَۙ(۲)

ترجمہ: وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو۔

(سورۂ البقرہ، آیت نمبر 2)

اب ذرا قیامت کی صبح تک کے انسانوں کے لیے اسلوبِ مخاطبت ملاحظہ فرمائیں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَۙ(۲۱)

ترجمہ: اے لوگو اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے۔ (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 21)

اب دیکھتے ہیں عمومی خطاب جو اصلِ قران کی غرض و غایت ہے۔ یہ خطابِ ہدایت تمام انسانوں کے لیے ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۖ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۖ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۱۸۵)

ترجمہ: رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اُترا لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں۔ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا اور اس لئے کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی بولو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی اور کہیں تم حق گزار ہو۔

(سورۂ البقرہ، آیت نمبر 185)

اب قران کے اسلوب کی مکمل واقفیت کے بعد میں معترض سے یہ سوال کرتا ہوں صرف ایک سوال کہ مجھے قران سے صرف ایک آیت لا دیکھائے کہ اللہ نے فرمایا ہو کہ یہ قرآن صرف اور صرف عرب کے لیے ہے اور انسانوں کے لیے نہیں؟

چونکہ معترض عموم خصوص، سیاق و سباق، مجمل و مفصل جیسے زبان کے قواعدوں وضوابط سے واقف نہیں اس لیے وہ اندھیرے میں ہے اب اگر وہ ہٹ دھرم، ضدی، بد خیانت نہ ہوا تو اس روشنی کے بعد وہ ضرور ہدایت پہ آ جائے گا۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 23 کا جواب
کیا آپ ﷺ سے پہلے بھی کوئی ڈرانے والا آیا؟

ترجمہ: محمد (ﷺ) سے پہلے کوئی (نبی) ڈرانے والا نہیں آیا (سورۂ السباء، آیت نمبر 44)
ترجمہ: ہر ایک امت کے لئے ایک رسول آیا (سورۂ الیونس، آیت نمبر 47)

معترض کے نزدیک پہلی آیت میں اللہ نے فرمایا، محمد (ﷺ) سے پہلے کوئی نبی ڈرانے والا نہیں آیا، جبکہ دوسری میں اللہ نے فرمایا ہر ایک امت کے لئے ایک رسول آیا۔ لہٰذا ان دونوں آیات میں تضاد ہے ہم عربی متن کے ساتھ آیات کا ترجمہ پیش کر کے اس اعتراض کا جواب عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ (۴۴)

ترجمہ: اور ہم نے انہیں کچھ کتابیں نہ دیں جنہیں پڑھتے ہوں نہ تم سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا آیا۔ (سورۂ السباء، آیت نمبر 44)

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌۚ-فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (۴۷)

ترجمہ: اور ہر امت میں ایک رسول ہوا جب ان کا رسول ان کے پاس آتا ان پر انصاف کا فیصلہ کر دیا جاتا اور ان پر ظلم نہ ہوتا۔ (سورۂ الیونس، آیت نمبر 47)

یہاں بھی اعتراض کی کوئی جا نہیں یہ سورت سبا کی آیت میں اہل عرب سے خطاب ہے۔ اور چونکہ اہل عرب کی طرف اس سے قبل کوئی نبی و رسول مبعوث نہ ہوا تھا اس کے لیے زیادہ تر دد کی ضرورت نہیں اسی آیت سے بعد والی آیت میں یہ بات عیاں کر دی گئی ہے اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہاں اہل عرب سے خطاب ہے اور اہلِ عرب سے پہلے بھی دعوتِ حق اور انبیاء تشریف لاتے رہے ہیں۔

وَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْۙ-وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ-

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ

ترجمہ: اور ان سے اگلوں نے جھٹلایا اور یہ اس کے دسویں کو بھی نہ پہنچے جو ہم نے اُنہیں دیا تھا پھر انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو کیسا ہوا میرا انکار کرنا۔ (سورۃ السباء، آیت نمبر 45)

اس آیت کو معترض تھوڑا سا بھی غور سے پڑھ لیتا تو اسے پتا چل جاتا کہ ان سے یعنی (اہل عرب) سے قبل بھی قوموں کی طرف انبیاء مبعوث ہوئے ہیں جن کو جھٹلایا گیا اور بڑی شدت سے جھٹلایا گیا۔ اس سورت کی آیت نمبر 43 کو ملاحظہ کریں بات کھُل جائے گی کہ یہ اہل عرب اور ان سے پہلے بھی انبیاء علیہ السلام کی تکذیب کی گئی ہے

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ-وَ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكٌ مُّفْتَرًى-وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ-اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ

ترجمہ: اور جب اُن پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جائیں تو کہتے ہیں یہ تو نہیں مگر ایک مرد کہ تمہیں روکنا چاہتے ہیں تمہارے باپ دادا کے معبودوں سے اور کہتے ہیں یہ تو نہیں مگر بہتان جوڑا ہوا اور کافروں نے حق کو کہا جب ان کے پاس آیا یہ تو نہیں مگر کھلا جادو۔ (سورۃ السباء، آیت نمبر 43)

چونکہ اہل عرب کے لوگوں پر پہلے آسمانی کتاب نازل نہیں ہوئی تھی اور نہ آپ سے پہلے ان میں کوئی رسول آیا تھا اور یہ پہلے کہا کرتے تھے کہ اگر ہم میں کوئی کتاب نازل ہوتی یا ہم میں کوئی اللہ کا رسول آتا تو ہم سب سے زیادہ اللہ تعالی کے عبادت گزار اور اطاعت شعار ہوتے، لیکن جب اللہ تعالی نے ان کی یہ دیرینہ آرزو پوری کی تو یہ اس کتاب اور اس رسول کا انکار کرنے لگے اور ان کی تکذیب کرنے لگے۔

اس کے علاوہ دوسری آیت جو معترض نے پیش کی اس میں بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ نے ہر قوم کی طرف انبیاء علیہ السلام بھیجے ہیں۔

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ-فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ(۴۷)

ترجمہ: اور ہر امت میں ایک رسول ہوا جب ان کا رسول ان کے پاس آتا ان پر انصاف کا فیصلہ کر دیا جاتا اور ان پر ظلم نہ ہوتا۔ (سورۃ الیونس، آیت نمبر 47)

اب دیکھ لیجیے کہ ہر امت کی طرف انبیاء ورسل علیہ السلام مبعوث ہوئے مگر اہل عرب کی طرف ابھی کوئی پیغبر نہ آیا تھا تو آپ ﷺ کی بعثت اہل عرب کی طرف ہوئی اوران کے لیے بھی حجت تمام کردی گئی اوراللہ نے اپنا قاعدہ اوراصولِ انصاف بھی بیان کردیا جو ہر ایک کو پیغامِ حق پہنچانے کے بعد نازل ہوتا ہے۔

اب پتا نہیں کیوں معترض سیاق وسباق اوراجمال وتفصیل کو پڑھ کر راضی وہ تو صرف فریب اوردجل کاری سے کام لینے کے درپہ ہے اللہ سب کو ہدایت نصیب فرمائے آمین

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 24 کا جواب
قوم عاد کو کتنے دنوں میں تباہ کیا؟

ترجمہ: قوم عاد کو ایک دن میں تباہ کیا۔ (سورۃ القمر، آیت نمبر 19)

ترجمہ: قوم عاد کو کئی دنوں میں تباہ کیا۔ (سورۃ الفصلت، آیت نمبر 16)

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ (١٩)

ترجمہ: بیشک ہم نے اُن پر ایک سخت آندھی بھیجی ایسے دن میں جس کی نحوست ان پر ہمیشہ کے لیے رہی۔ (سورۃ القمر، آیت نمبر 19)

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ (١٦)

ترجمہ: تو ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی سخت گرج کی ان کی شامت کے دنوں میں کہ ہم انہیں رسوائی کا عذاب چکھائیں دنیا کی زندگی میں اور بیشک آخرت کے عذاب میں سب سے بڑی رسوائی ہے اور ان کی مدد نہ ہوگی۔ (سورۃ الفصلت، آیت نمبر 16)

ان آیات میں بھی کہی تضاد و تعارض نہیں بلکہ معترض کا ترجمہ جو اس نے پیش کیا بدنیتی پہ منحصر ہے آپ اوپر اس کا پیش کردہ ترجمہ دیکھ لیں میں مزید یہاں پیش کر دیتا ہوں۔

اب ان تراجم میں علمی خیانت چھلک رہی ہے درست تراجم اوپر پیش کر دیے گئے ہیں۔

سورۃ قمر میں اللہ کریم فرماتا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ (١٩)

ترجمہ: بیشک ہم نے اُن پر ایک سخت آندھی بھیجی ایسے دن میں جس کی نحوست ان پر ہمیشہ کے لیے رہی۔ (سورۃ القمر، آیت نمبر 19)

اس آیت میں اللہ ان پر عذاب کے طور پہ بھیجی گئی آندھی کے آغاز کا ذکر فرما رہا ہے جسے ''یوم نحس مستمر'' سے تعبیر فرمایا ''یوم نحس'' کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ

فرماتے ہیں۔

''یوم نحس مستمر ۔ یعنی ایسے دن میں جو ان پر منحوس تھا۔حضرت ابن عباس نے کہا، یہ مہینے کے آخری بدھ کو عذاب آیا۔''

اب اس آیت سے تو عذاب کی شروعات کے متعلق خبر دی اور اس کی مزید تفصیل سورہ فصلٰت میں بیان کر دی گئی۔خود سورۃ قمر میں لفظ مستمر سے بھی بات عیاں ہوتی ہے کہ اس دن سے شروع ہونے والا عذاب ان پر جاری رہا جس کی کچھ تفصیل سورۃ فصلت میں یوں بیان کر دی گئی۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا-وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ(١٦)

ترجمہ: تو ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی سخت گرج کی ان کی شامت کے دنوں میں کہ ہم انہیں رسوائی کا عذاب چکھائیں دنیا کی زندگی میں اور بیشک آخرت کے عذاب میں سب سے بڑی رسوائی ہے اور ان کی مدد نہ ہوگی ۔(سورۂ الفصلٰت ،آیت نمبر 16)

اب اس آیت سے اس بات کی صراحت ہوتی ہے کہ یہ آندھی والا عذاب کئی دن رہا اور ان کو نست و بود کر کے اس عذاب کا جو دنیا سے ان پہ شروع ہوا وہ آخرت کے عذاب کی طرف منتقل ہو گیا۔اگر آپ سورۃ قمر کی آیت کو غور سے دیکھے اور عربی سے کچھ واقفیت ہو تو''مستمر '' کے معنی دیکھ لیں تو''مسلسل، مستقل'' کے ہیں جو دونوں آیات سے واضح ہے۔

ان مجمل و مفصل آیات کے متعلق مفسرین کیا فرماتے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

مفسرین نے بھی واقعات کی تفصیل لکھی ہے،ان سب کو ملا کر جو بات واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ قومِ عاد تکبر کے مرض میں مبتلا تھی اور اپنے آپ کو سب سے طاقتور اور زورآور سمجھتی تھی ، پھر ایسا ہوا کہ تین سال تک بارش نہیں ہوئی ؛ چنانچہ جب گھٹا چھائی تو لوگ بہت خوش ہوئے اور انھوں نے سوچا کہ اب یہ قحط دور ہو جائے گا؛لیکن اصل میں یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا؛ چنانچہ بارش ہونے کے بجائے طوفانی ہوا چلنے لگی ، جو مسلسل سات دن اور آٹھ رات تک چلتی رہی اور اس نے پوری آبادی کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا ،(تفسیر قرطبی : ۱۵/ ۳۴۶، نیز دیکھئے:تفسیر ابن کثیر : ۴/ ۱۱۵)

اب کیا کیجیے ایسے معترضین کا جو اردو کی ابجد سے بھی واقف نہیں مگر اعتراض کرنے والے

عربی آیات پہ بلا عربی متن دیکھے اعتراض جڑ دیتے ہیں۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 25 کا جواب

اللہ ایک بہترین پروردگار ہے یا زیادہ خالقوں میں سے؟

ترجمہ: وہی (ایک) اللہ ہے، جو پروردگار ہے (سورۃ المومنون، آیت نمبر 62)

ترجمہ: اللہ بہترین ہے زیادہ خالقوں میں سے (سورۃ المومنون، آیت نمبر 14)

جہل میں غرق ملحد معترض، جو عربی کے عین سے بھی واقف نہیں ہے، ملحد معترض نے اس اعتراض میں جو دوسری آیت سورہ مومنون سے پیش کر کے تضاد ثابت کرنا چاہا ہے اب جواب ملاحظہ فرمائیں۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (۶۲)

ترجمہ: وہ ہے اللہ تمہارا رب ہر چیز کا بنانے والا اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو کہاں اوندھے جاتے ہو۔ (سورۃ المومنون، آیت نمبر 62)

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (14)

ترجمہ: پھر ہم نے نطفہ کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے لوتھڑے سے گوشت کی بوٹی بنائی۔ پھر ہم نے اس بوٹی سے ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت پہنایا۔ پھر اسے ایک نئی صورت میں بنا دیا۔ سو اللہ بڑی برکت والا سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ (سورۃ المومنون، آیت نمبر 14)

ان دو آیات میں معترض کا یہ دعویٰ ہے کہ تضاد اور تعارض ہے۔ آئیں اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ سورہ الغافر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ربوبیت و خالقیت بیان فرمائی ہے۔ اور اس کے ساتھ اس تخلیقات میں ہر شے کو خلق کرنے کی قدرت کو بیان فرمایا ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

"خالق کل شی"

خلق میں عدم (کچھ نہ ہونا) سے وجود میں لانا شامل ہے جیسا کہ مرزا اسد خاں غالب نے کہا:

کچھ نہ تھا تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

حضراتِ گرامی اللہ کریم نے قران مجید میں ایک سوال ہر دور کے ملحدین و منکرینِ خدا کے لیے کیا، آیئے اس کو ذرا ملاحظہ کرلیں تاکہ معترض کی آنکھیں کھل جائیں بہ توفیق الٰہی

اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ اَمۡ ھُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ (۳۵)

ترجمہ: کیا وہ کسی شے کے بغیر ہی پیدا کر دیئے گئے ہیں یا وہ خود ہی (اپنے) خالق۔

(سورۂ الطور، آیت نمبر 35)

اب جدید و قدیم دور کا ایک بھی ملحد اس کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ کیونکہ وہ اس کا کیا جواب دیں کہ وہ بغیر کسی خالق کے پیدا کیے پیدا ہو گئے یا انہوں نے خود، خود کو پیدا کرلیا۔

دوسری آیت میں جس کو معترض نے اس اعتراض کے ساتھ پیش کیا ہے کہ اللہ خود متعدد خالقین کا تذکرہ کر رہا ہے تو وہ شخص انتہائی فہم کے نقص میں مبتلا ہے کہ اللہ کے علاوہ جو مجازی معنی میں یا کفار اللہ کے سواء جن کو خالق مانتے ہیں فرماتا ہے اللہ تو ''خالق کل شی'' ہے اس کا بھی جسے یہ خالق سمجھتے ہیں ان سب سے بہتر خالق ہے جس نے ہر شے کو نیست سے ہست بخشا۔ کیا اس جیسا کوئی خالق ہے بلکہ وہ سب سے احسن خلق کرنے والا ہے۔ اس درجہ احسن جس نے بغیر نقشے اور خاکے کے عدم سے وجود بخشا۔ کیا کوئی دوسرا ایسا ہے تو سامنے لاؤ مگر دوسرا کوئی ایسا خالق نہیں ہاں تمہارے بنائے اور گھڑے ہوئے تو ہوں گے جو کہ سراسر اللہ کریم پہ جھوٹ اور بہتان ہے۔

باقی ادب، فنِ مصوری، فن خطاطی اور دیگر تخلیقی سطح کے لوگوں کو بھی مجازی معنوں میں تخلیق کار کہہ دیا جاتا ہے مگر وہ حقیقی نہیں اور نہ ہی جن کو کافر خالق سمجھتے ہیں ان میں سے کوئی حقیقی خالق ہے۔ اور یہی مدعا ان دو آیات میں بیان کیا گیا ہے مگر عقل کے اندھوں کو یہ تعارض لگتا ہے افسوس صد افسوس اللہ ہدایت نصیب فرمائے آمین

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 26 کا جواب
اللہ شرک کو معاف کرے گا یا نہیں؟

ترجمہ: اللہ شرک ہرگز معاف نہیں کرے گا (سورۃ النساء، آیت نمبر 48 اور 116)
ترجمہ: قوم موسیٰ نے بچھڑے کو پوجا معاف کر دیا (سورۃ النساء، آیت نمبر 153)

بندر جیسی عقل رکھنے والا ملحد معترض، جس نے واقعی جہل میں پی ایچ ڈی کی ہوئی ہے، ایک بار پھر اپنے ناپاک ہاتھوں سے توڑ مروڑ کر اپنی مرضی کا ترجمہ نکال کر چند آیات پیش کر کے دو باتیں درج کر کے تضاد ثابت کرنے کی ناپاک، ناکام کوشش کر رہا ہے۔ پہلی بات اللہ شرک ہرگز معاف نہیں کرے گا دوسری بات، قوم موسیٰ نے جو بچھڑے کی پوجا کی تھی اس کو معاف کر دیا، ثابت ہوا اللہ کے کلام میں تضاد ہے، حسب معمول ہم آیت کا عربی متن، اور صحیح ترجمہ درج کر کے اس دجل سے بھرے اعتراض کا مسکت جواب عرض کرتے ہیں

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدِ افۡتَرٰۤی اِثۡمًا عَظِیۡمًا (۴۸)

ترجمہ: بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑے گناہ کا طوفان باندھا۔ (سورۃ النساء، آیت نمبر 48)

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا (۱۱۶)

ترجمہ: اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا۔

(سورۃ النساء، آیت نمبر 116)

یَسۡـَٔلُکَ اَہۡلُ الۡکِتٰبِ اَنۡ تُنَزِّلَ عَلَیۡہِمۡ کِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدۡ سَاَلُوۡا مُوۡسٰۤی

اَكۡبَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَقَالُوۡۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهۡرَةً فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلۡمِهِمۡ‌ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ فَعَفَوۡنَا عَنۡ ذٰلِكَ‌ۚ وَاٰتَيۡنَا مُوۡسٰى سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا (۱۵۳)

ترجمہ: اے محبوب اہلِ کتاب تم سے سوال کرتے ہیں کہ ان پر آسمان سے ایک کتاب اُتار دو تو وہ تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے کہ بولے ہمیں اللہ کو علانیہ دکھا دو تو انہیں کڑک نے آلیا ان کے گناہوں پر پھر بچھڑا لے بیٹھے بعد اس کے کہ روشن آیتیں ان کے پاس آ چکیں تو ہم نے یہ معاف فرما دیا اور ہم نے موسیٰ کو روشن غلبہ دیا۔ (سورۂ النساء، آیت نمبر 153)

معترض فلسفہ توبہ سے واقف نہیں ہے جیسے وہ زبان کے بنیادی اصولوں سے واقف نہیں علم البیان سے نابلد، صنائع لفظوی، صنائع معنوی سے دور اسی طرح وہ اسلام کے بنیادی فلسفے سے بھی دور دور کا تعلق نہیں رکھتا اور اعتراض کے بیسک پرنسپل سے بھی بے بہرا بندہ پوچھے کہ یہ جو دو آیات آپ نے پیش کیں ان میں ایک آیت کا تعلق دنیا میں شرک کے ساتھ ہے اور زندگی میں ہی شرک سے توبہ کرنے کے متعلق ہے یہ تو آیت سے بھی عیاں ہے

يَسۡـئَلُكَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ اَنۡ تُنَزِّلَ عَلَيۡهِمۡ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدۡ سَاَلُوۡا مُوۡسٰٓى اَكۡبَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَقَالُوۡۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهۡرَةً فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلۡمِهِمۡ‌ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ فَعَفَوۡنَا عَنۡ ذٰلِكَ‌ۚ وَاٰتَيۡنَا مُوۡسٰى سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا (۱۵۳)

ترجمہ: اے محبوب اہلِ کتاب تم سے سوال کرتے ہیں کہ ان پر آسمان سے ایک کتاب اُتار دو تو وہ تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے کہ بولے ہمیں اللہ کو علانیہ دکھا دو تو انہیں کڑک نے آلیا ان کے گناہوں پر پھر بچھڑا لے بیٹھے بعد اس کے کہ روشن آیتیں ان کے پاس آ چکیں تو ہم نے یہ معاف فرما دیا اور ہم نے موسیٰ کو روشن غلبہ دیا۔ (سورۂ النساء، آیت نمبر 153)

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے بچھڑے کی پوجا کی اور پھر توبہ کی اسی دنیا کی زندگی میں تو اللہ عزوجل نے ان کی توبہ قبول کی اور توحید پہ آنے پر انہیں بخش دیا جیسے کہ تمام انبیاء علیہ السلام کی دعوتِ توحید پہ لبیک کہنے والوں کو اور خصوصاً اہل عرب کے مشرکین کی توبہ کو قبول کیا اور ان سے بخشش و مغفرت اور آخرت کی نعمتوں کی خوشخبری سنائی۔ اب اگر معترض کے اعتراض کو سامنے

رکھا جائے تو پھر تو کسی بھی پیغبر علیہ السلام کے امتی کی بخشش ممکن نہیں اور نہ ہی انبیاء علیہ السلام کی بعثت کا مقصد پورا ہوتا ہے کیونکہ انبیاء علیہ السلام کو مبعوث ہی اس لیے کیا جاتا ہے کہ وہ لوگ کو کفر و شرک سے بچا کر توحیدِ حق کی طرف لائیں۔

اب آئیں اس آیت کی طرف جس میں اللہ کریم نے فرمایا کہ شرک کے گناہ کے علاوہ تمام گناہوں کی معافی اللہ اپنے اذن سے دے گا۔ وہ سانس کی ڈور ٹوٹنے اور اللہ کی نشانیاں دیکھنے کے بعد قبول نہیں کی جائے گی یعنی جو شخص موت کے مرحلہ سکرات سے پہلے پہلے اللہ پہ ایمان لے آئے تو توبہ قبول ہوگی اور معافی اللہ کی عنایت سے مل جائے گی لیکن اگر کفر و شرک پہ موت ہوئی تو پھر اس ظلمِ عظیم پہ معافی نہ دی جائے گی۔

إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (74)

ترجمہ: بات یہ ہے کہ جو شخص مجرم بن کر اپنے پروردگار کے پاس آئے گا اس کے لئے جہنم ہے جس میں وہ نہ مرے گا اور نہ جیئے گا۔ (سورۃ طٰہٰ، آیت نمبر 74)

اس کے متعلق ایک اور آیت جو اس بات کی تائید کرتی ہے کہ اللہ کی نشانیاں دیکھ لے یعنی موت کے فرشتوں کو تو بھی توبہ قبول نہیں ہوگی جیسا کہ فرعون اور اسکے لشکر کو پانی میں غرق کر دیا، فرعون نے اپنی تباہی اور موت کو دیکھا تو چلا اٹھا:

آمَنتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ

ترجمہ: میں اس بات پر ایمان لاتا ہوں کہ اللہ صرف وہی ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں اس کا فرمانبردار ہوتا ہوں (سورۃ الیونس، آیت نمبر 90)

موت کی نشانیاں دیکھنے کے بعد ماننے کے بارے میں اللہ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''بس اب وقت گزر چکا''

آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ

ترجمہ: اب (تو ایمان لاتا ہے) جبکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور مفسد بنا رہا۔

(سورۃ الیونس، آیت نمبر 91)

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ موت کی نشانیوں کو دیکھنے سے پہلے پہلے کفر و شرک کی توبہ قابلِ قبول ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ ثُمَّ یَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا(۱۱۰)

ترجمہ: اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔ (سورۃ النساء، آیت نمبر 110)

مگر اگر کوئی کفر و شرک پہ اڑا رہے اور اس گندگی کے ساتھ مر جائے تو اس کے کفر و شرک کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

اللہ سمجھ کی توفیق عطا فرمائے آمین

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 27 کا جواب
فرعون دریا میں ڈوبا یا نہیں؟

ترجمہ: فرعون کے بدن کو دریا میں غرق ہونے سے بچایا (سورۂ الیونس، آیت نمبر 92)
ترجمہ: فرعون اور اسکے ساتھیوں کو غرق کر دیا گیا (سورہ المومنون، آیت نمبر 103)

ملحد معترض دو آیت پیش کر کے یہ بتانا چاہتا کہ ایک میں اللہ فرما رہا ہے فرعون کے بدن کو دریا میں غرق ہونے سے بچایا، اور دوسری میں اللہ فرما رہا ہے، فرعون اور اسکے ساتھیوں کو غرق کر دیا گیا۔ لہذا اللہ کے قرآن میں تضاد ہے، جاہل ملحد کی عقل پر تبصرہ کرنے کے بجائے، ہم قرآن کی آیات کا عربی متن درج کرتے ہیں ساتھ اردو ترجمہ پیش کر کے اس اعتراض کا تسلی بخش جواب عطا کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً-وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ(۹۲)

ترجمہ: آج ہم تیری لاش کو اُتار دیں گے کہ تو اپنے پچھلوں کے لیے نشانی ہو اور بیشک لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔ (سورۂ الیونس، آیت نمبر 92)

فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًاۙ(۱۰۳)

ترجمہ: تو اس نے چاہا کہ ان کو زمین سے نکال دے تو ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں سب کو ڈبو دیا۔ (سورہ المومنون، آیت نمبر 103)

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیداء کور کو کیا نظر آے وہ کیا دیکھے

اب جس شخص کو اتنا بھی نہیں پتا کہ فرعون اور اس کے لشکر کو زندہ دریا میں غرق کر دیا گیا، اور صرف فرعون کی لاش کو پچھلے زمانے والوں کے لیے عبرت کی نشانی بنا لیا گیا۔ ملحد اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے قران پہ معترض ہو رہا ہے کہ ان آیات میں تعارض ہے عجب منطق

اور عجیب عقل کے مالک ہیں یہ لوگ قران کے علاوہ دیگر کتب میں بھی اس واقعے کا بیان موجود ہے جو ایک تاریخی تسلسل ہے۔ اور ہمارے ہاں علم کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ علم تاریخ بھی ہے۔

میں حیران ہوں ان ملحدین اور منکرین سے کہ یہ ہٹ دھرمی اور ضد میں کتنے آگے چلے گئے کہ آج بھی قرآن کی اس صداقت کو جو نشانی کے طور پہ اللہ نے فرعون کے بدن کی صورت میں بچا کر اہلِ جہاں کے لیے رکھ چھوڑی جیسا کہ خود قران فرماتا ہے۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۚ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ (۹۲)

ترجمہ: آج ہم تیری لاش کو اُتار دیں گے کہ تو اپنے پچھلوں کے لیے نشانی ہو اور بیشک لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔ (سورۂ الیونس، آیت نمبر 92)

اب اگر معترض اسی سورہ کو سیاق و سباق سے پڑھ لیتا تو شاید اسے اعتراض کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ ذرا غرق ہونے سے پہلے فرعون کی بات جو قران نے قلمبند کی دیکھئے:

آمَنتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ

ترجمہ: میں اس بات پر ایمان لاتا ہوں کہ اللہ صرف وہی ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں اس کا فرمانبردار ہوتا۔ ہوں۔ (سورۂ الیونس، آیت نمبر 90)

موت کی نشانیاں دیکھنے کے بعد ماننے کے بارے میں اللہ فرماتا ہے:

''بس اب وقت گزر چکا''

آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ

ترجمہ: اب (تو ایمان لاتا ہے) جبکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور مفسد بنا رہا

(سورۂ الیونس، آیت نمبر 91)

اب اس آیت کو دیکھے جس میں اسکی موت کے بعد اس کے بدن کو نشانی کے طور پہ باقی رکھنے کی طرف اشارہ فرمایا:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۚ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ (۹۲)

ترجمہ: آج ہم تیری لاش کواُترا دیں گے کہ تو اپنے پچھلوں کے لیے نشانی ہو اور بیشک لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔(سورۂ الیونس، آیت نمبر92)

آج بھی فرعون کی لاش محفوظ ہے مگر عبرت والوں کے لیے نہ کہ ان کے لیے جو اللہ کی آیاتِ آفاق وانفس کو جھٹلاتے ہیں۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 28 کا جواب
کیا ہر اُمت میں ڈرانے والے آئے؟

ترجمہ: تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے آباؤ اجداد نہیں ڈرائے گئے۔
(سورۂ یٰسین، آیت نمبر 6)

ترجمہ: اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے والا بھیجتے (سورۂ الفرقان، آیت نمبر 51)

ترجمہ: کوئی امت نہیں گذری جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو (سورۂ الفاطر، آیت نمبر 24)

بندر کو اپنا والد تسلم کرنے والے معترض نے یہاں اپنے من کا ترجمہ کر کے تین آیات پیش کی ہیں پہلی آیت، ''آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے آباؤ اجداد نہیں ڈرائے گئے'' دوسری آیت، ''اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے والا بھیجتے'' تیسری آیت، ''کوئی امت نہیں گذری جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو'' ہم عربی متن درج کر کے آیات کا اردو ترجمہ پیش کر کے اس اعتراض کا علمی جائزہ لیتے ہیں، قرائن ملحدین کا فریب ملاحظہ فرمائیں۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ(٦)

ترجمہ: تاکہ تم اس قوم کو ڈرسناؤ جس کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے تو وہ بے خبر ہیں۔
(سورۂ یٰسین، آیت نمبر 6)

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا٘ۖ(٥١)

ترجمہ: اور ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرسنانے والا بھیجتے۔ (سورۂ الفرقان، آیت نمبر 51)

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًاؕ-وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ(٢٤)

ترجمہ: اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈرسناتا اور کوئی امت ایسی نہ تھی جس میں ایک ڈرسنانے والا نہ گزر چکا۔ (سورۂ الفاطر، آیت نمبر 24)

اس اعتراض کا جواب دینے سے پہلے معترض اگر فرد، بستی اور امت جیسے الفاظ پہ توجہ دیتا تو کبھی بھی معترض نہ ہوتا خیر اس کا جواب ہم اللہ کی مدد اور توفیق سے دیتے ہیں جو ایمان والوں کا

مددگار ہے۔

سورہ یسین کی آیت نمبر 6 میں اہل عرب کے متعلق ارشاد ہے چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سلسلہ نبوت موقوف رہا۔ اہلِ عرب کی طرف خصوصاً اور قیامت تک کے لوگوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا اہل عرب کے مشرکین خود اس بارے میں کیا کہتے ہیں وہ بھی دیکھ لیں:

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ-وَ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكٌ مُّفْتَرًى-وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ-اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ

ترجمہ: اور جب اُن پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جائیں تو کہتے ہیں یہ تو نہیں مگر ایک مرد کہ تمہیں روکنا چاہتے ہیں تمہارے باپ دادا کے معبودوں سے اور کہتے ہیں یہ تو نہیں مگر بہتان جوڑا ہوا اور کافروں نے حق کو کہا جب ان کے پاس آیا یہ تو نہیں مگر کھلا جادو۔

اب یہ واضح ہے کہ اہل عرب خود تعلیماتِ حق سے منحرف ہو گئے تھے اس لیے ان کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا تاکہ انہیں ڈرایا جائے اور انہیں بشارت دی جائے۔

اس کے بعد سورہ فرقان میں ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر بستی کی طرف ڈرسنانے والا بھیجتے اس سے مراد اللہ کی قدرت ہے کہ اللہ چاہتا تو ہر ہر بستی کی طرف ڈرانے والے بھیج دیے جاتے۔ چونکہ اللہ کا اپنا طریقہ جاریہ ہے وہ جس بستی پر نبی و رسول بھیجنا چاہے بھیجتا ہے اور مجموعی طور پہ امت کی طرف بھی نبی و رسول مبعوث فرماتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا-وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (۲۴)

ترجمہ: اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈرسناتا اور کوئی امت ایسی نہ تھی جس میں ایک ڈرسنانے والا نہ گزرا۔ (سورۃ الفاطر، آیت نمبر 24)

اب ان آیات کے درست سیکونس کو دیکھنے کے بعد تعارض تو ایک طرف رہ گیا بلکہ آیات ایک دوسرے کی وضاحت کر رہی ہیں مگر معترض اگر عقل سے کام لے اور علمی بددیانتی سے گریز کرے تو راہ دیکھائی دے سکتی ہے۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 29 کا جواب
قرآنی آیات محکم ہیں یا متشابہات؟

ترجمہ: یہ روشن واضح کتاب کی آیات ہیں (سورۂ القصص، آیت نمبر 2)

ترجمہ: کچھ آیات محکم اور کچھ متشابہات ہیں (سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 7)

اپنی روش پر چلتے ہوئے معترض نے سیاق وسباق سے ہٹ کر دو آیت پیش کر کے تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔

پہلی آیت: ''یہ روشن واضح کتاب کی آیات ہیں۔''

دوسری آیت: ''کچھ آیات محکم اور کچھ متشابہات ہیں۔''

گزشتہ اعتراضات کی طرح یہ اعتراض بھی جہل کی پیداوار ہے، ہم آیات کا سیاق سباق کے ساتھ ترجمہ پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ(۲)

ترجمہ: یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔ (سورۂ القصص، آیت نمبر 2)

هُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ‌ؕ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَ ابۡتِغَآءَ تَاۡوِيۡلِهٖ ‌ؕ وَمَا يَعۡلَمُ تَاۡوِيۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ‌ؔ‌ۘ وَ الرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ يَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖۙ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ‌ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ(۷)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنٰی رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اِشتِباہ ہے وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔ (سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 7)

''اُلٹی ہی چال چلتے ہیں مجذوبِ فرنگ''

کاش کہ معترض علم کی ایک آدھی کوڑی سے بھی واقف ہوتا، کم از کم وہ کل اور جز، سب اور کچھ۔ یہ اور وہ جیسے اسم اشارہ سے روشناس ہوتا تو اعتراض ہی نہ کرتا۔

بہر کیف آئیں اس کا علمی و تحقیقی جائزہ لیتے ہیں تا کہ دجل کاری اور بد یانتی سامنے آسکے:

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ(۲)

ترجمہ: یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔(سورۂ القصص، آیت نمبر 2)

اب اس آیت میں ''تِلْكَ'' اسمِ اشارہ ہے جس کا معنی ہیں ''یہ آیات الکتب یہ آیات ہیں المبین روشن اس میں کل ایات کی طرف اشارہ کہا ہے حالانکہ معترض نے اس سے کل آیات مطلب نکالا ہے۔ جبکہ اس سے مراد یہ نہیں ہے کیسے آئیں معترض کی دوسری پیش کردہ ایت کا جائزہ لیں:

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ-فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ﳘ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ﳕ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖۙ-كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَاۚ-وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ(۷)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنٰی رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اِشتِباہ ہے وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔(سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 7)

اس آیت میں اُس مجمل آیت کی تفصیل ہے کہ اس میں بہت سے آیات محکمات ہیں اور چند متشابہات بھی ہیں۔

یہاں اعتراض کی تو گنجائش ہی نہ بنتی اعتراض تو اس وقت بنتی جب یہ کہا گیا ہوتا کہ تمام آیات محکم ہیں یا تمام آیات متشبہ ہیں۔ایسا تو قرانِ حکیم میں کسی ایک جگہ بھی نہ فرمایا گیا۔دراصل یہ معترض کے ذہن کی ٹیڑھ کا نتیجہ ہے تھوڑا سا انصاف پسند ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوتا۔

متشابہات کی حکمت کو بھی اللہ تعالی نے سورۃ العمران کی آیت نمبر ے میں بیان فرماتا ہے کہ اہلِ علم اور علم میں راسخ اس کے پیچھے نہیں پڑ جاتے بلکہ اس پہ ایمان لاتے ہیں، کہ یہ بھی ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ مگر ملحدین کے ہاں تو اتنی ٹیڑھ ہے کہ محکم آیات کو بھی تر وڑ مروڑ کے پیش کرتے ہیں، ان کا کیا کرے بندہ یہ بہت حد سے گزرے لوگ ہیں۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 30 کا جواب

کیا اللہ نے بی بی مریم علیہا السلام کو جھوٹ بولنے کا حکم دیا؟

جھوٹ بولنے والے پر اللہ نے لعنت کی (سورہ آلِ عمران، آیت نمبر 61)

اور (سورۂ النور، آیت نمبر 7)

(حضرت مریمؑ کو اللہ نے خود جھوٹ بولنے کا کہا) کہ تو کھا اور پی کوئی نظر آئے تو کہہ دے کہ میں نے روزہ رکھا ہے (سورۂ المریم، آیت نمبر 26)

ملحد، معترض نے تین آیات پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ اس میں سے دو میں جھوٹ بولنے والے پر اللہ (کریم) نے لعنت فرمائی ہے، تیسری میں خود ہی اللہ نے حضرت مریم (رضی اللہ عنہا) کو جھوٹ بولنے کا حکم دیا، جہل میں پی ایچ ڈی کرنے والا ملحد معترض شاید یہ نہیں جانتا کہ انسانی نکتہ نظر سے جہل تمام برائیوں، بیماریوں کی جڑ ہے۔ جاہل انسان زندوں کے درمیان ایک لاش ہے۔ اسی جہل کے سبب سے ملحد معترض جو قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کے معنی و مفاہیم کو سمجھنے سے آری ہے۔ تو ملحد معترض کو چاہیے پہلے وہ بندر سے انسان بنے اور اپنے اندر سے جہل کو دور کرے اس کے بعد کوئی علمی اعتراض وارد کرے قرائن کے لیے ہم معترض کے جاہلانہ اعتراض جو اس نے تضاد کی صورت میں بیان کیا ہے اس کا جواب عرض کرتے ہیں سب سے پہلے آیات کا عربی متن اور ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ - ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ(٦١)

ترجمہ: پھر اے محبوب جو تم سے عیسٰی کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرما دو آؤ ہم تم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

(سورہ آلِ عمران، آیت نمبر 61)

وَ الْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ(۷)

ترجمہ: اور پانچویں یہ کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر جھوٹا ہو۔ (سورۃ النور، آیت نمبر 7)

فَكُلِيْ وَ اشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ عَيْنًاۚ-فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًاۙ-فَقُوْلِيْۤ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّاۚ(۲۶)

ترجمہ: تو کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ پھر اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو کہہ دینا میں نے آج رحمٰن کا روزہ مانا ہے تو آج ہرگز کسی آدمی سے بات نہ کروں گی۔ (سورۃ المریم، آیت نمبر 26)

ان آیات کے اعتراض میں بھی اگر معترض کسی مذہب کے متعلق پڑھا ہوتا اور تاریخ سے واقف ہوتا تو اس طرح کے اعتراض کر کے خود کی جہالت اور لاعلمی کو دوسروں پہ عیاں نہ کرتا۔

خیر آئیں اس کا علمی محاکمہ کرتے ہیں۔ معترض کہتا ہے کہ جو قران نے کہا کہ حضرت مریم علیہ السلام کو کہ وہ روزے سے ہیں۔ حالانکہ انھوں نے تو کھایا پیا تھا۔ اگر اس کا التزامی جواب دیں تو کہا جا سکتا ہے کہ روزے کے لیے سحری میں تو سب مسلمان کھاتے ہیں آپ یہ بتا دیں حضرت مریم علیہ السلام نے کس وقت کھایا تھا اگر آپ کو علم ہی نہیں تو آپ کا اعتراض بودہ ہے۔۔۔۔لیکن ہم اس کا علمی جائزہ پیش کرے گے جو حقائق اور حقیقت پہ مبنی ہو اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف نہ ہو میں آیت کو ٹکڑا پیش کرتا ہوں تا کہ قارئین خود دیکھ لیں کہ اللہ نے کیا ارشاد فرمایا:

اَفَقُوْلِيْۤ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّاۚ

ترجمہ: تو کہہ دینا میں نے آج رحمٰن کا روزہ مانا ہے تو آج ہرگز کسی آدمی سے بات نہ کروں گی۔ (سورۃ المریم، آیت نمبر 26)

آیت میں روزہ ''مانا'' ہے کس بات کا ''خاموشی'' کا جو صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّاۚ سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ معترض کو اس بات کا علم ہی نہیں کے اہلِ یہود کے ہاں مجرد سکوت کا روزہ بھی مستعمل تھا۔ وہ صاحب قرانی اسلوب سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اگر اعتراض کی بھٹی میں جل بھن رہیں ہیں تو آئیں ایک اور آیت جو واضح اور روشن استدلال کر رہی ہے کہ اللہ کریم جب اپنی قدرت کی نشانیاں لوگوں کو دیکھا تا ہے تو اس کا سکوت کے متعلق حکم بھی

اس نشانی کو عیاں کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے حضرت زکریا علیہ السلام کو جب بیٹے کی بشارت دی گئی عمر کے بڑے حصے میں اور آپ علیہ السلام کی بیوی بھی بانجھ تھی تو اللہ نے کیا حکم فرمایا ملاحظہ فرمائیں۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً-قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا-وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِبْكَارِ(۴۱)

ترجمہ: عرض کی اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی کردے فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تین دن تو لوگوں سے بات نہ کرے مگر اشارہ سے اور اپنے رب کی بہت یاد کر اور کچھ دن رہے اور تڑکے اس کی پاکی بول۔ (سورۂ آل عمران، آیت نمبر 41)

اب اس آیت میں سکوت کے ساتھ اللہ کی حمد ثنا اور پاکی بھی بیان کرنے کا حکم ہے۔ اس سے ہمارا مقدمہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتا ہے کہ حضرت مریم علیہ السلام کو اللہ نے جو نشانی عطا کی اس میں روزے سے مراد سکوت و خاموشی کا روزہ تھا جیسا کہ سورت العمران سے بھی یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 31 کا جواب

اللہ عرش پر ھے تو شہ رگ سے زیادہ قریب کیوں ھے؟

ترجمہ: اللہ آسمان میں ہے۔(سورۃ الملک، آیت نمبر 16)

ترجمہ: اللہ عرش پر ہے۔(سورۃ طہٰ، آیت نمبر 5)(سورۃ یونس، آیت نمبر 3)

ترجمہ: اسکا عرش پانی پر تھا۔(سورۃ ہود، آیت نمبر 7)

ترجمہ: اللہ ہر جگہ ہے۔(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 115)

ترجمہ: اللہ شہ رگ سے بھی قریب ہے۔(سورۃ ق، آیت نمبر 16)

معترض نے اپنے انداز سے چند آیات پیش کی پہلی میں یہ دکھانا چاہا اللہ (کریم) آسمان میں ہے، دوسری میں یہ دکھانا چاہا کہ اللہ (کریم) عرش پر ہے، تیسری میں یہ دکھانا چاہا کہ اللہ (کریم) کا عرش پانی پر ہے، چوتھی میں یہ دکھانا چاہا کہ اللہ (کریم) ہر جگہ ہے پانچویں میں یہ دکھانا چاہا کہ اللہ (کریم) شہ رگ سے بھی قریب ہے۔اس اعتراض میں بھی معترض نے خیانت کرتے ہوئے سیاق وسباق سے ہٹ کر اپنے من کا اردو ترجمہ کر کے تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے، ہمارے مسکت جواب کے بعد آپ کو اندازہ ہو جائے گا معترض کے اعتراض میں جہل، فریب، مکر کے سوا کچھ نہیں۔سب سے پہلے ہم آیات کا عربی متن اور اس کا ترجمہ سیاق وسباق سے درج کرتے ہیں پھر معترض کے اعتراض کا علمی محاسبہ ملاحظہ فرمائیں۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ(۱۶)

ترجمہ: ''کیا تم اس سے نڈر ہو گئے جس کی سلطنت آسمان میں ہے کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے جبھی وہ کانپتی رہے۔(سورۃ الملک، آیت نمبر 16)

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى(۵)

ترجمہ: ''وہ بڑی مہر والا اس نے عرش پر اِستواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔

(سورۃ طہٰ، آیت نمبر 5)

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ-مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ-ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ-اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ(۳)

ترجمہ: ’’بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر عرش پر اِستواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے کام کی تدبیر فرماتا ہے کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد یہ ہے اللہ تمہارا رب تو اس کی بندگی کرو تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔‘‘

(سورۂ یونس، آیت نمبر 3)

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا-وَ لَىٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ(۷)

ترجمہ: ’’اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور اس کا عرش پانی پر تھا کہ تمہیں آزمائے تم میں کس کا کام اچھا ہے اور اگر تم فرماؤ کہ بے شک تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو کافر ضرور کہیں گے کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو۔‘‘ (سورۂ ہود، آیت نمبر 7)

وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ-فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ-اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ(۱۱۵)

ترجمہ: ’’اور پورب پچھّم سب اللہ ہی کا ہے تو تم جدھر منہ کرو ادھر وجہ اللہ (خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ) ہے بیشک اللہ وسعت والا علم والا ہے۔‘‘ (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 115)

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ-وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ(۱۶)

ترجمہ: اور بیشک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔‘‘ (سورۂ قٓ، آیت نمبر 16)

ان آیات میں تضاد و تعارض کہا ہے۔ سوائے اس کے کہ۔ معترض نے من پسند ترجمے سے تعارض پیدا کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔

ان آیات میں اللہ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے نا کے تضاد آئیں اس کا جائزہ لیں۔

ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِى السَّمَآءِ اَنۡ يَّخۡسِفَ بِكُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا هِىَ تَمُوۡرُ (١٦)

ترجمہ: ''کیاتم اس سے نڈر ہو گئے جس کی سلطنت آسمان میں ہے کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے جبھی وہ کانپتی رہے۔'' (سورۂ الملک، آیت نمبر 16)

اس آیت میں اللہ کی سلطنت کا بیان ہے، اوراس کی قدرتِ کاملہ کا، کیونکہ اس آیت میں عذاب کی نسبت آسمان کی طرف سے ہے اوراس لیے آسمان پہ اللہ کی قدرت بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے کوموضوع بنایا گیا ہے۔

اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى (٥)

ترجمہ: ''وہ بڑی مہر والا اس نے عرش پر اِستواءفرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔''

(سورۂ طٰہٰ، آیت نمبر 5)

اس کے بعد معترض اس آیت کے خود ساختہ ترجمے کو پیش کرتا ہے۔اس آیت میں وہ استوی کے معنی ومطلب سے ناواقف ہے۔کسی نبی، کسی ولی، کسی محدث اورکسی مفسر نے بھی قران کی کسی آیت سے اللہ کی جہت وتحدید کبھی بیان نہ کی بلکہ وہ اللہ ہی کیا جو زماں ومکاں کے دائرے میں آ گیا۔مگر افسوس ملحدین پر کہ وہ اسلام کی اصطلاحات سے واقفیت نہ رکھنے کے باوجود، معترض ہیں - حالانکہ کیے گئے اعتراض کی اس علم اوراس علم کے ماننے والوں کے ہاں دعووں کا ثبوت دیکھانا ضروری ہوتا ہے۔

مثال کے طور پہ جب کسی اصطلاح یا کسی لفظ کے معنی کی بات آئے گی تو اس کا معنی، مطلب اورتعریف اس کے دعوی دار سے پوچھی جائے گی نہ کہ خوداس کے معنی متعین کر کے اعتراض جڑ دیا جائے گا - یہ تو بحث واستدلال کے بنیادی اصولوں سے انحراف اورلاعلمی کا شاخسانہ ہے۔ آئیں دیکھتے ہیں ''استوی'' کے کیا معنی ہیں۔

زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔

استوی: لغت میں اسواء کا معنی ہے کسی چیز کا کسی چیز سے بلند ہونا۔کسی چیز کا کسی چیز پر بیٹھنا۔ نیز اس کا معنی ہے کسی چیز کا قصد کرنا۔کسی شیئ کا معتدل ہونا، اللہ تعالی کے استواء کا معنی ہے اس کی ذات اورصفات کا ہر چیز سے بلند ہونا۔اللہ تعالی کا اپنی شان کے لائق عرش پر جلوہ فرما

ہونا۔

اس کے علاوہ دیگر علماء حق کا کیا موقف ہے دیکھ لیں۔

علامہ محمد امین بن محمد المختار الجکنی الشنقیطی لکھتے ہیں:

عرش پر استواء اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کے معاملہ میں دو باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے، ایک یہ کہ اللہ جل وعلا حوادث کی مشابہت سے منزہ ہے۔ دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جن صفات کے ساتھ اپنے آپ کو موصوف کیا ہے یا اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جن صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو موصوف کیا ہے ان صفات پر ایمان رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے زیادہ اللہ کی صفات کو جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے لیے جس وصف کو ثابت کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اللہ کے لیے کسی وصف کو ثابت کیا، پھر کسی شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس وصف کی یہ زعم کرتے ہوئے نفی کی کہ وہ وصف اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے، تو اس نے اپنے آپ کو اللہ جل وعلا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے زیادہ عالم قرار دیا۔ سبحانک ہٰذا بہتان عظیم۔

اور جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ کا وصف مخلوق کے اوصاف کے مشابہ ہے تو وہ مشبہ، ملحد اور گمراہ ہے اور جس نے اللہ جل وعلا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ثابت کیے ہوئے اوصاف کو اللہ کے لیے مانا جبکہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ اوصاف، مخلوقات کی صفات کی مشابہت سے منزہ ہیں تو وہ مومن ہے۔

استواء اور صفات کے مسئلہ میں متقدمین شافعیہ کا موقف:

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے صرف ان صفات کو بیان کرنا جائز ہے جن پر کتاب اللہ دلالت کرتی ہو یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت دلالت کرتی ہو، یا اس پر اس امت کے متقدمین کا اجماع ہو، یا جس پر عقل دلالت کرتی ہو۔ مثلاً حیات، قدرت، علم، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور اس کی مثل صفات ذاتیہ، اور مثلاً خلق کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا، مارنا، معاف کرنا، سزا دینا اور ان کی مثل صفات فعلیہ اور جن صفات کا اثبات، اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خبر سے ہوا، جیسے چہرہ، دو ہاتھ، آنکھ، یہ اس کی صفات ہیں۔ اور جیسے عرش پر مستوی ہونا اور آنا اور نازل ہونا اور اس طرح دوسری اس

کے فعل کی صفات۔ یہ صفات اس لیے ثابت ہیں کہ قرآن اور حدیث میں ان کا ذکر ہے، ان صفات کو اس طرح ماناجائے کہ ان صفات کی مخلوق کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

(کتاب الاسماء والصفات، ص110-111)، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

دیگر بہت سے علماء متقدمین ومتاخرین کے استدلال جواب کی طوالت کو مانع ہیں۔

ہم اسی پہ اکتفاء کر کے آگے بڑھتے ہیں۔

اس کے بعد کی جو آیت معترض نے پیش کی ملاحظہ فرمائیں۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (۱۱۵)

ترجمہ: ''اور پورب پچھم سب اللہ ہی کا ہے تو تم جدھر منہ کرو ادھر وجہ اللہ (خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ) ہے بیشک اللہ وسعت والا علم والا ہے۔'' (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 115)

اس آیت میں بھی ''وجہ اللہ'' کے الفاظ آیات متشبہ کے ذیل میں آتے ہیں ہم اس پہ ایمان رکھتے ہیں اس کیفیت سے ہم واقف نہیں بلکہ اللہ ہی جانتا ہے۔

ایسا تو ہم بعض دنیوی معاملات میں بھی بہت سی چیزوں کے متعلق فیصلہ نہیں کر پاتے کہ ان کا اصل مقام کہاں اور کدھر ہے حالانکہ کے وہ مخلوقات کی قبیل سے ہیں مثال کے طور پہ

1-ہمارے دماغ میں محفوظ معلومات اور خیالات کی جہت متعین نہیں کی جاسکتی کہ وہ دائیں، بائیں، آگے، پیچھے یا اوپر نیچے کہاں واقع ہے۔آج تک جدید سائنسی تجربات بھی اس کو ثابت کرنے میں ناکام ہیں بلکہ نیوٹن کی تھیوری آف ریلٹیوٹی تھیوری کے بعد تو یہ اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

2-روح کا جسم کے اندر جہت کا کوئی تعین نہیں کیونکہ ہمیں روح کے متعلق علم ہی کم دیا گیا ہے جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے:...و اوتیتم من علم الا قلیلا۔....

3-ایٹم کے اندر پروٹران اور الیکٹران کی فیلڈ میں کوندنے اور چھلانگ لگانے کا تعین، ایک جگہ متعین کرنا مشکل سے ناممکن حد تک پہنچ جاتا ہے۔اس طرح کی بیسیوں مثالیں مادی دنیا سے ثابت اور مانی ہوئی دی جاسکتی ہیں۔

مگر افسوس ہے معترضین پہ کہ وہ تحقیق اور مطالعے کے خوگر نہیں چلیں مذاہب سے تو انہیں بیر ہے کم از کم دنیوی علم کو ہی پڑھ لیتے مادی دنیا میں جب کسی شے کے تیعین میں خاموش سائنس اور ملحد وہ چلے اللہ کی ذات پہ بات کرنے اس پہ سوائے افسوس کے اور کچھ نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد جو آیت معترض نے پیش کی اس کو دیکھ لیں

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَ نَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِہٖ نَفۡسُہٗ ۚۖ وَ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''اور بیشک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔ (سورۂ قٓ، آیت نمبر 16)

اس میں بھی اور دیگر مندرجہ بالا آیات میں کوئی تعارض نہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اس آیت میں معترض ۚۖ وَ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ ﴿۱۶﴾

سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ شہ رگ سے بھی قریب ہے اس لیے تعارض ہے شاید معترض شہ رگ سے زیادہ کی رمز کو جان نہ پایا کہ اللہ انسان کے دل و دماغ کے ہر ہر خیال اور ہر ارادے سے واقف ہے اللہ تعالی کے شہ رگ سے قریب ہونے کا معنی۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم کو علم ہے کہ کیا کیا چیزیں اس کے دل میں کھٹکتی ہیں اور اس میں انسان کو ان گناہوں سے منع کیا ہے جو وہ چھپ کر تنہائی میں کرتا ہے۔

چونکہ وہ خالق ہے، مالک ہے، قادرِ مطلق ہے اس کے متعلق ہم اتنا ہی جانتے ہیں جتنا اس نے ہمیں علم دیا۔ اللہ کی قدرت کے متعلق ہمارا علم اس درجہ کا نہیں کہ ہم اس پہ کوئی ایسی رائے قائم کر سکے جو مخلوق کی طرز پہ ہو حالانکہ کہ یہ سراسر شرک ہوگا۔ ہم تو دنیاوی بہت سے معاملات پہ اس درجہ مہارت و علم نہیں رکھتے تو پھر اللہ کے متعلق اس طرح کے بہتان باندھنا کم عقلی اور بے وقوفی سے کم نہیں وہ انسان جو اپنی مکمل معرفت سے عاری ہے وہ نہیں جانتا کہ اس کے اندر رکھے خلیے کے کروموسوم کی معلومات پہ کتنی کتب لکھی جا سکتی ہیں اور کروموسومز میں کس قدر اسرار و رموز ہیں، انسان ابھی یہ نہ جان پایا کہ اس کے اندر پیغامات کے سگنلز کی رفتار کیا ہے؟ وہ عصبی نظام کی پیچیدگی سے ابھی لاعلم ہے؟ وہ شریانوں سے عروقِ شعریہ تک کی پیمائش سے لاعلم ہے؟ وہ یہ نہیں جانتا اس کے اندر سیمن کی تعداد کیا ہے؟ اور کونسا سپرم اس کے لیے اولاد کی خوشی لا سکتا ہے؟

لیکن کم بخت چلا ہے اللہ کی ذات میں غور کرنے اللہ برے وقت سے محفوظ رکھے اپنے حفظ و اماں میں رکھے آمین

التوفیق الا باللہ

ملحدین کے اعتراض نمبر 32 کا جواب
کیا غیب پر ایمان لانا غور وفکر کے منافی ہے؟

ترجمہ: غیب پر ایمان لانے کا کہا۔ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 3)

ترجمہ: غور وفکر کرنے کا کہا۔ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 266)

یہاں بھی معترض نے دو آیت پیش کیا، اپنے من کا ترجمہ کر کے ثابت کرنا چاہا کہ ایک میں اللہ فرما رہا ہے کہ غیب پر ایمان لاؤ۔ دوسری میں فرما رہا ہے غور وفکر کرو، دجل سے بھرے اس اعتراض کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۳)

ترجمہ: ''وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں اور نماز قائم رکھیں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں اٹھائیں۔ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 3)

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ-لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ- وَ اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَ لَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ﳚ-فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ- كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ (۲۶۶)

ترجمہ: ''کیا تم میں کوئی اسے پسند رکھے گا کہ اس کے پاس ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا جس کے نیچے ندیاں بہتیں اس کے لئے اس میں ہر قسم کے پھلوں سے ہے اور اسے بڑھاپا آیا اور اس کے ناتواں بچے ہیں تو آیا اس پر ایک بگولا جس میں آگ تھی تو جل گیا ایسا ہی بیان کرتا ہے اللہ تم سے اپنی آیتیں کہ کہیں تم دھیان لگاؤ۔'' (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 266)

ہر اعتراض پہ میں حیران ہوں کہ معترض کچھ تو پڑھ کر اعتراض کرتا مگر اس نے تو صرف کاپی پیسٹ کا وتیرہ اختیار کر رکھا ہے۔ بہر کیف آئیں اس دجل کاری کا علمی محاسبہ کریں۔

دو آیات جن میں ایک میں ایمان کا تقاضہ کیا گیا غیب پہ اور دوسری آیت میں اللہ نے آیات اللہ پہ غور وفکر کی دعوت دی معترض کہتا ہے یہ تضاد ہے۔ میں کہتا ہوں آپ اس کی گہرائی

میں نہ بھی جائیں تب بھی ''ایمان'' اور ''تفکر'' کی اصطلاحات میں زمین وآسمان کا فرق ہے مگر معترض وہی ڈھاک کے تین پات پہ مصر ہے۔ وہ اعتراض کرتے ہوئے ان الفاظ کے معنی کو بھی ایک سادہ لغت سے دیکھنے کی توفیق نہیں رکھتا مگر بات زمین وآسمان کے قلابے ملانے کی کرتا ہے۔

معترض ہر پوسٹ پہ لکھتا ہے میں نے مذہب کیوں چھوڑا؟۔ اور پھر یہ اعتراضات جن کا وہ خود بھی درست فہم نہیں رکھتا پیسٹ اور پوسٹ کردیتا ہے۔

میں انہیں دردمندانہ دعوتِ حق پیش کرتا ہوں کہ جناب کی پوسٹ اور ہمارے پوسٹ مارٹم کے بعد آپ کو یہ قبول کر لینا چاہیے کہ میں نے مذہب لاعلمی، نادانی، کج فہمی کی وجہ سے مذہب چھوڑا۔

خیر اللہ فرماتا ہے ''**یومنون بالغیب**'' جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ دوسری آیت میں فرمایا اللہ کی آیات میں تفکر کرتے ہیں۔ دونوں میں تضاد کہاں ہے مجھے تو کہی نظر نہیں آتا اب میں قارئین کے سامنے بھی اللہ کی مدد اور توفیق سے کھلتا ہوں۔

پہلے ایمان کی تعریف کے متعلق دیکھ لیجیے:

ایمان عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مادہ ''ا۔م۔ن'' (امن) سے مشتق ہے۔ لغت کی رو سے کسی خوف سے محفوظ ہوجانے، دل کے مطمئن ہوجانے اور انسان کے خیر وعافیت سے ہمکنار ہونے کو امن کہتے ہیں۔ ایمان کا لفظ بطور فعل لازم استعمال ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے ''امن پانا''، اور جب یہ فعل متعدی کے طور پر آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے ''امن دینا''۔

1. ابن منظور، لسان العرب، 23:13

2. زبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، 18:23، 24

کسی پر ایمان لانے سے مراد اس کی تصدیق کرنا اور اس پر یقین رکھنا ہے۔ گویا لفظ ایمان اپنے اصل معنی اور مفہوم کے اعتبار سے امن، امانت اور بھروسے پر دلالت کرتا ہے۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔

اب ہم غور وفکر اور تفکر کے متعلق دیکھ لیتے ہیں۔

تفکر و تدبر عربی زبان کے الفاظ ہیں جن کے لغوی معنیٰ سوچ، بچار اور غور وفکر کرنے کے ہیں۔ تفکر و تدبر ایک ذہنی عمل ہے جس میں انسان اپنے تمام تر توہمات اور خیالات کو جھٹک کر کسی

ایک خیال، نکتہ یا کسی مشاہدے کی گہرائی میں سفر کرتا اور اسی پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے۔

اب میں تو کہتا ہوں کہ اس آیت کا اگر پوار سیاق و سباق معترض دیکھتا تو یہ آیت اسے پہلی آیت کی تائید کے ضمن میں نظر آتی میں اس کا دوبارہ متن پیش کرتا ہوں اس کے مکمل تبصرے کے ساتھ:

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ تَکُوۡنَ لَہٗ جَنَّۃٌ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۙ لَہٗ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَ اَصَابَہُ الۡکِبَرُ وَ لَہٗ ذُرِّیَّۃٌ ضُعَفَآءُ ۪ۖ فَاَصَابَہَاۤ اِعۡصَارٌ فِیۡہِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَتَفَکَّرُوۡنَ (۲۶۶)

ترجمہ: ''کیا تم میں کوئی اسے پسند رکھے گا کہ اس کے پاس ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا جس کے نیچے ندیاں بہتیں اس کے لئے اس میں ہر قسم کے پھلوں سے ہے اور اسے بڑھاپا آیا اور اس کے ناتواں بچے ہیں تو آیا اس پر ایک بگولا جس میں آگ تھی تو جل گیا ایسا ہی بیان کرتا ہے اللہ تم سے اپنی آیتیں کہ کہیں تم دھیان لگاؤ۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 266)

اب اس آیت میں ایک تمثیل کے ذریعے اللہ ایک مثال ذکر فرماتا ہے جو انسانی نفسیات کے عین بعین مطابق ہے کہ کونسا انسان ہے جو اپنے باغات جو ثمریاب ہوں ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں اس پہ آگ کا بگولا جلا دے یا کوئی اور شے اسے نقصان پہنچا دے تو وہ اس کو پسند نہ کرے گا اور یہ غور و فکر کرنے کی بات ہے۔

بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ جیسا کہ فکر کی تعریف میں بھی بیان ہوا ہے کہ ظاہری نشانیوں کے ذریعے معلوم سے نامعلوم کی کڑیاں ملاتے ملاتے انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ نامعلوم بدیگر الفاظ (غیب) پہ ایمان لانے کے قابل ہو جاتا ہے۔

ملحدین و معترضین شاید ریاضی، منطق اور سائنسی علوم سے بھی نابلد ہیں کہ انہیں ان کی بھی خبر نہیں کہ بہت سے سوالات کے حل کے لیے ریاضی بہت سی باتیں ''فرض کیا ہے'' کے جملے سے لے کر چلتا ہے۔

اور بہت سے سائنسی معلومات جو ابھی پردہ غیب میں ہیں تسلیم کرتا ہے مثلاً وہ ایٹم کے اندر کی دنیا کے نینوٹکنالوجی کے ذریعے بہت سے جہانوں کی دریافت پہ یقین رکھتے ہیں وہ الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران سے آگے سب پارٹ تک پہنچ چکے ہیں یہ ممکن ہی نہ تھا جب تک یہ یقین نہ رکھا

جاتا کہ ان کے اندر مزید جہان ہیں۔

وہ بہت دیر تک نیوکلئیس کو بنا دیکھے تسلیم کرتے رہے۔ کششِ ثقل کو عین بعین دیکھا نہیں گیا بلکہ چند آیات اور نشانیوں کے مشاہدے سے تسلیم کرلیا گیا۔

درحقیقت دیکھا جائے تو لفظِ استدلال جو منطق کی اصطلاح ہے اور زندگی میں اس قدر مستعمل ہے کہ دنیا کے اکثر معاملات اس کے مرہونِ منت ہیں وہ بھی ذرا غور وفکر سے دیکھا جائے تو کیا ہے؟ کچھ معلومات یا معلوم فکریات سے چند نا معلوم کی طرف کا سفر۔

معترض دنیوی وسائنسی حقائق سے نابلد ہے کہ اللہ تمہیں ظاہر و باطنی مشاہدات میں غور وفکر کی دعوت دے رہا ہے تا کہ تم ترقی کی راہیں جو پردہ غیب میں پنہاں ہیں تم پہ ظاہر ہوں اور تم ایک ایسے جہاں پہ بھی کامل ایمان ان مشاہدات کے بل پہ لے آو جن کی شاید تم میں اور تمہارے حواس میں قابلیت نہیں ان کا دائرہ محدود و مسدود ہے مثلا کان 20 سے 2،0000 ہرٹ تک سن سکتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ اس سے کم یا اس سے زیادہ فریکونسی کی آواز ہے ہی نہیں یا ہے؟

اس طرح کے بے شمار مظاہر ہمیں کائنات میں آسانی سے مل سکتے ہیں اگر ہم عقل رکھتے ہوں۔اور یہی اللہ کریم فرما رہا ہے کہ غور وفکر کے ساتھ آگے بڑھو تا کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ اگر یہ غیب کے پردے سے چیزیں نکل رہی ہیں تو یقیناً بہت سے اور چیزیں جن کا اللہ وعدہ فرما رہا ہے موجود ہیں اور یہی یقین و ایمان کا دائرہ ہے۔نا کہ تضاد

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 33 کا جواب قیامت والے دن ایک صور پھونکا جائے گا یا دو صور پھونکیں جائیں گے؟

ترجمہ: قیامت والے دن ایک صور پھونکا جائیگا۔ (سورۂ الحاقہ، آیت نمبر 13)

ترجمہ: اس وقت دو صور پھونکے جائینگے۔ (سورۂ النازعات، آیت نمبر 7)

معترض کا ایک اور دجل ملاحظہ فرمائیں، معترض صور کے دو بار پھونکے جانے پر اعتراض وارد کر رہے ہیں، کہ ایک آیت میں اللہ (کریم) ایک بار صور پھونکنے کا ذکر کر رہا ہے، دوسری آیت میں دو بار لہٰذا اس میں تعارض ہے۔ معترض نے جو" آیت پیش کی ہے ہم صرف وہ آیت پیش کر کے ترجمہ کر دیتے ہیں، تا کہ قارئین دیکھ لے ملحد معترض کتنا بڑا جاہل دجل کار کرنے والا ہے جو سیاق وسباق کو ہمیشہ ترک کر دیتا ہے" اس کے بعد جواب عرض کرتے ہیں۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ نَفۡخَۃٌ وَّاحِدَۃٌ (۱۳)

ترجمہ: ''پھر جب صُور پھونک دیا جائے ایک دم۔'' (سورۂ الحاقہ، آیت نمبر 13)

تَتۡبَعُہَا الرَّادِفَۃُ (۷)

ترجمہ: ''اُس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی۔'' (سورۂ النازعات، آیت نمبر 7)

ان دونوں آیات میں تضاد کہاں سے ہو گیا، ہاں معترض نے دجل کاری سے ترجمہ کر کے تضاد ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ معترض کی پیش کی ہوئی پہلی آیت کا صحیح ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ نَفۡخَۃٌ وَّاحِدَۃٌ (۱۳)

فَاِذَا کا معنیٰ ''پھر جب'' ''نُفِخَ'' کا معنیٰ ''پھونکا جائے گا'' ''فِی الصُّوۡرِ'' صور میں ''نَفۡخَۃٌ'' ''پھونکا جانا'' ''وَّاحِدَۃٌ'' ''ایک ہی بار''

ترجمہ: ''پھر جب ایک مرتبہ صور میں پھونک ماردی جائے گی۔''

صور کیا ہے۔صور یعنی نرسنگھا، قرناء یا بوق، اور ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر کی مرفوع حدیث ہے کہ صور کوئی سینگ (کی شکل کی کوئی چیز) ہے جس میں قیامت کے روز پھونکا جائے گا۔

صور پھونکے جانے پر قیامت کے دو مراحل کا ذکر قرآن میں الگ، الگ بیان کیا گیا ہے، پہلے مراحل جس میں صرف پہلے صور کے پھونکے جانے کا ذکر ہے جیسا کہ معترض نے پہلے مراحل والی آیت پیش کی ہے۔

دوسرے مراحل کی آیات ہم پیش کرتے ہیں جس میں صرف دوسری بار صور پھونکے جانے کا ذکر ہے ملاحظہ فرمائیں:

لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَاۚ-وَ هُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَۚ(۱۰۲) لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُؕ-هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ(۱۰۳)

ترجمہ: ''وہ اس کی بھنک نہ سنیں گے اور وہ اپنی من مانتی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ انہیں غم میں نہ ڈالے گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔'' (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 102)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں ''سب سے بڑی گھبراہٹ'' سے مراد دوسری بار صور میں پھونکا جانا ہے۔

وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ(۵۱) قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَاؕ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ(۵۲)

ترجمہ: ''اور پھونکا جائے گا صور جبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑتے چلیں گے۔ کہیں گے ہائے ہماری خرابی کس نے ہمیں سوتے سے جگا دیا یہ ہے وہ جس کا رحمٰن نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے حق فرمایا۔'' (سورہ یٰسین، آیت نمبر 52 تا 53)

اس آیت کا اور اس کے بعد والی آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو کفار اپنی قبر سے زیادہ ہو کر اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دوڑے ہوئے چلے آئیں گے۔

وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِؕ-ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ(۲۰)

ترجمہ: ''اور صُور پھونکا گیا یہ ہے وعدۂ عذاب کا دن۔'' (سورۂ قٓ، آیت نمبر 20)

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن دوسری بار صور میں پھونک ماری جائے گی

تاکہ مرجانے والے دوبارہ زندہ ہوجائیں (اور اس وقت فرمایا جائے گا) یہ وہ دن ہے جس میں کافروں کو عذاب دینے کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا۔

اب دونوں مراحل کا ذکر قرآن کی ایک ہی آیت میں جو ''معترض نے پہلی آیت پیش کی ہے'' اس کی تشریح کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

نَفۡخَةٌ وَّاحِدَةٌ سے مراد یہ ہے کہ یکبارگی اچانک یہ صورت کی آواز ہوگی اور ایک آواز مسلسل رہے گی یہاں تک کہ اس آواز سے سب مرجائیں گے۔ قرآن وسنت کی نصوص سے قیامت میں صور کے دو نفخے ہونا ثابت ہیں پہلے نفخہ کو نفخہ صعق کہا جاتا ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

وَ نُفِخَ فِي الصُّوۡرِ فَصَعِقَ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِي الۡاَرۡضِ

ترجمہ: ''اور صُور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہوجائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں''۔

(سورۃ الزمر، آیت نمبر 39)

یعنی اس نفخہ سے تمام آسمان والے فرشتے اور زمین پر بسنے والے جن وانس اور تمام جانور بیہوش ہوجائیں گے (پھر اسی بیہوشی میں سب کو موت آجائے گی) دوسرے **نفخہ** کو **نفخہ بعث** کہا جاتا ہے **بعث** کے معنے اُٹھنے کے ہیں اس **نفخہ** کے ذریعہ سب مردے پھر زندہ ہوکر کھڑے ہوجائیں گے جس کا ذکر قرآن کی اسی آیت کے دوسرے ٹکڑے میں بیان ہوا:

ثُمَّ نُفِخَ فِيۡهِ اُخۡرٰى فَاِذَا هُمۡ قِيَامٌ يَّنۡظُرُوۡنَ

ترجمہ: ''پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہوجائیں گے۔''

(سورۃ الزمر، آیت نمبر 39)

یعنی پھر صور دوبارہ پھونکا جائے گا جس سے اچانک سب کے سب مردے زندہ ہوکر کھڑے ہوجاویں گے اور دیکھنے لگیں گے۔

اب معترض کی پیش کردہ دوسری آیت سیاق وسباق کے ساتھ پیش کرتا ہوں ساتھ اس کی تشریح ملاحظہ فرمائیں:

يَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَةُ(٦) تَتۡبَعُهَا الرَّادِفَةُ(٧)

ترجمہ: ''جس دن تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی۔ اُس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی۔''

(سورۂ النازعات، آیت نمبر 6 تا 7)

آیت نمبر 6 اور اس کے بعد والی آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے کافرو تم اس دن ضرور زندہ کئے جاؤ گے، جس دن (ایک سینگ میں) پہلی پھونک ماری جائے گی تو اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے زمین اور پہاڑ شدید حرکت کرنے لگیں گے۔ اور انتہائی سخت زلزلہ آ جائے گا اور تمام مخلوق مر جائے گی، پھر اس پہلی پھونک کے بعد دوسری پھونک ماری جائے گی جس سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کر دی جائے گی۔ ان دونوں پھونکوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا۔

اب ان آیات میں صرف بندر جیسی عقل رکھنے والے ملحدین ہی اعتراض کر سکتے ہیں ورنہ اہل علم کے نزدیک کوئی تضاد، تعارض نہیں۔

کیونکہ دو نفخ صور کا ذکر جیسا کہ اوپر تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے موجود ہے۔ مگر معترض مصر ہے کہ نہیں ایک ہی ہے تو اب ہم اس کے علم پہ سینہ پیٹے یا بال نوچے بہرکیف اللہ سمجھ عطا فرمائے کہ ہمیں اتنی ہی سمجھ آ جائے کہ واحدہ کے بعد آیت میں کچھ یوں ہے:

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ

ترجمہ: ''پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔''

(سورۂ الزمر، آیت نمبر 39)

''نفخ فیہ اخری'' جس کا ترجمہ بعد والا آخری یا دوبارہ ہے۔ اب معترض اس معنی تک کو اگر سمجھ نہیں پایا تو پھر کیا کہہ سکتے ہیں۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 34 کا جواب قیامت والے دن پہاڑ روئی کی طرح ہوں گے یا سراب کی طرح؟

ترجمہ: قیامت والے دن پہاڑ روئی کی طرح ہو جائیں گے۔ (سورۂ المعارج، آیت نمبر 9)
ترجمہ: پہاڑ چلائے (مٹ) جائیں گے، سراب کی طرح ہو جانگے (سورہ النباء، آیت نمبر 20)

معترض نے دو آیت درج کر کے اعتراض وارد کیا کہ ایک آیت میں ہے، پہاڑ روئی کی طرح ہو جائیں گے، دوسری میں ہے، پہاڑ چلائے جائیں گے سراب کی طرح ہو جائیں گے، اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ (۹)

ترجمہ: ''اور پہاڑ ایسے ہلکے ہو جائیں گے جیسے اُون۔'' (سورۂ المعارج، آیت نمبر 9)

وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (۲۰)

ترجمہ: ''اور پہاڑ چلائے جائیں گے کہ ہو جائیں گے جیسے چمکتا ریتا دور سے پانی کا دھوکا دیتا۔ (سورہ النباء، آیت نمبر 20)

اللہ اگر ہمت اور توفیق عطا فرمائے پورے قران کو پڑھنے کی تو یہ اعتراض ویسے ہی کافور ہوں جائیں۔ دوسرا مجھے یہ حیرانی ہے کہ معترض کسی شے یا خود زبان میں مختلف اسماء کی حالتوں سے واقف نہیں ہے۔

اگر اسم یا ضمیر کی حالتوں کو ہی دیکھا جائے تو کبھی فاعلی حالت، کبھی مفعولی حالت اور کبھی ملکیتی حالت، اسی طرح اشیاء پہ فاعل کے اثرات سے بہت سی مختلف حالتوں کا ہونا بھی عمومی مشاہدہ ہے۔

اب معترض کی ہی پیدائش، بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی حالتوں پہ غور کرنے کو کہہ دیا جائے، تو اسے بات سمجھ میں آسکتی ہے۔

ان آیات میں تو واضح طور پہ قیامت میں پہاڑوں کی مختلف حالتوں کو بیان فرمایا جا رہا ہے۔قرآن پاک میں مختلف مقامات پر قیامت کے دن پہاڑوں کی مختلف حالتیں بیان کی گئیں ہیں:

پہلی حالت: پہاڑوں کو جڑ سے اکھاڑ کر چورا چورا کر دیا جائے گا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً

ترجمہ:''اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر ایک دم چورا چورا کر دیئے جائیں گے۔''

(سورۃ الحاقہ، آیت نمبر 12)

دوسری حالت: پہاڑ دُھنکی ہوئی رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ

ترجمہ:''اور پہاڑ رنگ برنگی دھنکی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے۔''

(سورۃ القارعہ، آیت نمبر 5)

تیسری حالت: پہاڑ بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو جائیں گے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا (۵) فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا

ترجمہ:''اور پہاڑ خوب چُورا چُورا کر دیئے جائیں گے۔تو وہ ہوا میں بکھرے ہوئے غبار جیسے ہو جائیں گے۔''(سورۃ الواقعہ، آیت نمبر 5 تا 6)

چوتھی حالت: غبار بنا کر پہاڑوں کو اڑا دیا جائے گا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ

ترجمہ:''اور جب پہاڑ غبار بنا کے اڑا دیئے جائیں گے۔''(سورۃ المرسلات، آیت نمبر 10)

اور ارشاد فرمایا:

وَ يَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا

ترجمہ:''اور آپ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔تم فرماؤ! انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔''(سورۃ طٰہٰ، آیت نمبر 105)

پانچویں حالت: غبار بن کر اڑنے کے بعد پہاڑ تیزی سے چل رہے ہوں گے لیکن دیکھنے

میں ٹھہرے ہوئے لگیں گے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا

ترجمہ:''اور پہاڑ تیزی سے چلیں گے۔''(سورۃ الطور، آیت نمبر 10)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ

ترجمہ:''اور تو پہاڑوں کو دیکھے گا انہیں جمے ہوئے خیال کرے گا حالانکہ وہ بادل کے چلنے کی طرح چل رہے ہوں گے۔''(سورۃ النمل، آیت نمبر 88)

چھٹی حالت:

جب پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ دیکھنے والے کی نظر میں ایسے ہو جائیں گے جیسے باریک چمکتی ہوئی ریت جسے دور سے دیکھا جائے تو یوں لگتا ہے جیسے پانی ہے حالانکہ وہ پانی نہیں ہوتی۔

(تفسیر کبیر، النباٴ، تحت الآیۃ: ۲۰، ۱۱/ ۱۳-۱۴، ملخصاً)

اب معترض کو ان حالتوں کے تغیر پذیری پہ اگر اعتراض ہے تو اس کی حالت پہ سوائے آنسو بہانے کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 35 کا جواب
قیامت والے دن کفار کیسے بولیں گے؟

ترجمہ: روز قیامت کفار نہیں بول سکیں گے۔ (سورۂ النمل، آیت نمبر 85)

ترجمہ: ان کے ہاتھ بولیں گے۔ (سورۂ یٰسین، آیت نمبر 65)

معترض نے ایک بار پھر دو آیت پیش کر تضاد ثابت کرنا چاہا ہے کہ پہلی میں اللہ فرما رہا ہے روز قیامت کفار نہیں بول سکتے، دوسری میں فرما رہا ہے ان کے ہاتھ بولیں گے جاہل ملحد کا جاہلانہ اعتراض ہم آیت کا ترجمہ درج کر علمی جواب تحریر کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ(۸۵)

ترجمہ: ''اور بات پڑ چکی ان پر ان کے ظلم کے سبب تو وہ اب کچھ نہیں بولتے۔''

(سورۂ النمل، آیت نمبر 85)

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ(۶۵)

ترجمہ: ''آج ہم ان کے مونھوں پر مہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے کئے کی گواہی دیں گے۔'' (سورۂ یٰسین، آیت نمبر 65)

مرحلۂ قیامت کے دو احوال معترض پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہ رہا ہے کہ ان میں اعتراض ہے حالانکہ یہ دو الگ الگ واقعات اور احوال کی روداد ہے۔

ایک آیت میں اللہ کریم مجرمین کا انکارِ جرم اور اس میں ادھر اُدھر کی سنانے پہ فرماتا ہے کہ تم اپنے ظلم اور بد اعمال سے مکرنے کی ناکام کوشش نہ کرو آج تم مکر نہ سکو گے آج تو تمہارے ہاتھ پاؤں خود گواہی دے گے جو تم کرتے رہے جیسا کہ ارشاد ہے:

ترجمہ: آج ہم ان کے مونھوں پر مہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے کئے کی گواہی دیں گے۔ (سورۂ یٰسین، آیت نمبر 65)

قرانِ مجید میں ایک اور مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوۡهَا شَهِدَ عَلَيۡهِمۡ سَمۡعُهُمۡ وَ اَبۡصَارُهُمۡ وَ جُلُوۡدُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ(۲۰)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہاں پہنچیں گے ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور اُن کے چمڑے سب اُن پر ان کے کئے کی گواہی دیں گے۔" (سورۂ حٰم السجدہ، آیت نمبر 20)

ایک اور مقام پہ قرانِ حکیم کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

يَّوۡمَ تَشۡهَدُ عَلَيۡهِمۡ اَلۡسِنَـتُهُمۡ وَاَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ(۲۴)

ترجمہ: "جس دن ان پر گواہی دیں گی ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں جو کچھ کرتے تھے۔" (سورۂ النور، آیت نمبر 24)

یہ حکم ان ہیکڑ مجرموں کے معاملہ میں دیا جائے گا، جو اپنے جرائم کا اقبال کرنے سے انکار کریں گے، گواہوں کو بھی جھٹلا دیں گے، اور نامۂ اعمال کی صحت بھی تسلیم نہ کریں گے۔

تب اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ، اچھا اپنی بکواس بند کرو اور دیکھو کہ تمہارے اپنے اعضائے بدن تمہارے کرتوتوں کی کیا روداد سناتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہاں صرف ہاتھوں اور پاؤں کی شہادت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ مگر دوسرے مقامات پر بتایا گیا ہے کہ ان کی آنکھیں، ان کے کان ان کی زبانیں، اور ان کے جسم کی کھالیں بھی پوری داستان سنا دیں گی کہ وہ ان سے کیا کام لیتے رہے ہیں۔

اب آجائیں دوسری آیت کی طرف جس میں کہا گیا:

وَوَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَيۡهِمۡ بِمَا ظَلَمُوۡا فَهُمۡ لَا يَنۡطِقُوۡنَ(۸۵)

ترجمہ: "اور بات پڑ چکی ان پر ان کے ظلم کے سبب تو وہ اب کچھ نہیں بولتے۔"

(سورۂ النمل، آیت نمبر 85)

اس آیت میں تو اس اگلے مرحلے کی بات ہو رہی ہے جس کی سورۂ یٰسین، سورۂ نور اور سورۂ حم السجدہ کی آیات صراحت فرما رہی ہیں کہ جب یہ اپنا جرم نہیں مانے گے تو پھر اللہ ان کے منہ پہ مہر کر دے گا جیسا کہ فرمان ہے نختمہ علی افواھھم اب یہ بول نہیں سکے گے۔ ایک بات دوسرا جب ان کے اعضاء ان پہ گواہی دے چکے گے تو مفسرین نے ان کے نہ بول سکنے کی ایک

زائد وجوہات بتائی ہیں:

(1) شرک کے سبب ان پر عذاب ثابت ہو چکا تو وہ اب کچھ نہیں بولتے کیونکہ اُن کے لئے کوئی حجت اور کوئی گفتگو باقی نہیں ہے۔

(2) اس آیت کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے کی وجہ سے اُن پر عذاب اس طرح چھا جائے گا کہ وہ بول نہ سکیں گے۔ (جلالین، النمل، تحت الآیۃ:۸۵، ص ۳۲۴، مدارک، النمل، تحت الآیۃ:۸۵، ص ۸۵۷، ملتقطاً)

(3) ان کے منوں پہ مہریں لگی ہوں گی جس کی وجہ سے بول نہ سکے گے۔

یہ وہ مراحل ہیں جن کا تذکرہ آیات میں اللہ نے پیش کیا مگر ملحدین و معترضین کو یہ تضاد محسوس ہوتا ہے۔ اللہ محفوظ فرمائے آمین

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 36 کا جواب
اللہ ھدایت کے بعد گمراہ کرتا ھے یا پھلے؟

ترجمہ: اللہ ہدایت کے بعد گمراہ نہیں کرتا (سورۃ التوبہ، آیت نمبر 115)

ترجمہ: جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دیتا (سورۃ الرعد، آیت نمبر 33)

دیگر اعتراض کی طرح اس اعتراض میں بھی معترض نے دو آیت پیش کر کے، اور اس سے اپنے من کا ترجمہ تشریح کر کے تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش سرانجام دی ہے، پہلی آیت میں دکھانا چاہتا ہے، کہ اللہ فرما رہا ہے کہ وہ ہدایت کے بعد گمراہ نہیں کرتا۔ اور دوسری میں فرما رہا ہے کہ، جس کو وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دیتا، جاہل ملحد کے سوا عام جاہل کو بھی اس میں کوئی تعارض نہیں دیکھ سکتا لیکن ملحد کیوں کہ بندر کو اپنا والد تسلیم کرتا ہے تو بندر کی طرح ادھر ادھر حاک، کرتا رہیگا ہم اس جاہلانہ اعتراض کا مسکت جواب پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ-اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (۱۱۵)

ترجمہ: ''اور اللہ کی شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے گمراہ فرمائے جب تک انہیں صاف نہ بتادے کہ کس چیز سے انہیں بچنا چاہیے بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔''

(سورۃ التوبہ، آیت نمبر 115)

اَفَمَنْ هُوَ قَآىٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْۚ-وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ-قُلْ سَمُّوْهُمْ-اَمْ تُنَبِّــٴُـوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ-بَلْ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ صُدُّوْا عَنِ السَّبِیْلِ-وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ(۳۳)

ترجمہ: ''تو کیا وہ جو ہر جان پر اس کے اعمال کی نگہداشت رکھتا ہے اور وہ اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں تم فرماؤ ان کا نام تو لو یا اسے وہ بتاتے ہو جو اس کے علم میں ساری زمین میں نہیں یا یونہی اوپری بات بلکہ کافروں کی نگاہ میں ان کا فریب اچھا ٹھہرا ہے اور راہ سے روکے گئے اور جسے اللہ گمراہ

کرے اسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔'' (سورۃ الرعد، آیت نمبر 33)

ان آیات میں تطبیق ان کا سیاق وسباق بھی دے رہا ہے جو کچھ اس طرح سے ہے کہ،

اور اللہ کی شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے گمراہ فرمائے جب تک انہیں صاف نہ بتا دے کہ کس چیز سے انہیں بچنا چاہیے بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

یہاں اللہ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی شان نہیں کہ ہدایت یافتہ قوم کو گمراہ کر دے یعنی وہ اپنے اختیار اور ارادے سے تقوی اختیار کرے، اور اسے گمراہی کی طرف دھکیل دیا جائے۔ اس آیت میں تو یہ بتایا جا رہا ہے جس کی وضاحت سورت بقرہ کی شروع آیت سے بھی ہوتی ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (٢)

ترجمہ: ''اس کتاب میں بچنے والے کے لیے ہدایت ہے۔'' (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 2)

ایک اور جگہ اس بات کو ایک اور انداز سے یوں بیان کیا گیا ہے:

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا

ترجمہ: ''بے شک ہم نے اسے دونوں رستے ہدایت کیے چاہے تو شکر بجا لائے چاہے تو کفر کرے۔'' (سورۃ الدہر، آیت نمبر 3)

اس ارادے اور اختیار کے متعلق سورت تکویر میں ارشاد ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (٢٧) لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ (٢٨) وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (٢٩)

ترجمہ: ''وہ تو سارے جہانوں کے لیے نصیحت ہی ہے۔ اس کے لیے جو تم میں سے سیدھا ہونا چاہے۔ اور تم کچھ نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔''

(سورۃ التکویر، آیت نمبر 27 تا 29)

اب جو سیدھا رستہ اختیار کرنا چاہے اس کے لیے ہدایت کے تمام اہتمام کر دیئے جاتے ہیں اور ان کی ہدایت کو اور بڑھا دیا جاتا ہے۔ کیونکہ تقوی کے معنی میں بچنا ارادہ واختیار کے ساتھ شامل ہے اس لیے ان لوگوں کے لیے ہدایت کا نور بڑھا دیا جاتا ہے۔

اب آئیں دوسری آیت کی طرف:

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ قُلْ سَمُّوْهُمْ اَمْ

تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ-بَلْ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ صُدُّوْا عَنِ السَّبِیْلِ-وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ(۳۳)

ترجمہ:''تو کیا وہ جو ہر جان پر اس کے اعمال کی نگہداشت رکھتا ہے اور وہ اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں تم فرماؤان کا نام تولو یا اسے وہ بتاتے ہو جواس کے علم میں ساری زمین میں نہیں یا یونہی اوپری بات بلکہ کافروں کی نگاہ میں ان کا فریب اچھا ٹھہرا ہے اور راہ سے روکے گئے اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت کرنے والانہیں۔''(سورۂ الرعد، آیت نمبر 33)

اس آیت میں اللہ کا شریک ٹھہرانے والوں کے لیے وعید ہے کہ وہ جانتے بوجھتے بھی اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، حالانکہ اس کی ان کے پاس کوئی سند بھی نہیں، اور وہ بلا سند اللہ پہ بہتان باندھ رہیں ہیں۔جبکہ وہ خود پیغمبر علیہ السلام سے سند اور مشاہدات کا تقاضہ کرتے ہیں۔لیکن خود کے شرک کی سوائے اس کے کہ ہمارے باپ دادوں کے معبود ہیں، کوئی بات نہیں، لا پاتے جو سوائے گھاٹے کے اور کچھ نہیں، جب ان کے لیے آیات کھول کر بیان کردی گئی، پیامِ حق ان تک پہنچادیا گیا، اور بہت سے لوگوں کو معجزات بھی دکھلا دیئے گئے، مگر وہ پھر بھی گمراہی پہ چل نکلے۔ کیونکہ انہوں نے شعوری طور پہ گمراہی اختیار کی اور جب انہوں نے گمراہی خرید لی، تو پھر اللہ فرماتا ہے ان کی اس خباثت کے نتیجے میں ان کا مرض بڑھتا چلا گیا جیسا کہ ارشاد ہے:

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ-فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا

ترجمہ:''ان کے دلوں میں مرض ہے جو پھر اللہ اور بڑھا دیتا ہے۔''(سورۂ البقرہ، آیت نمبر 10)

اب جوموتی چگنا چاہے اسے موتی اور جو کنکریاں اس کے لیے وہی''اس دوسری آیت میں اللہ نے اس کی ہی وضاحت فرمائی ہے'' کہ اللہ جسے''اس کی اختیار کی گئی گمراہی میں ڈال دے''اس کے لیے کون ہادی ہوسکتا ہے۔

یہاں تو بات سیدھی سادھی ہے تعارض و تضاد تو دور دور نہیں مگر ملحدین اور معترضین کی مت پتانہیں کہاں ماری گئی ہے۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 37 کا جواب
کیا اللہ کا کوئی مثل ھے؟

ترجمہ: ''اور کوئی اس (اللہ) جیسا نہیں۔'' (سورۂ الاخلاص، آیت نمبر 4)

ترجمہ: ''اللہ کی آنکھیں ہیں۔'' (سورۂ طٰہٰ، آیت نمبر 20)

ترجمہ: ''اللہ کے ہاتھ ہیں۔'' (سورۂ المائدہ، آیت نمبر 64) (سورۂ ص، آیت نمبر 75)

ان تین آیات کا جو ترجمہ معترض نے پیش کیا ہے ان میں سورہ طٰہٰ کی آیت معترض کے درج کردہ حوالے پر ہم کو نہیں مل سکی معترض اپنے ناپاک عزائم جسارت سے، مسلمانوں کے پاک عقیدے کو ہمہ وقت اپنے ناپاک جراثیم سے نجس کرنے میں مشغول ہے۔ جب کہ ملحدین کے اعتراضات میں کوئی علمی حقیقت نہیں، جس کی دلیل بار بار ملحدین کا غلط ترجمہ کرنا غلط حوالہ جات دینا آدھی ادھوری آیت پیش کرنا ہے اب ہم عربی متن کے ساتھ صحیح ترجمہ پیش کر کے جواب درج کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۠ (۴)

ترجمہ: ''اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔'' (سورۂ الاخلاص، آیت نمبر 4)

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌؕ-غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْاۘ-بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِۙ-يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ

ترجمہ: ''اور یہودی بولے اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے انھیں کے ہاتھ باندھے جائیں اور ان پر اس کہنے سے لعنت ہے بلکہ اس کے ہاتھ کشادہ ہیں عطا فرماتا ہے جیسے چاہے۔''

(سورۂ المائدہ، آیت نمبر 64)

قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّؕ-اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ (۷۵)

ترجمہ: ''فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اس کے لیے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے

ہاتھوں سے بنایا کیا تجھے غرور آ گیا یا تو تھا ہی مغروروں میں۔'' (سورۃص، آیت نمبر 75)

اللہ کریم خالق ہے اور باقی تمام اشیاء مخلوق اس ضمن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جا بجا ارشاد فرمایا ہے۔ جیسا کہ مشرکین اور کافر اللہ کا شریک طرح طرح کے حیلے بہانوں سے بنانے کی کوشش کرتے کبھی بتوں کو خدا کا شریک، کبھی عقیدہ تثلیث، کبھی فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دینا یہ وہ ناپاک ونجس عقائد ہیں جن کی تردید جگہ جگہ قرانِ عظیم میں کی گئی جیسا کہ اللہ سورہ اخلاص میں فرماتا ہے:

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ

ترجمہ: ''نہ وہ جنا گیا نہ اس نے کسی کو جنا۔'' (سورۃ الاخلاص، آیت نمبر 3)

اس طرح کی بے شمار ایات قران میں مشرکین اور کافروں کی تردید میں آئی ہیں۔ اس لیے کہ وہ خالق ہے وہ ماوراولا زماں ہے اس جیسا کوئی نہیں ہے اگر اس جیسا کوئی ہوتا تو پھر تو دو خالق ہو جاتے جو کہ محال ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ

ترجمہ: ''اگر آسمان وزمین میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بھی معبود ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے، پس اللہ تعالیٰ عرش کا رب ہے ہر اس وصف سے پاک ہے جو یہ مشرک بیان کرتے ہیں۔''

(سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 22)

اب اس اصولی موقف اور بنیادی عقیدے کو سمجھ لینے کے بعد اگر بات آگے بڑھے تو دیگر آیات سمجھ میں آسکتی ہیں جو ملحدین کی طرف سے بطور اعتراض پیش کی گئی ہیں۔

اب ایک اور آیت دیکھتے چلیں تا کہ ہم اپنے اصولی موقف میں مزید واضح ہو جائیں اور آگے بڑھنے میں ہمارے لیے آسانی رہے۔

وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴿٤﴾

ترجمہ: ''اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں ہے۔'' (سورۃ الاخلاص، آیت نمبر 4)

كُفُوًا: نظیر، مثل، مشابہ ہم رتبہ کو کہتے ہیں۔ یعنی ذات وصفات میں اللہ کا کوئی ہم رتبہ نہیں ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ... (سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر 11)

ترجمہ: ''اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔''

نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں، نہ خلق وایجاد میں، نہ تدبیر کائنات میں۔ شاید ذات خدا میں کسی اور کا ہم درجہ ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے، البتہ تدبیر میں ہم درجہ ہونے کے مشرکین قائل تھے۔

''لیس کمثلہ شیء'' میں ''کاف'' حرف تشبیہ ہے، جس کا معنی ہے ''مثل'' اور یہ پورا جملہ مل کر یہ معنی دے گا ''اس کی مثل جیسی کوئی چیز نہیں ہے'' اس لفظی تکرار کی وجہ سے بہت سے مفسرین نے ''کاف'' کو زائدہ تسلیم کیا ہے جو عام طور پر تاکید کے لیے آتا ہے. فصحاء عرب کے کلام میں ایسی ہزاروں مثالیں ملتی ہیں۔لیکن یہاں پر ایک نہایت ہی لطیف حوادث سے نہیں بھاگنا چاہیے۔ جن میں اس قدر شجاعت، بہادری، عقل اور ہوش وخرد ہو۔ (یعنی جن لوگوں میں تمہارے جیسی صفات پائی جائیں انہیں یہ کام کرنا چاہیے)۔

زیر بحث آیات کا یہ معنی ہوگا: خداوند عالم کی مثل کی مثل کبھی نہیں ہوسکتی جس میں وسیع علم اور عظیم ولامتناہی صفات پائی جائیں۔

یہ نکتہ بھی پیش نظر رہے کہ بعض ارباب لغت کے بقول چند الفاظ ایسے ہیں جو''مثل'' کا معنی دیتے ہیں. البتہ اس کے مفہوم کے جامع ہونے کو نہیں پہنچ سکتے۔

''ند'' (بروزن ضد) کا لفظ وہاں بولا جاتا ہے جہاں پر صرف جوہر اور ماہیت میں شباہت مقصود ہو۔

''شبہ'' کا لفظ وہاں بولا جاتا ہے جہاں کیفیت کی بات درپیش ہو۔

''مساوی'' کا اطلاق وہاں ہوتا ہے جہاں پر تعداد (کمیّت) کی بات کرنی مقصود ہو۔

''شکل'' وہاں پر بولتے ہیں جہاں پر مقدار کی بات ہو۔

لیکن ''مثل'' کا مفہوم وسیع اور عام ہے کہ جس میں سب مفاہیم جمع ہیں. یہی وجہ ہے کہ جب خداوند عالم اپنی ذات سے ہر قسم کی شبیہ ونظیر کی نفی کرنا چاہتا ہے تو فرماتا ہے ''لیس کمثلہ شیء''۔

اب جب کہ اس بنیادی عقیدے سے واقفیت حاصل کر لینے کے بعد ہم دیگر آیات کی طرف نظر کرتے ہیں تو بات صاف ہوجاتی ہے کہ اس کی مثل کوئی شے نہیں۔

مگر کیا کیجیے کہ انسان تو پھر انسان ہے اور وہ افہام و تفہیم کا ایک مشترکہ ذریعہ جیسے زبان کہتے ہیں رکھتا ہے۔ افہام و تفہیم کے تناظر میں مجرد اشیاء، اسماء یا صفات کو سمجھنے یا سمجھانے کے لیے زبانوں میں تمثیل، تشبیہ، استعارہ اور علامات جیسے علم البیان کی اصطلاحیں بیان ہوتی ہیں۔

اردو میں علامات اور عربی میں متشابہ کا لفظ بڑا پر مغز اور پر معنی ہے۔

دوسرا زبان لفظ اور معنی کے رشتے سے پیدا ہونے والا ایک تہذیبی سطح کا عمل ہے۔ چونکہ لفظ معنی کا کنٹینر (اٹھانے یا رکھنے) پر ہوتا ہے، اور لفظ میں معنی کے دو احوال عموما جاری رہتے ہیں۔

1 ۔لفظ ایک ہی معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

2 ۔لفظ میں دیگر معنی کا بھی آنا جانا شامل رہے۔

تیسری چیز جو زبان کے تہذیبی احوال میں شامل ہے وہ ہے الفاظ کا تشبیہ کے طور پہ استعمال کرنا تاکہ اس کی مکمل تصویر پردۂ بصر پہ چھپ جائے۔

دوسرا ایسے الفاظ یا علامات یا مقطعات کا استعمال کرنا جو کسی بھی شے کے اظہار کے ساتھ ساتھ اس کی مطلق ماورایت کو بھی قائم رکھے آپ اس کے بے شمار نمونے بڑی زبانوں کے بڑے شعراء کے ہاں بڑی آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔

اس سے پہلے کے میں آگے بڑھوں میں چاہتا ہو جدید لسانیات اور کلاسیکی بنیاد پہ علامت کے فہم کو قارئین تک پہنچا دوں تاکہ زبان کی سطح پہ ہم ان دیگر آیات کو سمجھنے کے قابل بھی ہوں جائیں جو معترض نے پیش کیں آئیں پہلے علامت کی تھوڑی سی تفہیم کر لیں۔

''علامت کہتے ہیں حقیقت کو فارم (form) میں بھی دیکھانا اور فارم سے ماوراء بھی پہنچانا یا قائم رکھنا''۔

اس کے لیے قران مجید میں آیات متشابہات استعمال ہوا ہے۔ مطلب ان آیات کے ماننے میں کوئی تکلف نہیں مگر جاننے کا دعوی عبث ہے۔

اس لیے قران نے فرمایا راسخ فی العلم والے ان پہ ایمان لے آتے ہیں انہیں ماننے میں کوئی عقلی رکاوٹ نہیں محسوس ہوتی مگر جاننے کے دعوے میں وہ اس سے دور رہتے ہیں۔

اس بنیادی بحث کو سمجھ لینے کے بعد ان آیات کا تجزیہ کرنا قاری کے لیے آسان ہو جاتا ہے

آئیں ان آیات کو ایک بار دیکھ لیں:

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ-غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْاۘ-بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِۙ-يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ

ترجمہ: ''اور یہودی بولے اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے انھیں کے ہاتھ باندھے جائیں اور ان پر اس کہنے سے لعنت ہے بلکہ اس کے ہاتھ کشادہ ہیں عطا فرماتا ہے جیسے چاہے۔''

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر 64)

قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّؕ-اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ(۷۵)

ترجمہ: ''فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اس کے لیے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا کیا تجھے غرور آ گیا یا تو تھا ہی مغروروں میں۔'' (سورۃ ص، آیت نمبر 75)

ان آیات میں جو معترض نے پیش کیں اور تضاد نکالنے کی کوشش کی اس کی اصل وجہ زبان کی تہذیبی تشکیل اور زبان کے عملی مظاہر سے ناواقفیت ہے۔ یہاں جو لفظ اللہ نے اپنے لیے استعمال فرمائے ''بیدی'' یا ''یدہ'' تو یہ متشابہات کے قبیل سے ہیں ان کا مخلوقات کے ساتھ تشبیہ دینا بذاتِ خود مبنی بر جہالت ہے یہی تو علامت اور متشابہات کا کمال ہے جو جب عقل کے ٹیڑھوں کے سامنے آتا ہے تو وہ معترض ہو جاتے ہیں۔

یہاں تو مخلوقات میں ایک مخلوق کے ہاتھ کو بعین دوسری مخلوق کے ہاتھ کہنا اہل علم کے ہاں غیر مانوس تسلیم کیا جاتا ہے چہ جائے اللہ کی قدرت وکاملہ کو انسان سے ملانا معاذ اللہ

بہرکیف ان آیات میں تضاد و تعارض کا شائبہ کہی دور دور نظر نہیں آتا اللہ سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے آمین

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 38 کا جواب
کیا اللہ مہربان ہے؟

ترجمہ: ''اللہ رحیم ومہربان ہے۔'' (سورۃ الفاتحہ، آیت نمبر 3)

ترجمہ: ''جنہوں نے آیتوں کو جھٹلایا انہیں آگ میں ڈالے گا۔ اور نئی چمڑی دے گا۔''

(سورۃ النساء، آیت نمبر 56)

معترض نے یہاں دو آیت پیش کر تعارض دکھانا چاہا ہے، پہلی اللہ رحیم ومہربان ہے۔ دوسری جنہوں نے آیتوں کو جھٹلایا انہیں آگ میں ڈالے گا۔ اور نئی چمڑی دے گا۔ جاہل معترض نے پہلی آیت میں سورہ فاتحہ کا حوالہ بھی غلط دیا ہے بغض وحسد میں ملوث معترض کے دجل کا جواب ہم آیات کا صحیح حوالہ جات درج کر دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (۲)

ترجمہ: ''بہت مہربان رحمت والا۔'' (سورۃ الفاتحہ، آیت نمبر 2)

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا- كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ- اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِیْزًا حَكِیْمًا (۵۶)

ترجمہ: ''جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب کبھی ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں انہیں بدل دیں گے کہ عذاب کا مزہ لیں بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔'' (سورۃ النساء، آیت نمبر 56)

ان آیات میں کہیں تضاد نہیں ہے سوائے کم عقل ذہنوں میں وہ اس طرح کہ سورہ فاتحہ میں اللہ نے اپنے دو اسماء صفات رحمان ورحیم بیان فرمائے ہیں اس میں تو رتی بھر شک نہیں کیسے آئیں سمجھتے ہیں۔

یہ کائنات نہ تھی اللہ نے اپنے فضلِ محض سے پیدا فرمادی۔ یہ اس کا رحم وکرم ہے۔

ہم نہیں تھے ہمیں زندگی کی نعمت سے نوازہ حالانکہ یہ ہمارا حق نہ تھا اللہ پہ کہ وہ ہمیں زندگی

دے یہ اس نے اپنے رحم وکرم سے کیا۔

پھر ہمارا کیا زور تھا اس پہ کہ ہمیں انسان ہی پیدا کرتا اس کے علاوہ بھی ہمیں وہ کسی ایسی مخلوق کے طور پہ بھی پیدا کرسکتا تھا جسے ہم حقیر و ناتواں سمجھتے ہیں مگر اس نے اپنے فضل سے ہمیں انسان پیدا کیا یہ اس کی رحمان ورحیم اسماء ہی کا فیض ہے۔

اب آئیں اس کے دوسرے رخ کی طرف کہ جب اللہ نے ہمیں انسان پیدا کیا اور ہمیں عقل وشعور سے نوازہ ہمیں اپنے فضلِ محض سے ارادہ واختیار کی امانت عطا فرمائی تو ہم نے بھی اللہ کی اس بے پناہ عنایات پہ تسلیم سرخم کیا اور اللہ کے اس ارشاد پہ کہ:

الست بربکم .کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟۔

توسب نے جواباً کہا..''قالوا بلی''ہاں تو ہمارا رب ہے۔

یہ سب اس کا فضل ہے پھر ہمارے اندر اس عہدِ الست کو فطرتاً اندورنی یاد کے لیے بیلٹن کر دیا۔اس کے بعد ہمیں نعمتوں کے باغات دیئے لاتعداد نعمتیں دی ہمارے اندر ہدایت کے سسٹم کو ایکٹیویٹ کر دیا جیسا کہ ارشاد ہے:

فالھمھا فجورہ و تقوھا

ترجمہ:اور ہم نے انسان کو فجور اور ہدایت کی راہ سوجھا دی۔''

یہ سب کیا ہے اس کی رحمت اس کا کرم آگے چلیے پھر انسان کی مزید یادآوری کے لیے اس کے اندر اور کائنات میں اپنی یاد کی نشانیاں رکھ دی مزید اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے اور انبیاء علیہ السلام کو کتابِ ہدایت اور راہِ ہدایت دے کر بھیجا تا کہ انسان اپنے رب کے قریب ہی رہے اور اپنے وعدے کو یاد رکھ کر میرے دیدار کے گھر کی طرف لوٹے یہ سب اس کا رحم وکرم اور رحمت نہیں تو کیا ہے۔انسان تو اس کی رحمتوں اور نعمتوں کا احاطہ نہیں کرسکتا اللہ کا ارشاد ہے:

وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ (۱۸)

ترجمہ:اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کرسکو گے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت کے آخری الفاظ بھی کیا ہیں اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے وہ تو نعمتوں پہ نعمتیں دیتا جارہا ہے اور ہر نعمت اور رحمت پہ اپنی صفت رحمان ورحیم گنوار ہا ہے۔اب اس تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمالیں۔

آپ سبھی احباب جانتے ہیں کہ اللہ کی رحمت کے زیر اثر ہی یہ کائنات اور کائنات میں انسان تخلیق ہوا اور جب وہ تخلیق ہو گیا تو ظاہری بات ہے ایک سسٹم۔ اور ایک نظام کے تحت آ جاتا ہے جیسے انسان کے باطن نے پیدا ہونے بعد خود تسلیم کیا کہ ہاں تو ہمارا رب ہے۔

اب اس خصوصی نعمت جیسے زندگی کہا جاتا ہے اس کے شکرانے کے طور پہ اور حق کے طور پہ انسانوں نے اللہ کی ربیبت کے تقاضے کو اپنے من کی دنیا میں پا کر اس کے سامنے جھک گئے چونکہ وہ اس عہد و پیماں کے بعد ایک سسٹم۔ اور ایک نظام کے تحت آ گئے جیسے وفاداری کا نظام کہا جاتا ہے۔

آپ مذہب کو تھوڑی دیر ایک سائیڈ پہ رکھ کر انصاف سے پوری دنیا کے ممالک کا جائزہ لیں کہ کیا کسی بھی ملک کے آئین کے ساتھ وفاداری کے عہد و پیماں کے بغیر کسی شخص کو اس ملک میں جینے کی اجازت دی گئی ہے۔

آپ کسی ادارے کو لے لیں اس ادارے کو اپنا لینے کے بعد تسلیم کر لینے کے بعد اس کے اصول وضوابط آپ پہ لاگوں ہو جاتے ہیں اور ان اصولوں میں سب سے بڑا اور بنیادی اصول ''وفاداری'' کا ہے۔

آپ خود فیصلہ کر لیں اگر اس اصول کی کوئی دھجیاں اڑانے پہ مصر ہو جائے تو پھر اس ملک اور اس ادارے کے دیگر قوانین ایکٹو یٹ ہو جاتے ہیں جس میں ہر طرح کی سزا حتی کے زندگی چھین لینے کے قوانین بھی متحرک ہو جاتے ہیں۔

اس مقدمہ کو سمجھ لینے کے بعد آئیں ان آیات کا بھی جائزہ لیں جو ملحد کے بقول مبنی بر تضاد ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا - كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ - إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا(٥٦)

ترجمہ: ''جنھوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب کبھی ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں انہیں بدل دیں گے کہ عذاب کا مزہ لیں بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔'' (سورۃ النساء، آیت نمبر 56)

اس آیت میں اللہ کریم نے انسان کے لیے اپنی رحمت اور فضل کے تمام اہتمام کرنے کے

بعد انسان کے اس عہدِ وفا کو کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ جس پہ ہم سب نے کہا ''ہاں تو ہمارا رب ہے''۔

تیرے سواء کوئی الہ نہیں تو معبودِ برحق ہے۔اس عہدِ وفا سے مکر جانے کے بعد اس تسلیم شدہ نظام کے دوسرے افعال متحرک ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ پھر ایک مہلت کے بعد ہم ان کے لیے انصاف کر دے گے اور جو آخری دم تک اپنے وعدے سے پھرے رہے ان کے لیے وہی عذاب ہے جو اس نظام کے تحت وہ خود قبول اور دستخط کر کے آئے تھے۔ مجھے بتائیے کہا تضاد ہے ان دو آیات میں اللہ سمجھ عطا فرمائے آمین

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 39 کا جواب
اللّٰہ وحی کیسے کرتا ہے؟

ترجمہ: اللہ ڈائریکٹ بات نہیں کرتا بلکہ وحی سے کرتا ہے یا پردے کے پیچھے سے۔
(سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر 51)

ترجمہ: آدم سے بات کی۔ (سورہ البقرہ، آیت نمبر 36)

ترجمہ: موسیٰ سے ہمکلام ہوا۔ (سورہ النساء، آیت نمبر 164)

معترض نے یہاں تین آیت پیش کر تعارض دکھانا چاہا ہے، پہلی اللہ ڈائریکٹ بات نہیں کرتا بلکہ وحی سے کرتا ہے یا پردے کے پیچھے سے۔ دوسری آدم علیہ السلام سے بات کی۔ تیسری موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوا، جاہل معترض بغض وحسد میں ملوث معترض کے دجل کا جواب ہم آیات کو سیاق وسباق سے درج کر دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ-اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (۵۱)

ترجمہ: ''اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پردۂ عظمت کے اُدھر ہو یا کوئی فرشتہ بھیجے کہ وہ اس کے حکم سے وحی کرے جو وہ چاہے بے شک وہ بلندی وحکمت والا ہے۔'' (سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر 51)

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ-وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ-وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (۳۶)

ترجمہ: ''تو شیطان نے جنت سے انہیں لغزش دی اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کردیا اور ہم نے فرمایا نیچے اترو آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے۔'' (سورہ البقرہ، آیت نمبر 36)

وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ-وَ كَلَّمَ

اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا (۱۶۴)

ترجمہ: ''اور رسولوں کو جن کا ذکر آگے ہم تم سے فرما چکے اور ان کو جن کا ذکر تم سے نہ فرمایا اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا۔'' (سورہ النساء، آیت نمبر 164)

ان آیات میں بھی کہی تضاد نہیں ہے بس عقل کے اندھے چمگادڑ کی طرح اُلٹے لٹکے جس شے کو بھی دیکھتے ہیں وہ انہیں الٹ نظر آتی ہے۔ آیئے اس کا جائزہ لیں جو خود ان آیات کو غور سے پڑھنے پر ہی دفع ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

وَ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ۔اِنَّہٗ عَلِیٌّ حَکِیْمٌ (۵۱)

ترجمہ: ''اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پردۂ عظمت کے اُدھر ہو یا کوئی فرشتہ بھیجے کہ وہ اس کے حکم سے وحی کرے جو وہ چاہے بے شک وہ بلندی وحکمت والا ہے۔'' (سورۂ الشوریٰ، آیت نمبر 51)

اس آیت کو سامنے رکھتے ہوئے اگر معترض غور کرتا تو کبھی اعتراض کی جرات نہ کرتا بہر کیف ہم اپنا کام کرتے رہیں گے ان شاء اللہ تا کہ بات واضح ہو جائے۔

قارئین اس آیت میں اللہ تعالی نے کسی بشر سے کلام کی نفی کی ہے مگر استثناء کے ساتھ اب مجھے نہیں پتا کہ معترض اصولِ استثناء سے واقف ہے یا نہیں خیر اللہ فرماتا ہے کہ:

ترجمہ: ''اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے''۔

یہ کسی بشر کے بس کی بات ہی نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے ہاں مگر بلا واسطہ (ڈائریکٹ) نہیں بلکہ بلواسطہ (ان ڈائریکٹ) اس کلام کی تین حیثیتیں اس آیت میں صراحتاً بیان کر دی گئی اور اس طرزِ کلام کی بے شمار آیات قران مجید میں موجود ہیں۔

اب اس تفصیل کے بعد جب بھی قران کلام کی بات کرتا ہے تو وہ انہیں اقسام کی طرف اشارہ ہوتا ہے نا کہ جیسا کہ معترض سمجھ بیٹھا ہے۔ اس کی مثال کچھ یوں ہے کہ میں کسی بھی دوست سے بات کرنے کے لیے یہ شرط عائد کر دوں کہ وہ مجھ سے فون پہ بات کر سکتا ہے اور دیگر لوگوں کو بھی اس بات کا علم ہو تو جب بھی میں کسی سے اس دوست کی فون کال کا ذکر کرتے ہوئے اتنا جملہ بول دو کہ:

''میں نے آج اس سے بات کی تو جاننے والا جان جائے گا کہ میں نے اس سے فون پہ بات کی ہے''۔

گو کہ اس جملہ میں فون کا ذکر بطور اختصار نہ بھی کروں۔ اب اس کو ڈائریکٹ کلام تو وہی سمجھے گا جو مجھ سے اور میرے طرزِ کلام سے واقف نہ ہوگا۔اب اس آیت کو دیکھ لیں تا کہ بات صاف ہو جائے۔

"وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ-وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًاۚ(۱۶۴)

ترجمہ: ''اور رسولوں کو جن کا ذکر آگے ہم تم سے فرما چکے اور ان کو جن کا ذکر تم سے نہ فرمایا اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا۔'' (سورہ النساء، آیت نمبر 164)

اب اس میں تضاد کہاں ہے خیر اس کو ایک اور سادہ انداز سے بھی سمجھ لیتے ہیں کہ پہلی آیت میں تو کلام نہ کرنے کی نفی نہیں بلکہ اس کے بلاواسطہ طریقہ کی نفی ہے۔ بلکہ دیگر ذرائع سے کلام کا اثبات موجود ہے۔معترض کی پیش کردہ دیگر آیات میں بھی کلام کا اثبات ہے تو پھر تضاد عقل میں ہے کلام میں نہیں۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 40 کا جواب
کیا خدا بستیوں کو تباہ کرتا ہے؟

ترجمہ: ''تیرا رب ظلم سے بستیوں کو تباہ نہیں کرتا۔'' (سورۃ الانعام، آیت نمبر 131)

ترجمہ: ''پھر ہم بستیوں کو تباہ کر کے برباد کر دیتے ہیں۔'' (سورۃ الاسراء، آیت نمبر 16)

معترض نے دو آیت درج کر اعتراض وارد کیا کہ ایک آیت میں اللہ فرما رہا ہے:

ترجمہ: ''تیرا رب ظلم سے بستیوں کو تباہ نہیں کرتا۔''

دوسری میں اللہ فرما رہا ہے:

ترجمہ: ''پھر ہم بستیوں کو تباہ کر کے برباد کر دیتے ہیں۔''

لہٰذا اللہ کے کلام میں تضاد ہے، ہم اس دجل کا جواب عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

ذٰلِكَ اَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ رَّبُّكَ مُهۡلِكَ الۡقُرٰى بِظُلۡمٍ وَّ اَهۡلُهَا غٰفِلُوۡنَ(۱۳۱)

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا کہ ان کے لوگ بے خبر ہوں۔''

(سورۃ الانعام، آیت نمبر 131)

وَ اِذَاۤ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نُّهۡلِكَ قَرۡيَةً اَمَرۡنَا مُتۡرَفِيۡهَا فَفَسَقُوۡا فِيۡهَا فَحَقَّ عَلَيۡهَا الۡقَوۡلُ فَدَمَّرۡنٰهَا تَدۡمِيۡرًا(۱۶)

ترجمہ: ''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں اس کے خوشحالوں پر احکام بھیجتے ہیں پھر وہ اس میں بے حکمی کرتے ہیں تو اس پر بات پوری ہو جاتی ہے تو ہم اسے تباہ کر کے برباد کر دیتے ہیں۔'' (سورۃ الاسراء، آیت نمبر 16)

ان آیات میں بھی کہیں تضاد کی ایک رتی گنجائش نہیں کیسے؟ اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

پہلی آیت میں اللہ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا کہ ان کے لوگ بے خبر ہوں۔''

(سورۃ الانعام، آیت نمبر 131)

اللہ عدل وانصاف فرمانے والا ہے وہ تو کسی پہ ظلم نہیں فرماتا ہاں انسان خود اپنی جانوں پہ ظلم کرتے ہیں۔اللہ تعالی نے کائنات کی تخلیق اور انسان کے خلق کے بعد مادی سطح پہ وہ بہت سے قوانین کے تحت آجاتا ہے جیسے کہ:

1-علت ومعلول

2-قانون نمو

3-قانونِ نفسیات

اب ان بنیادی قوانین کے تحت کوئی بھی نظام اپنے آپ کو مضبوط متحرک اور بالغ کرتا جاتا ہے۔ترقی کی راہ میں ہر ایک سلسلے کے ضمن میں بے شمار ذیلی شقیں شامل ہوجاتی ہیں۔کائنات کے مادی، سماجی، معاشرتی، تہذیبی اور اخلاقی نظام کسی نہ کسی اصول کے تحت آگے بڑھتے ہیں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اندھادھند کوئی نظام چلے اور وہ ترقی بھی کرے۔

اللہ کریم نے پہلی آیت میں بھی بستیوں کو ایک نظام کی پیروی نہ کرنے کی وجہ سے تباہ کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ ہم تو واضح کر دیتے ہیں کہ یہ نمو ونشونما کے اصول ہیں اور یہ خود کو تباہ وبرباد کرنے کی راہ ہے اور جب جب بھی کوئی راحت نمو اور نشونما والی راہ پہ گامزن رہتا ہے خود کو محفوظ رکھتا ہے اور جب وہ مجموعی طور پہ گراوٹ کا شکار ہوجاتا ہے واضح ہدایت کے بعد تو پھر اس پہ اسی نظام کے دیگر قوانین ایکٹیویٹ (متحرک) ہوجاتے ہیں جو اس پہ عیاں کر دیئے جاتے ہیں کہ اگر تم اللہ کی ہدایات کی پیروی میں رہو گے تو محفوظ رہو، گے وگرنہ اپنی بربادی کے خود ذمہ دار ہو گے اور یہ تو دنیوی سطح کا بھی مانا اصول ہے۔

اب ذرا دوسری آیت کو ملاحظہ فرمائیں تاکہ بات جس کو معترض نے تضاد قرار دیا قارئین کو سمجھ آسکے:

وَ اِذَاۤ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نُّہۡلِکَ قَرۡیَۃً اَمَرۡنَا مُتۡرَفِیۡہَا فَفَسَقُوۡا فِیۡہَا فَحَقَّ عَلَیۡہَا الۡقَوۡلُ فَدَمَّرۡنٰہَا تَدۡمِیۡرًا (١٦)

ترجمہ:''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں اس کے خوشحالوں پر احکام بھیجتے ہیں پھر وہ اس میں بے حکمی کرتے ہیں تو اس پر بات پوری ہوجاتی ہے تو ہم اسے تباہ کر کے برباد کر دیتے ہیں۔''(سورۃ الاسراء، آیت نمبر 16)

اس آیت میں واضح فرما دیا کہ ان کو صریح احکام بھیجے جاتے ہیں جو اللہ کے نظام کے تحت انبیاء علیہ السلام لاتے ہیں اور لوگ ان کی کھلی پامالی کرتے ہیں پھر ان پہ اس نظام کا وہ حصہ اور قانون متحرک ہوجاتا ہے جو انہیں برباد کر دیتا ہے۔

اس آیت اور اس سے پہلے جو مذکورہ بالا آیت پیش کی گئی ان میں صرف یہی کہا گیا ہے کہ اللہ کسی پہ ظلم نہیں کرتا اور کسی بھی بستی کو بلا وجہ تباہ نہیں کرتا، تا آنکہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنی بربادی کا پروانہ نہیں لکھتے۔ اب اس میں تضاد کہاں ہے مجھے تو سمجھ نہیں آتی۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 41 کا جواب
مریم نے کتنے فرشتوں سے کلام کیا؟

ترجمہ: ''مریم سے ایک فرشتے نے کلام کیا۔'' (سورۂ المریم، آیت نمبر 16 تا 19)

ترجمہ: ''مریم سے کئی فرشتوں نے کلام کیا۔'' (سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 42 اور 45)

جہالت میں پی ایچ ڈی مکمل کرنے والے جناب نے اپنا رنگ ہر دفعہ کی طرح حسب معمول ادھر بھی دکھایا۔ معترض اپنی طرف سے اعتراض گھڑنے کی سعی کرتے ہوئے آیات کو درمیان سے اُٹھا کر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک آیت میں کہا ایک فرشتہ آیا اور دوسری میں کہا کئی فرشتے آئے۔۔۔۔۔

استغفر اللہ ارے ناداں۔۔۔! ترجمہ ہی پڑھ لیتے تو آپکو سمجھ آجاتی ایک آیت مبارکہ کسی اور واقعہ کی ہے دوسری کسی اور۔۔۔۔۔

مزید گفتگو سے پہلے آیات کو دیکھ لیجیے مع ترجمہ:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾

ترجمہ: ''اس کتاب میں مریم کا بھی واقعہ یاد کرو۔ جبکہ وہ اپنے گھر کے لوگوں سے علیحدہ ہو کر مشرقی جانب آئیں۔'' (سورۂ المریم، آیت نمبر 16)

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾

ترجمہ: ''اور ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا پھر ہم نے اس کے پاس اپنی روح (جبرائیل علیہ السلام) کو بھیجا پس وہ اس کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔'' (سورۂ المریم، آیت نمبر 17)

قَالَتْ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾

ترجمہ: ''یہ کہنے لگیں میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو کچھ بھی اللہ سے ڈرنے والا ہے۔'' (سورۂ المریم، آیت نمبر 18)

قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾

ترجمہ: ''اس نے جواب دیا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں، تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں۔''

مندرجہ بالا آیات میں حضرت مریم سلام اللہ علیہا کا واقعہ بیان کیا گیا جس میں حضرت جبریل علیہ السلام انکے پاس تشریف لائے۔مزید معترض کی پیش کردہ دوسری آیات مبارکہ کا ترجمہ بھی دیکھ لیتے ہیں:

وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ''اور جب فرشتوں نے کہا، اے مریم! اللہ تعالیٰ نے تجھے برگزیدہ کرلیا اور تجھے پاک کر دیا اور سارے جہان کی عورتوں میں سے تیرا انتخاب کرلیا۔'' (سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 42)

یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِیْ وَ ارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ''اے مریم! تُو اپنے رب کی اطاعت کر اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔'' (سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 43)

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ۪ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں تُو ان کے پاس نہ تھا جب کہ وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ مریم کو ان میں سے کون پالے گا؟ اور نہ تو ان کے جھگڑنے کے وقت ان کے پاس تھا۔'' (سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 44)

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ﳓ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ''جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں ذِی عزّت ہے اور وہ میرے مُقرّبین میں سے ہے۔'' (سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 45)

آفریں ہے معترض پر دونوں آیات میں تضاد پیش کرنے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ دونوں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں سورۂ آل عمران کی آیات میں فرشتے خوشخبری دینے آئے جبکہ

سورہ مریم کی آیات میں حضرت جبریل علیہ السلام اللہ رب العزت کے حکم پر بیٹا عطا کرنے آئے یہ دونوں واقعات تو ایک دوسرے کی تفسیر ہیں۔

جب قرآن مجید سے راہنمائی کی بجائے تعارض کی تلاش ہو تو اس پر جہالت ڈھیرے ڈال لیتی ہے جیسا کہ اس ملحد سے عیاں ہوا اعتراض کے نام پر اپنی جہالت کو پیش کر دیا۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 42 کا جواب
قوم ثمود کو کس عذاب سے ھلاک کیا گیا؟

ترجمہ: ''قوم ثمود کو ہولناک آواز کے عذاب سے تباہ کیا گیا۔'' (سورۂ ہود، آیت نمبر 67)

ترجمہ: ''قوم ثمود کو زلزلے کے عذاب سے تباہ کیا گیا۔'' (سورۂ الاعراف، آیت نمبر 78)

ترجمہ: ''قوم ثمود کو بجلی کے عذاب سے تباہ کیا گیا۔'' (سورۂ الزاریات، آیت نمبر 44)

معترض نے اپنے دستور کی مطابق جاہلانہ اعتراض قائم کرتے ہوئے تین آیت پیش کر تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی کہتا ہے تینوں آیات میں قوم پر الگ الگ عذاب کا ذکر ہے اس لیے یہ متضاد ہیں۔ ہم آیات کا اردو ترجمہ پیش کر اس اعتراض کا مسکت جواب عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۶۷

ترجمہ: ''اور ظالموں کو بڑے زور کی چنگھاڑ نے آ دبوچا پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔'' (سورۂ ہود، آیت نمبر 67)

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: ''پس ان کو زلزلہ نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔'' (سورۂ الاعراف، آیت نمبر 78)

*فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی جس پر انہیں ان کے دیکھتے دیکھتے (تیز وتند) کڑاکے نے ہلاک کر دیا۔'' (سورۂ الزاریات، آیت نمبر 44)

معترض کی پیش کردہ آیات کا جائزہ سورہ ھود میں چیخ چنگھاڑ (ہولناک آواز) کا ذکر ہوا۔ سورہ ٔاعراف میں زلزلے نے ہلاک کیا۔ سورہ ٔالزاریات کڑک کا ذکر ہوا۔ معترض یہ تعارض کیوں؟

جواب کوئی تعارض نہیں۔

جب گرجدار آواز (ہولناک آواز) پیدا ہوتی ہے تو زمین تھرا اُٹھتی ہے۔ جب توپ کا گولہ پھٹتا ہے تو کیا مکان لرزنے نہیں لگتے اور زمین کانپتی ہوئی معلوم نہیں ہوتی۔ اگر توپ کے ایک گولے کے پھٹنے سے یہ حالت ہوتی ہے۔تو معلوم نہیں عذاب الٰہی کی، اس چیخ چنگھاڑ دہشتناک گرجدار آواز (ہولناک آواز) سے کیا محشر برپا ہوا ہوگا۔

سورۂ ہود میں الصیحۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور سورۂ الزاریات میں الصاعقہ کا اور الصاعقہ بھی الصیحۃ کے معنی میں استعمال ہے جیسا کہ تفسیر جلالین میں ہے:

الصاعقة: صاعقہ آسانی بجلی کو بھی کہتے ہیں۔اور چیخ چنگھاڑ (ہولناک آواز) کو بھی کہتے ہیں۔یہاں یہی دوسرا معنی مراد ہے۔

''سورۂ الاعراف میں (رج ف) الرجف استعمال ہوا ہے جو اضطراب شدید کو کہتے ہیں اور رَجَفَتِ الأرض ورَجَفَ البحر کے معنی زمین یا سمندر میں زلزلہ آنا کے ہیں۔

بحر رَجَّافٌ: متلاطم سمندر۔قرآن میں ہے:۔يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ (سورۂ المزمل، آیت نمبر 14) جب کہ زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے۔ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ (سورۂ النازعات، آیت نمبر 6) جب کہ زمین لرز جائے گی فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ (سورۂ الاعراف، آیت نمبر 78) پس ان کو زلزلہ نے پالیا۔

اس تفصیل کے بعد ثابت ہوا قوم عاد پر جو عذاب آیا تھا جس کے ضمن میں معترض نے 3 آیات پیش کیں، ان میں سورۂ ہود، اور سورۂ الزاریات میں ایک ہی طرح عذاب کا ذکر ہے اور معترض کی پیش کردہ سورۂ الاعراف کی آیت میں زلزلے سے عذاب کا ذکر ہے جس میں تطبیق کی صورت کتب تفسیر میں موجود ہے۔

سورۂ ہود اور سورۂ الزاریات میں جس آواز کا ذکر ہے وہ آواز حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کی آواز تھی جس کی ہیبت سے ان کے دل پھٹ گئے۔زلزلہ اور چیخ دونوں ہی جمع ہو گئے تھے۔بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اُوپر سے چیخ آئی اور نیچے سے زلزلہ لہٰذا ثابت ہوا تعارض قرآن مجید کی آیات میں نہیں معترض کے ذہن میں ہے جس کے سبب اس کو ہر جگہ تعارض نظر آرہا ہے۔التوفیق الا باللہ

ملحدین کے اعتراض نمبر 43 کا جواب
زمین بنائے جانے کا ذکر پہلے آیا یا آسمان کا؟

زمین بنائے جانے کا ذکر پہلے آیا (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 29)
زمین بنائے جانے کا ذکر پہلے آیا (سورۃ حم سجدہ، آیت نمبر 9 تا 12)
آسمان کا ذکر پہلے آیا (سورۃ النازعات، آیت نمبر 27 تا 30)

معترض کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن مجید کی تفہیم آسان ہے مگر اس کی گہرائی میں اُترنے کے لیے ہر علم کا جاننا ضروری ہے۔ اب جس شخص کو مفسر اور تفسیر کا ہی نہیں پتا وہ اپنی نا اہلی قرآن مجید پر ٹھوس رہا ہے کہ اس میں تضاد ہے۔ معاذ اللہ

آئیں پہلے سب آیات پڑھتے ہیں پھر جائزہ لیتے ہیں:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''وہ اللہ جس نے تمہارے لئے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا پھر آسمان کی طرف قصد کیا اوران کو ٹھیک ٹھاک سات آسمان بنایا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔'' (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 29)

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا۔''
(سورۃ النازعات، آیت نمبر 27)

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''اس کی بلندی اُونچی کی پھر اسے ٹھیک ٹھاک کر دیا۔'' (سورۃ النازعات، آیت نمبر 28)

وَ اَغْطَشَ لَیْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''اسکی رات کو تاریک بنایا اور اسکے دن کو نکالا۔'' (سورۃ النازعات، آیت نمبر 29)

وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ''اور اس کے بعد زمین کو (ہموار) بچھا دیا۔'' (سورۃ النازعات، آیت نمبر 30)

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 29 کی تفسیر میں امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

سابقہ آیات میں انسان کی ذات سے متعلق انعامات واحسانات ذکر کرنے کے بعد اس آیت میں جو انسان کی بقا اور اس کے آرام وراحت کے لئے ضروری ہے، یعنی تم کو پیدا کیا، جو کہ تمام نعمتوں کی اصل ہے، پھر تمہاری بقاء اور انتفاع کے لئے زمین میں ہر طرح کی چیزیں بکثرت پیدا فرمائیں، اس کے بعد متعدد آسمان بنائے، جن میں تمہارے لئے طرح طرح کے منافع ہیں۔

اس آیت میں زمین کی پیدائش پہلے اور آسمانوں کی پیدائش بعد میں ہونا، ثُمَّ، کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے اور یہی صحیح ہے اور سورۃ النازعات میں جو یہ ارشاد ہیں: وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا یعنی زمین کو آسمان کے پیدا کرنے کے بعد بچھایا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین کی پیدائش آسمانوں کے بعد ہوئی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کی درستی اور اس سے پیداوار نکالنے کے تفصیلی کام آسمانوں کی پیدائش کے بعد ہوئے اگرچہ اصل زمین کے مادہ کی تخلیق آسمانوں سے پہلے ہو چکی تھی۔ (بحر محیط)

آسمانوں کے ساتھ ہونے پر کلام: عام انسانوں کو تو آسمان ایک ہی نظر آتا ہے، قرآن کریم میں سات کا ذکر ہے جیسا کہ مذکورہ آیت میں سبع سمٰوٰت صراحت کے ساتھ موجود ہے، اور فلاسفہ نو آسمان ثابت کرتے ہیں علماء اسلام کے قدیم فلاسفہ نے آسمانوں کو سات کہا اور باقی دو عرش وکرسی سے ثابت کئے، سات آسمان بالکل حق ہیں اور طبقہ بطبقہ ہیں قرآن کوئی سائنس یا فلکیات کی کتاب نہیں کہ اس میں خواہ مخواہ سائنس کے جدید یا قدیم نظریات سے مطابقت کی کوشش کی جائے، قرآن کے نزول کا مقصد سائنس علوم کی تعلیم نہیں بلکہ انسانیت اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے طریقوں کی تعلیم دینا ہے، سائنس نظریات میں قرار نہیں ہے، جو چیز کل تک مسلم اور صد فی صد درست تسلیم کی جاتی تھی، وہ آج صد فی صد غلط اور غیر مسلم مانی جاتی ہے، ہزارہا سال سے یہی طریقہ رہا ہے، بعد کا نظریہ ہر سابقہ مسلم نظریہ کی تردید کرتا ہے، لہٰذا اس کی کیا ضمانت ہے کہ موجودہ سائنسی نظریات کو مسلم سمجھ کر ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی غالباً ان کا مقصد یہ رہا ہوگا کہ اس دور کے سائنسی مسلماے سے آسمانی کتابوں کو ہم آہنگ کرنے سے آسمانی کتابوں

کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوگا مگر جب تحقیق جدید نے ان سائنسی نظریات کو غلط ثابت کر دیا، جس کی وجہ سے مذہب اور سائنس میں معرکہ بر پا ہوگیا، ابتداء میں مذہبی طبقہ غالب رہا جس کے وجہ سے بڑے بڑے سائنس دانوں کو نظر آتش کر دیا گیا، لیکن جب سائنس جدید کو فروغ حاصل ہوا اور ان ہی نظریات کو مسلم سمجھا جانے لگا، تو مذہب کو سائنس جدید کے مقابلہ میں پسپا ہونا پڑا اور اس معرکہ آرائی میں مذہب کو شکست فاش ہوئی جس کی وجہ سے یورپ لا مذہب (دہریہ) ہوگیا۔

علم و خبیر خالق کائنات کا علم قطعی اور بے ریب ہے اور مخلوق کا علم ظن و تخمین پر مبنی ہے جو ہر زمانہ میں بدلتا رہتا ہے اور آئندہ بھی یہی ہوتا رہے گا، قرآن سائنسی نظریات کے تابع نہیں ہے اگر سائنس کا کوئی نظریہ قرآن کے نظریہ کے مطابق ہو جائے، تو ہو جائے، مطابق کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ اس پر خوش ہونے کی ضرورت ہے۔

(تفسیر الجواھر، طنطاوی، حذف و اضافہ کے ساتھ)



ملحدین کے اعتراض نمبر 44 کا جواب
کیا روزے کی استطاعت رکھنے کے باوجود روزہ چھوڑا جا سکتا ہے؟

''استطاعت رکھتے ہوئے بھی روزہ چھوڑا جا سکتا ہے فدیہ دے کر۔''

(سورۂ البقرہ، آیت نمبر 184)

''استطاعت رکھتے ہوئے روزہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔ چھوڑے روزے بعد میں رکھنے ہونگے۔''

(سورۂ البقرہ، آیت نمبر 185)

معترض قرآن مجید کے قواعد سے نابلد ناسخ منسوخ سے لاعلمی کی وجہ سے بجائے اہل علم سے سمجھنے کہ عقل کہ گھوڑے دوڑاتا ہے فرمان الٰہی ہے:

فسئلو اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون

ترجمہ: ''اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے پوچھو۔''

جس طرح پہلے ایک اعتراض کہ جواب میں بتایا گیا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دنوں میں جہاد کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ منع کیا گیا پھر بعد میں اس حکم کو منسوخ کر کے جہاد کا حکم آ گیا بالکل اسی طرح روزہ چھوڑنے کا معاملہ تھا۔ مزید تفصیل آیات کو دیکھنے کہ بعد پیش کرتے ہیں:

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

ترجمہ: ''گنتی کے چند ہی دن ہیں لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں گنتی کو پورا کر لے اور اس کی طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں پھر جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اسی کے لئے بہتر ہے لیکن تمہارے حق میں بہتر کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم باعلم ہو۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 184)

شروع میں جب روزے فرض کئے گئے تو یہ آسانی بھی دی گئی تھی کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے بجائے فدیہ ادا کردے تو یہ بھی جائز ہے، بعد میں آیت نمبر 185 نازل ہوئی جو آگے آرہی ہے اس آیت نے اس سہولت کو واپس لے لیا اور یہ حتمی حکم دے دیا گیا کہ جو شخص بھی رمضان کا مہینہ پائے وہ روزے رکھے، تاہم فدیہ کی سہولت ان لوگوں کے لئے اب بھی باقی رکھی گئی ہے جونہایت بوڑھے ہوں اوران میں روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہ ہواور آئندہ ایسی طاقت پیدا ہونے کی امید بھی نہ ہو۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٨٥﴾

ترجمہ: ’’ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جولوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اورجس میں ہدایت کی حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے اُسے روزہ رکھنا چاہیے ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اُسے دوسرے دنوں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں وہ چاہتا ہے تم گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس طرح کی بڑائیاں بیان کرو اوراس کا شکرادا کرو۔‘‘ (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 185)

لہٰذا جب (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 185) نازل ہوئی تو (سورۂ البقرہ، آیت نمبر، 184) کا حکم منسوخ کردیا گیا۔ کتب تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں (نوٹ ناسخ ومنسوخ پر مختصر کلام اعتراض نمبر 21 کے جواب میں کیا گیا ہے تفصیلی کلام اعتراض نمبر 47 کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں)

واللہ اعلم بالصواب



ملحدین کے اعتراض نمبر 45 کا جواب
زمین کتنے دنوں میں بنی؟

ترجمہ: ''زمین اور آسمان چھ دن میں بنائے گئے۔'' (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 54)
ترجمہ: ''زمین اور آسمان آٹھ دن میں بنائے گئے۔'' (سورۃ الفصلٰت، آیت نمبر 9 تا 12)
ملحد معترض کا اللہ کی قدرت پر ایک اور اعتراض معترض دو آیات پیش کر لکھتا ہے ایک جگہ اللہ فرما رہا ہے کہ زمین اور آسمان چھے دن میں بنائے گئے جب کی دوسری جگہ فرما رہا ہے دو دن میں زمین اور آسمان بنائے گئے، تو ثابت ہوا کہ اللہ کے کلام میں تضاد ہے ہم آیات کو پیش کر معترض کا فریب ظاہر کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ

ترجمہ: ''بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔''

(سورۃ الاعراف، آیت نمبر 54)

قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا-ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَۚ(۹)وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ-سَوَآءً لِّلسَّآىٕلِیْنَ(۱۰)ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا-قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىٕعِیْنَ(۱۱)فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ اَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا-وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ﳓ وَ حِفْظًا-ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ(۱۲)

ترجمہ: ''تم فرماؤ کیا تم لوگ اس کا انکار رکھتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور اس کے ہمسر ٹھہراتے ہو وہ ہے سارے جہان کا رب۔ اور اس میں اس کے اوپر سے لنگر ڈالے اور اس میں برکت رکھی اور اس میں اس کے بسنے والوں کی روزیاں مقرر کیں یہ سب ملا کر چار دن میں ٹھیک جواب پوچھنے والوں کو۔ پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے

فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے دونوں نے عرض کی کہ ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے۔تو اُنھیں پورے سات آسمان کر دیا دو دن میں اور ہر آسمان میں اسی کے کام کے احکام بھیجے اور ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور نگہبانی کے لیے یہ اس عزت والے علم والے کا ٹھہرایا ہوا ہے۔'' (سورۃ الفصلٰت ،آیت نمبر 9 تا 12)

قرآن کریم کی جتنی بھی آیات میں زمین و آسمان کو تخلیق کرنے کی کل مدت اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے وہ چھ دن ہی ہے،جس کی وضاحت کئی قرآنی آیات سے ہو رہی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

ترجمہ:''بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔''

(سورۃ الاعراف ،آیت نمبر 54)

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ-مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ-ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ-اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ(۳)

ترجمہ:''بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر عرش پر اِستواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے کام کی تدبیر فرماتا ہے کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد یہ ہے اللہ تمہارا رب تو اس کی بندگی کرو تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔''

(سورۃ الیونس ،آیت نمبر 3)

وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا-وَ لَىٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ(۷)

ترجمہ:''اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور اس کا عرش پانی پر تھا کہ تمہیں آزمائے تم میں کس کا کام اچھا ہے اور اگر تم فرماؤ کہ بے شک تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو کافر ضرور کہیں گے کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو۔'' (سورۃ الھود،آیت نمبر 7)

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۛۚ-اَلرَّحْمٰنُ فَسْــٴَـلْ بِهٖ خَبِيْرًا(۵۹)

ترجمہ: ''جس نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں بنائے پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے وہ بڑی مہر والا تو کسی جاننے والے سے اس کی تعریف پوچھ۔'' (سورۂ الفرقان، آیت نمبر 59)

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ-مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا شَفِيْعٍ-اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ(۴)

ترجمہ: ''اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں بنائے پھر عرش پر استوا فرمایا اس سے چھوٹ کر تمہارا کوئی حمایتی نہ سفارشی تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔''

(سورۂ السجدہ، آیت نمبر 4)

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ-يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا-وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ-وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ(۴)

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا کئے پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے جانتا ہے جو زمین کے اندر جاتا ہے اور جو اس سے باہر نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں ہو اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔'' (سورۂ الحدید، آیت نمبر 4)

بنیادی بات یہ ہے کہ زمین و آسمان کی چھ دن میں تخلیق کا بیان اتنے زیادہ تواتر سے قران میں آیا ہے کہ اس کے بعد سورہ فصلت کی ان آیات سے یہ بات اخذ کی ہی نہیں جاسکتی کہ یہاں چھ دن آٹھ دنوں میں بدل گئے ہوں گے۔ قرآن پر چودہ سو سال سے تحقیقات ہو رہی اگر یہ غلطی ہوتی تو فوراً عیاں ہو جاتی کہ پہلے چھ فرماتے رہے اب تعداد گن رہے ہیں تو آٹھ آرہی ہے۔ جی نہیں۔ اس کو کسی بھی دور میں غلطی سمجھا ہی نہیں گیا۔ نہ ہی یہ غلطی ہے۔ یہ غلطی صرف اپنی جہل میں مست ملحد کو ہی نظر آسکتی ہے۔

خیر سورۂ الفصلٰت کی آیات کی بھی وضاحت کیے دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

سورۂ فصلٰت، میں ان چھ دنوں کی تفصیل بھی بیان ہوئی ہے (جو آیات ہم نے اوپر شمار کرائی) دو دن میں زمین بنائی، دو دن میں برکتیں، خزانے اور پہاڑ وغیرہ رکھے اور دو دن میں

آسمان بنائے۔ لہٰذا سب ملا کر چھ دن ہوئے۔ اس سورت کی آیت نمبر 10 میں اللہ تعالیٰ نے زمین میں پہاڑوں کے گاڑھنے اور اس میں برکتیں وغیرہ رکھنے کا وقت چار دن بیان کیا ہے۔ ان چار دنوں میں زمین کے پیدا کرنے کے دو دن بھی شامل ہیں۔ یہاں زمین کی تخلیق کے دو دن شامل نہ کرنے کی وجہ سے ملحد معترض کو اشکال پیدا ہوا کہ زمین و آسمان اور (وَمَا بَيْنَهُمَا) کو آٹھ دن میں پیدا کیا گیا ہے۔ زمین و آسمان اور ان کے مابین چیزوں کی تخلیق کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا-ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ(۹)وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ-سَوَآءً لِّلسَّآىِٕلِيْنَ(۱۰)ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا-قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآىِٕعِيْنَ(۱۱)فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا-وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ﳓ وَ حِفْظًا-ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ(۱۲)

ترجمہ: ”تم فرماؤ کیا تم لوگ اس کا انکار رکھتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور اس کے ہمسر ٹھہراتے ہو وہ ہے سارے جہان کا رب۔ اور اس میں اس کے اوپر سے لنگر ڈالے اور اس میں برکت رکھی اور اس میں اس کے بسنے والوں کی روزیاں مقرر کیں یہ سب ملا کر چار دن میں ٹھیک جواب پوچھنے والوں کو۔ پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے دونوں نے عرض کی کہ ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے۔ تو اُنھیں پورے سات آسمان کر دیا دو دن میں اور ہر آسمان میں اسی کے کام کے احکام بھیجے اور ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور نگہبانی کے لیے یہ اس عزت والے علم والے کا ٹھہرایا ہوا ہے۔“ (سورۂ الفصلٰت، آیت نمبر 9 تا 12)

آیت نمبر 9 میں ذکر ہوا کہ دو دن میں زمین بنائی، آیت نمبر 10 میں اس موجود لوازمات کا ذکر آیا کہ یہ سب چار دن میں بنے، آیت نمبر 11 میں زمین اور آسمان دونوں کو وجود میں لانے کا ذکر ہوا۔ یعنی جو دو دن آیت نمبر 9 میں بیان کئے گئے آیت نمبر 11 میں انہی کا اعادہ کیا گیا۔ چنانچہ سورۂ فصلٰت، کی آیت نمبر 11 میں واضح بیان پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ اس وقت

دھویں کی شکل میں تھا اور اس سے اور زمین سے کہا: چلے آؤ چاہے خوشی سے یا زبردستی۔ دونوں نے کہا: ہم خوشی خوشی آتے ہیں آیت نمبر 12 میں واضح آسمان کی تخلیق کے ساتھ زمین کا ذکر آیا ہے، یعنی زمین اور آسمان کی تخلیق اکھٹی ہوئی، چنانچہ یہ وہی دن ہیں جنکا ذکر آیت نمبر 9 میں ہے۔ خلق ارض (آیت 9) اور تسویہ سماء (آیت 11) کے مابین (آیت 10) میں متعلقات ارض کا ذکر جملہ معترضہ کے طور پر لایا گیا ہے کیونکہ سیاق کا تقاضا یہی تھا، اور ایک بلیغ کلام میں صرف ظاہری وقوعی ترتیب کی نہیں بلکہ معنوی اور بلاغی ترتیب ہی اہم ہوتی ہے۔ جب اسی اگلی آیات میں یہ بات واضح ہوچکی کہ زمین وآسمان ایک ساتھ تخلیق ہوئے تو پھر یہ دو دن پچھلی آیات میں زمین کے لئے بیان کردہ دو دنوں سے الگ کیسے ہو سکتے تھے؟ لہذا ثابت ہوا اہل علم، اہل حق کے لیے ان آیات میں کوئی تعارض نہیں۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 46 کا جواب مرنے والے کی بیوی کتنے دن تک اپنے گھر میں رہے؟

ترجمہ: ''اور جب مرد مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو ان بیویوں کو چار مہینے دس دن تک اپنے نفس کو روکنا چاہیے۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 234)

ترجمہ: ''جو لوگ مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو بیویوں کو سال بھر کے لیے گھروں سے نہیں نکلنا چاہیے۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 240)

معترض نے دو آیت درج کر کے اعتراض وارد کیا کہ ایک آیت میں چار مہینے دس دن اپنے نفس کو روکنے کا حکم دیا گیا ہے، اور دوسری میں سال بھر گھروں سے نہ نکلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا اللہ کے کلام میں تضاد ہے، ہم اس دجل کا جواب عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

وَ الَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡکُمۡ وَ یَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا یَّتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِہِنَّ اَرۡبَعَۃَ اَشۡہُرٍ وَّ عَشۡرًا ۚ فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَہُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡمَا فَعَلۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ (۲۳۴)

ترجمہ: ''اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں تو جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو اے والیو تم پر مواخذہ نہیں اس کام میں جو عورتیں اپنے معاملہ میں موافق شرع کریں اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 234)

وَ الَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡکُمۡ وَ یَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا ۚۖ وَّصِیَّۃً لِّاَزۡوَاجِہِمۡ مَّتَاعًا اِلَی الۡحَوۡلِ غَیۡرَ اِخۡرَاجٍ ۚ فَاِنۡ خَرَجۡنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡ مَا فَعَلۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِنَّ مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ ؕ وَ اللّٰہُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ (۲۴۰)

ترجمہ: ''اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے لئے وصیت کر جائیں سال بھر تک نان و نفقہ دینے کی بے نکالے پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس کا مؤاخذہ نہیں جو انہوں

نا اپنے معاملہ میں مناسب طور پر کیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 240)

ان آیات میں تضاد نہیں ہے وہ اس لیے کہ معترض ناسخ و منسوخ کے اصول سے واقف نہیں ہے۔ دوسرا اسے قران کے تدریجی مراحل و احکام کی حکمتوں سے بھی واقفیت نہیں کاش کہ وہ عمرانیات کے علوم سے بھی کچھ واقفیت رکھتا اور تہذیبوں اور معاشروں کے عناصر اور آگے بڑھنے کے فطری عمل سے واقف ہوتا اور اس تناظر میں قران کے ناسخ و منسوخ اور تدریجی احکام کی حکمت سے مانوس ہوتا تو وہ قرانِ مجید کی اس حکمت پہ اش اش کر اٹھتا مگر افسوس کے وہ سوائے سنی سنائی بات کے یا کاپی پیسٹ کی روش کے اور کچھ شاید جانتا ہی نہیں۔

معاشرے اور تہذیبیں بننے میں بڑا وقت صرف کرتی ہیں اور اس عرصے میں زبان سے لے کر رہن سہن، فنونِ لطیفہ جیسے اعمال ان کے خون کا حصہ بن چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے بعض چیزیں ان سے تدریجاً حکمت کے تحت چھڑوائی جاتی ہیں اس تدریجی مرحلے میں ہر بار کچھ نہ کچھ اضافہ یا کمی کر کے طبعیتوں کے رسایا پن کو دیگر سرگرمیوں کی طرف مائل کیا جاتا ہے۔

موجودہ آیات سورۂ بقرہ کی جس میں آیت نمبر 234 اور آیت نمبر 240 شامل ہیں، اس تدریجی حکمت کا عملی نمونہ ہیں پہلے آیت نمبر 240 کی تفصیلات آپ سے شیئر کرتے ہیں۔

وَ الَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡکُمۡ وَ یَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا ۚۖ وَّصِیَّۃً لِّاَزۡوَاجِہِمۡ مَّتَاعًا اِلَی الۡحَوۡلِ غَیۡرَ اِخۡرَاجٍ ۚ فَاِنۡ خَرَجۡنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡ مَا فَعَلۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِنَّ مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ ؕ وَ اللّٰہُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ (۲۴۰)

ترجمہ: "اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے لئے وصیت کر جائیں سال بھر تک نان و نفقہ دینے کی بے نکالے پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس کا مؤاخذہ نہیں جو انہوں نا اپنے معاملہ میں مناسب طور پر کیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 240)

اس آیت کے متعلق علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:۔

"زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کی بیوی ایک سال تک عدت گزارتی، اس پر اس کی وراثت سے ایک سال تک خرچ کیا جاتا، جب ایک سال پورا

ہو جا تا تو وہ اپنے شوہر کے گھر سے نکلتی اور اس کے پاس ایک مینگنی ہوتی' وہ ایک کتے کو مینگنی مارتی اور شوہر کی عدت سے باہر آجاتی اور مینگنی کو مارنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ کہتی کہ میرے نزدیک خاوند کی وفات کے بعد میرا اس کی عدت گزارنا میرے نزدیک اس مینگنی کو مارنے سے زیادہ آسان تھا' اسلام نے اپنے ظہور کے بعد ان کو پہلے اپنے اسی دستور پر قائم رکھا اور بیوہ کی عدت ایک سال ہی برقرار رہی۔ پھر اس کے بعد اس حکم کو سورۃ البقرہ: ۲۳٤ سے منسوخ کر دیا گیا اور بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کر دی گئی۔'' (زاد المیسر ج۱ ص۲۸٦' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیرو)

اب اس آیت میں مرد کے مرنے کے بعد ایک سال تک اس کی وراثت سے نان نفقے کی وصیت کا حکم ہے۔ جس کو زمانہ جہلیت میں بالائے طاق رکھ دیا جاتا تھا اب مضبوط کر دیا گیا جب تک کہ وراثت کا باقاعدہ قانون تہذیب تدریج میں لوگوں کے اندر قبولیت نہ پیدا کر لیتا پھر عدت اور وراثت کا اگلا حکم نازل ہوا جو سورت بقرہ ہی کی آیت نمبر 234 میں بیان ہوا:

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۲۳۴)

ترجمہ: ''اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں تو جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو اے والیو تم پر مواخذہ نہیں اس کام میں جو عورتیں اپنے معاملہ میں موافق شرع کریں اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 234)

اس آیت نے اوپر والی آیت کو منسوخ کر دیا احادیث کی کتب میں آیت کی ترتیب اور اس کے نسخ دونوں کے متعلق تفاصیل کچھ اس طرح سے موجود ہے۔

حضرت ابن الزبیر نے حضرت عثمان سے کہا: (آیت) ”والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا “۔ (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 240) السی قولہ غیر اخراج“ اس آیت کو سورۂ البقرہ کی دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے تو پھر آپ نے اس آیت کو مصحف میں کیوں لکھا ہے؟ حضرت عثمان نے کہا: اے بھتیجے ہم اس آیت کو اسی طرح رہنے دیں گے، قرآن مجید کی کسی آیت کو اس کی جگہ سے تبدیل نہیں کریں گے (یعنی قرآن مجید کی آیات کو لکھنا امر توفیقی تھا اور

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جس آیت کی جو جگہ بتائی تھی اس کو وہیں لکھا گیا تھا)
(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)۔
اس بنیادی بات کو سمجھ لینے کے بعد نا کوئی تعارض رہتا ہے نہ کوئی تضاد
التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 47 کا جواب
بدکار عورت کو بند کرو یا کوڑے مارو؟

ترجمہ: ''بدکار عورت کو گھر میں بند کر دو موت تک۔'' (سورۃ النساء، آیت نمبر 15)

ترجمہ: ''بدکار عورت کو سو کوڑے مارو۔'' (سورۃ النور، آیت نمبر 2)

جہالت میں غرق ملحد معترض نے حسب معمول دو آیات پیش کر کے تضاد ثابت کرنا چاہا۔

پہلی۔ بدکار عورت کو گھر میں بند کر دو موت تک۔

دوسری۔ بدکار عورت کو سو کوڑے مارو۔

چور ملحد مور کے دجل کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

وَ الّٰتِیۡ یَاۡتِیۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ فَاسۡتَشۡہِدُوۡا عَلَیۡہِنَّ اَرۡبَعَۃً مِّنۡکُمۡ ۚ فَاِنۡ شَہِدُوۡا فَاَمۡسِکُوۡہُنَّ فِی الۡبُیُوۡتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰہُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ یَجۡعَلَ اللّٰہُ لَہُنَّ سَبِیۡلًا (۱۵)

ترجمہ: ''اور تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کریں ان پر خاص اپنے میں کے چار مردوں کی گواہی لو پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھر میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھالے یا اللہ ان کی کچھ راہ نکالے۔'' (سورۃ النساء، آیت نمبر 15)

اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِیۡ فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا مِائَۃَ جَلۡدَۃٍ ۪ وَّ لَا تَاۡخُذۡکُمۡ بِہِمَا رَاۡفَۃٌ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۚ وَ لۡیَشۡہَدۡ عَذَابَہُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (۲)

ترجمہ: ''جو عورت بدکار ہو اور جو مرد تو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے اللہ کے دین میں اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ اور پچھلے دن پر اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ حاضر ہو۔'' (سورۃ النور، آیت نمبر 2)

ان آیات میں تضاد نہیں ہے وہ اس لیے کہ معترض ناسخ و منسوخ کے اُصول سے واقف

نہیں ہے۔ دوسرا اسے قرآن کے تدریجی مراحل واحکام کی حکمتوں سے بھی واقفیت نہیں کاش کہ وہ عمرانیات کے علوم سے بھی کچھ واقفیت رکھتا اور تہذیبوں اور معاشروں کے عناصر اور آگے بڑھنے کے فطری عمل سے واقف ہوتا اور اس تناظر میں قران کے ناسخ ومنسوخ اور تدریجی احکام کی حکمت سے مانوس ہوتا

نسخ کا مفہوم:

''نسخ'' کے لغوی معنی ہیں مٹانا، ازالہ کرنا، اور اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے:

رَفْعُ الْحُكْمِ الشَّرْعِيِّ بِدَلِيْلٍ شَرْعِيٍّ۔

ترجمہ: ''کسی حکم شرعی کو کسی شرعی دلیل سے ختم کر دینا۔''

ناسخ ومنسوخ دونوں اللہ کریم کی عین حکمت ہیں اور ناسخ کبھی منسوخ سے زیادہ آسان اور نفع بخش ہوتا ہے لہٰذا قدرت الٰہی پر یقین رکھنے والے کو اس میں تردد کی کوئی گنجائش نہیں۔ کائنات میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دن سے رات کو، گرما سے سرما کو، جوانی سے بچپن کو، بیماری سے تندرستی کو، بہار سے خزاں کو منسوخ فرماتا ہے۔ یہ تمام نسخ وتبدیل اس کی قدرت کے دلائل ہیں تو ایک آیت اور ایک حکم کے منسوخ ہونے میں صرف بندر والی عقل رکھنے والے ملحد کو ہی تعجب ہوسکتا ہے۔ نسخ حقیقت میں سابقہ حکم کی مدت کا بیان ہوتا ہے، کہ وہ حکم اس مدت کے لیے تھا اور اب وہ مدت پوری ہوگئی۔ صرف یہ تھا کہ ہمیں وہ مدت معلوم نہ تھی اور ناسخ کے آنے سے معلوم ہوگئی۔ ملحدین جو اپنے آپ کو بندر کی اولاد سمجھتے ہیں ان کا اعتراض تو جہالت کی پیداوار ہے۔

نسخ ومنسوخ بھی اللہ کریم کی طرف سے ہے ملاحظہ فرمائیں:

نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ: ''جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔'' (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 106)

وَ اِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۱۰۱)

ترجمہ: ''اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے کافر

کہیں تم تو دل سے بنالاتے ہو بلکہ ان میں اکثر کو علم نہیں۔‘‘(سورۂ النحل،آیت نمبر 101)

ملحدین کو سمجھ لینا چاہیے نسخ کا مطلب رائے کی تبدیل نہیں ہوتا، بلکہ ہر زمانے میں اس دور کے مناسب احکام دینا ہوتا ہے، ناسخ کا کام یہ نہیں ہوتا کہ وہ منسوخ کو غلط قرار دے، بلکہ اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے حکم کی مدت نفاذ متعین کردے،اور یہ بتادے کہ حکم جتنے زمانے تک نافذ رہااس زمانے کے لحاظ سے تو وہی مناسب تھا،لیکن اب حالات کی تبدیل کی بنا پر ایک نئے حکم کی ضرورت ہے۔

لہٰذا جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت (سورۂ النساء،آیت نمبر 15) اس وقت منسوخ ہوگئی جب (سورۂ نور، کی آیت نمبر 2) نازل ہوئی تو ثابت ہوا ان دونوں آیت میں کوئی تعارض نہیں۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 48 کا جواب
انبیاء کا اخلاق اچھا ھوتا ھے یا بُرا؟

ترجمہ: ''بیشک نبی اچھے اخلاق والے ہیں۔'' (سورۃ القلم، آیت نمبر 4)

ترجمہ: ''اور نبی نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا جب ایک نابینا آیا۔''

(سورۃ عبس، آیت نمبر 1 تا 2)

ترجمہ: ''نبی کو نہیں چاہیے کہ قیدی بنائے جب تک زمین میں خوب خونریزی نہ کرلے۔''

(سورۃ الانفال، آیت نمبر 67)

معترض نے اپنے دستور کی مطابق جاہلانہ اعتراض قائم کرتے ہوئے تین آیتیں پیش کر تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی کہتا ہے تینوں آیات میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اخلاق کو الگ الگ طریقے سے بتایا گیا ہے کہ نبی اچھے اخلاق والے ہیں، نابینا کو دیکھ کر نبی نے منہ پھیر لیا، نبی کو نہیں چاہیے کہ قیدی بنائے۔ ہم آیات کا اردو ترجمہ پیش کر کے اس اعتراض کا جواب عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (۴)

ترجمہ: ''اور بیشک تمہاری خوبو (خلق) بڑی شان کی ہے۔'' (سورۃ القلم، آیت نمبر 4)

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى (۱) اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى (۲)

ترجمہ: ''تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا، اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا۔

(سورۃ عبس، آیت نمبر 1 تا 2)

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ-تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا
ﳓ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ-وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۶۷)

ترجمہ: ''کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

(سورۃ الانفال، آیت نمبر 67)

سب سے پہلے، پہلی دو آیات کا جائزہ لیتے ہیں۔ایک آیت میں نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے متعلق بلندی اور عظمت کے درجے پہ پہنچے ہوئے، اور خلق کرنے کے متعلق ارشاد ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (۴)

ترجمہ: ''اور بیشک تمہاری خوبو (خلق) بڑی شان کی ہے۔'' (سورۃ القلم، آیت نمبر 4)

یہ آپ کے خُلق پہ اللہ کی ثبت مہر ہے، اور یہ مطلقاً آپ کے اخلاقِ حسنہ کے متعلق ہے۔ جزوًا نہیں، یہ اس درجہ عظمت و کاملیت کے درجے میں ہے کہ اللہ اس کی پیروی کا حکم صادر فرماتا ہے:

لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

ترجمہ: ''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔''

اللہ کریم نے آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کو ایک بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ایسا کیسے ممکن ہے کہ اللہ آپ کی زندگی کو نمونہ قرار دے، اور پیروی کا حکم دے اور آپ ﷺ خلق عظیم پہ فائز نہ ہوں۔ایسی سوچ تو عقل کے ٹیڑھوں کی ہوسکتی ہے کہ دیکھے جی یہ تضاد ہے اللہ ان کو ہدایت دے یہ کہاں بھٹکے پھرتے ہیں۔

یہ آپ ﷺ پہ اللہ کی بڑی عنایت اور مہربانی اور وصفِ عظیم ہے کہ آپ ﷺ کے اخلاق کو رفعتیں بخشی اس کا عملی نتیجہ چودہ سو سال پہ محیط ہے اور قیامت کی صبح تک تمام لوگوں کے لیے قابلِ فخر اور قابلِ عمل ہے اس کے متعلق اور اس خُلق عظیم کے نتائج کے متعلق اللہ کا ایک اور ارشاد سنیے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (۱۵۹)

ترجمہ: ''تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لئے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج

سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہوجاتے توتم انہیں معاف فرماؤ اوران کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو بیشک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔''(سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 159)

آپ ﷺ کی عظمت کے صرف مسلمان ہی نہیں بہت سے منصف پسند اور معتدل غیر مسلم بھی گرویدہ ہیں ملاحظہ فرمائیں مائیکل ہارٹ کی کتاب

The 100

"A Ranking Of The Most Influential Persons In History

میں نبی کریم ﷺ کے متعلق اپنے تاثر میں تبصرہ کرتے ہوئے، نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو سب سے زیادہ موثر شخصیت قرار دیا:

My choice of Muhammad to lead the list of world's most influential presons may surprise some readers and may questioned by someone but he was the only man in history who was supremly successful on both the religous and secular leval.

(Page No 33)

''دنیا کے سب سے بااثر شخصیات کی فہرست میں میری رہنمائی کے لئے محمد (ﷺ) کا انتخاب کچھ قارئین کو حیرت میں مبتلا کرسکتا ہے، اور کسی کے ذریعہ ان سے پوچھ گچھ ہوسکتی ہے لیکن تاریخ کا وہ واحد شخص تھا جو مذہبی اور سیکولر دونوں سطحوں پر حد درجہ کامیاب رہا تھا۔''

ایک تبصرہ نگار کے الفاظ بھی ملاحظہ ہوں:

.Hart's selections may be surprising to some is , but Muhammad,Neither Jesus nor Marx designated as the most influential person in human .history.

''کچھ کے لئے ہارٹ کے انتخاب حیرت زدہ ہوسکتے ہیں۔ نہ ہی عیسیٰ اور نہ ہی مارکس،

بلکہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، کو انسانی تاریخ کا سب سے بااثر شخص مقرر کیا گیا ہے۔“

جیسا کہ اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اوپر بیان کی گئی سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر 159 میں بھی اس اثر پذیری کو ہی بیان فرمایا۔

اب گاندھی جی کے جملے سن لیں:

Speaking on the Charactor of

Mohammad(PBUH),Mahatma Gandhi Says:

"I wanted to know the best of one who holds today's

undisputed sway over the hearts of millions of

.I became more than convinced that it was ......mankind

not the sword that won a place for Islam in those days in

the utter , It was the rigid simplicity.the scheme of life

the scrupulous regard for ,self-effacement of the Prophet

his intense devotion to this friends and ,his pledges

his absolute , his fearlessness, his intrepidity,followers

These and not the .trust in God and in his own mission

sword carried everything before them and surmounted

(ofthe When I closed the 2nd volume.every obstacle

I was sorry there was not more for ,Prophet's biography

.me to read of the great life.

گاندھی جی، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کردار پر بات کرتے ہوئے، (ص) (ینگ انڈیا) میں کہتے ہیں:

”میں ان میں سے کسی کو جاننا چاہتا تھا جس نے لاکھوں انسانوں کے دلوں پر آج کا متنازعہ اثر ڈالا ہے، مجھے اس بات سے زیادہ یقین ہو گیا کہ زندگی کی اسکیم میں ان دنوں اسلام کی خاطر مقام حاصل کرنے والی تلوار نہیں تھی۔ یہ ایک سخت سادگی تھی،

پیغمبر کی سراسر خودمختاری، ان کے وعدوں کے بارے میں سخت احترام، اس دوستوں اور پیروکاروں کے ساتھ ان کی شدید عقیدت، اس کی خوبی، ان کی بے خوف، خدا اور اس کے اپنے مشن میں اس کا مکمل اعتماد۔ ان اور نہ ہی تلوار نے سب کچھ اپنے سامنے لے لیا اور ہر رکاوٹ کو عبور کیا۔ جب میں نے دوسری جلد (نبی.کی سوانح حیات) کو بند کیا تو مجھے افسوس ہوا کہ زندگی کے بارے میں پڑھنے کے لیے میرے پاس اس سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔''

اس طرح کے ایک نہیں متعدد تاریخی حقائق جو تسلیم کیے گئے پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن طوالت کا خوف آڑے ہے۔ بہرکیف اس بنیادی مقدمے کو سمجھ لینے کے بعد ہم اس آیت کا بھی جائزہ لیتے ہیں جو معترض نے بطور تضاد پیش کی:

عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤى(۱) اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى(۲)

ترجمہ: ''تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا۔''

(سورۂ عبس، آیت نمبر 1 اور 2)

اس آیت کے متعلق مفسرین فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام اس وقت مکے کے سرداروں کو تبلیغ فرما رہے تھے جو اللہ کا حکم اور آپ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد ہے۔ اس دوران ابن ام مکتوم جو نابینا تھے دخل اندازی فرماتے ہیں اور علیہ السلام مشنِ اسلام کو جس کا حکم خود رب العزت نے دے رکھا تھا یہ سمجھ کہ یہ دخل اندازی نہ ہونی چاہیے تھی کچھ انقباض فرمایا۔

اسلام کی اعتدال اور منصفی کا یہ عالم ہے کہ اس وقت آپ علیہ السلام کی اس کیفیت سے شاید ہی کوئی دوسرا واقف ہو کیونکہ ام مکتوم تو نابینا تھے مگر اللہ نے اس کو بیان فرما دیا۔

اللہ کریم نے انبیا علیہ السلام کو اختیارِ اجتہاد بھی نصیب فرمایا ہے اور اپنے اصحاب سے مشورہ کی تلقین بھی تعلیم فرمائی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ(۱۵۹)

ترجمہ: ''تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لئے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج

سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہوجاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو بیشک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔'' (سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 159)

اس صورت میں کہ جب اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ کے مشن کو دیگر کاموں سے اعلیٰ جانتے ہوئے مصروف تھے، نہ کہ اپنی کسی نجی گفتگو کے متعلق چونکہ آپ علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے تبلیغ کو اول و اہم سمجھا، نہ کے کسی دوسری شے کو اب ان دو اعمال میں سے، آپ علیہ السلام نے تبلیغ کو اہمیت دی تو اللہ کریم نے آپ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ ام مکتوم سے منقبض نہ ہوں، اور ان کی بات بھی سنے چونکہ جس کام کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مصروف تھے وہ بھی حکمِ ربی ہی تھا، اور آپ علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل میں ہی ایسا فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تبلیغ میں اس قدر منہمک ہو جاتے ۔ کیونکہ اللہ تعالی نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دل میں تمام جہاں والوں کے لیے شفقت اور رحمت رکھی تھی اور آپ کی شفقت یہاں تک تھی کہ جو کفار اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی توحید پر ایمان نہیں لاتے تھے، آپ کو، ان کا اس قدر غم ہوتا تھا کہ لگتا تھا کہ آپ اس غم میں اپنی جان دے دیں گے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ(۳)

ترجمہ: ''کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے۔''

(سورۃ الشعراء، آیت نمبر 3)

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ(۷۰)

ترجمہ: ''اور تم ان پر غم نہ کھاؤ اور ان کے مکر سے دل تنگ نہ ہو'' (سورۃ النمل، آیت نمبر 70)

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ

ترجمہ: ''تو تمہاری جان ان پر حسرتوں میں نہ جائے۔'' (سورۃ الفاطر، آیت نمبر 8)

اب جب کہ ام مکتوم کے متعلق حکم نازل ہوا تو آپ علیہ السلام ان کے لیے ہمہ تن گوش ہو گئے اس کا تذکرہ آپ کو جابجا احادیث کی کتب میں مل جائے گا۔

ثوری نے بیان کیا ہے کہ اس کے بعد جب بھی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابن ام مکتوم کو دیکھتے تو ان کے لیے اپنی چادر بچھا دیتے اور فرماتے مرحبا ہو جس شخص کے لیے میرے رب نے مجھ پر عتاب

فرمایا۔اور فرماتے: کیا تم کو کوئی کام ہے؟اور آپ نے ان کو دو مرتبہ مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا۔

(الجامع الاحکام القرآن جز۹۱ ص۳۸۱،الکشف والبیان ج۱۰ ص۱۳۱،الکشاف ج٤ ص ۱۰۷،معالم التنزیل ج٥ ص۱۲۰ ،روح المعانی،جز۳۰ ص۹٦)۔

اس طرح یہ دونوں حکم اللہ کی طرف سے تھے جن پہ عمل خود آپ علیہ السلام کے خُلق عظیم کی دلیل ہے نا کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام خُلقِ عظیم کے منصب پہ فائز نہیں یہ تو کج روی کے سوا کچھ نہیں۔

اس کے بعد جو آیت پیش کی گئی اس کا جائزہ پیشِ خدمت ہے جو شاہد ملحد نے تضاد کے طور پہ پیش کی:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ-تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ﳓ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ-وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (٦٧)

ترجمہ:’’کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔‘‘

(سورۃ الانفال،آیت نمبر 67)

یہاں جہاد کے احکام کے متعلق بدر کے قیدیوں کا تذکرہ ہے۔جنہیں فدیہ لے کر آزاد کیا گیا تھا جیسا کہ روایات میں آتا ہے۔

مسند امام احمد میں ہے کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسول مقبول ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ لیا کہ اللہ نے انہیں تمہارے قبضے میں دے دیا ہے بتاؤ کیا ارادہ ہے؟ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ ”ان کی گردنیں اڑا دی جائیں“ آپ ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا پھر فرمایا:

اللہ نے تمہارے بس میں کر دیا ہے یہ کل تک تمہارے بھائی بند ہی تھے۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اپنا جواب دوہرایا آپ ﷺ نے پھر منہ پھیر لیا اور پھر وہی فرمایا اب کی دفعہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہماری رائے میں تو آپ ﷺ ان کی خطا سے درگزر فرمالیجئے اور انہیں فدیہ لے کر آزاد کیجئے اب آپ ﷺ کے چہرے سے غم کے آثار جاتے رہے عفو عام کر دیا اور فدیہ لے کر سب کو آزاد کر دیا اس

پر اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری۔ [مسند احمد: 243/3: حسن لغیرہ]

کیونکہ اس میں اللہ نے ان بدری قیدیوں کا ذکر کیا ہے اور یہ ارشاد ہے کہ اللہ نہیں چاہتا کہ کوئی جنگی قید کیا جائے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب رضی اللہ عنھم سے مشاورت کی اور پھر اس مشاورت کے بعد فدیہ کے طور پہ مسلمان بچوں کو تعلیم دینے پہ چھوڑنے کا فصیلہ کیا گیا۔ اس میں اوراوپر کی دیگر آیات میں کہی تضاد و تعارض نہیں بلکہ تدریجاً احکام اور رہنمائی کا سلسلہ ہے۔ بلکہ اس معاملے میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کی صفت عیاں ہوتی ہے جس کو اللہ نے بھی قبولیت بخشی ۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 49 کا جواب
کیا دینِ اسلام میں جبر ھے؟

ترجمہ: ’’دین میں کوئی جبر نہیں۔‘‘ (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 256)

ترجمہ: ’’تمہارے لیے تمہارا دین۔‘‘ (سورۂ الکافرون، آیت نمبر 6)

ترجمہ: ’’ان سے لڑو جو سچا دین قبول نہیں کرتے۔‘‘ (سورۂ التوبہ، آیت نمبر 29)

ترجمہ: ’’ان کی گردنوں پر ضرب لگاؤ اور پور پور توڑ و۔‘‘ (سورۂ الانفال، آیت نمبر 12)

معترض نے حسب معمول اپنا دجل دکھاتے ہوئے چند آیات پیش کیں۔ پہلی میں یہ دکھانا چاہا کہ اللہ (کریم) فرمارہا ہے دین میں کوئی جبر نہیں۔ دوسری میں یہ دکھانا چاہا کہ اللہ (کریم) فرمارہا ہے۔تمہارے لیے تمہارا دین۔ تیسری میں یہ دکھانا چاہا کہ اللہ (کریم) فرمارہا ہے کہ ان سے لڑو جو سچا دین قبول نہیں کرتے۔ چوتھی میں یہ دکھانا چاہا کہ اللہ (کریم) فرمارہا ہے ان کی گردنوں پر ضرب لگاؤ۔ اللہ کے دوطرح کے فرمان، لہٰذا قرآن میں تضاد ہے، اس اعتراض میں بھی معترض نے خیانت کرتے ہوئے سیاق وسباق سے ہٹ کر اپنے من کا اردو ترجمہ کر کے تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے، ہمارے مسکت جواب کے بعد آپ کو اندازہ ہو جائے گا معترض کے اعتراض میں جہل، فریب، مکر کے سوا کچھ نہیں۔ سب سے پہلے ہم آیات کا عربی متن اور اس کا ترجمہ سیاق وسباق سے درج کرتے ہیں پھر معترض کے اعتراض کا علمی محاسبہ ملاحظہ فرمائیں۔

لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ﳜ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّۚ-فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰىۗ-لَا انْفِصَامَ لَهَاؕ-وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (۲۵۶)

ترجمہ: ’’کچھ زبردستی نہیں دین میں بیشک خوب جدا ہوگئی ہے نیک راہ گمراہی سے تو جو شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے بڑی مُحکم گرہ تھامی جسے کبھی کھلنا نہیں اور اللہ سنتا جانتا ہے۔‘‘

(سورۂ البقرہ، آیت نمبر 256)

لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ(٦)

ترجمہ: ''تمہیں تمہارا دین اور مجھے میرا دین۔'' (سورۃ الکافرون، آیت نمبر 6)

قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَلَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَـقِّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ(٢٩)

ترجمہ: ''لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے یعنی وہ جو کتاب دیے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہو کر۔'' (سورۃ التوبہ، آیت نمبر 29)

اِذۡ يُوۡحِىۡ رَبُّكَ اِلَى الۡمَلٰۤـئِكَةِ اَنِّىۡ مَعَكُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا‌-سَاُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الرُّعۡبَ فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ وَاضۡرِبُوۡا مِنۡهُمۡ كُلَّ بَنَانٍ(١٢)

ترجمہ: '' جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں سے اوپر مارو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ۔'' (سورۃ الانفال، آیت نمبر 12)

یہ آیات دو مختلف کیفیات اور تغیرات کا مظہر ہیں۔ ان کو سمجھنے میں وہی غلطی کی گئی ہے جو اس سے پہلے سیاق و سباق کے ضمن میں کی گئی تھی۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جس کو تمام انبیاء علیہ السلام لوگوں کے سامنے پیش کرتے آئے ہیں، جس کی بنیاد توحید پہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے انسانی بھلائی کے احکامات پہ ہے۔ انسان نے جب جب بھی اپنے خود ساختہ بنائے مذاہب اور خداؤں کو پوجنا شروع کیا، تب سے زمین پہ فساد برپا ہو گیا۔ اس فساد کو انسانی بھلائی کے لیے ختم کرنا اسلام کا بنیاد مقصد رہا ہے۔

جب بھی اصلاحِ معاشرے کے لیے اسلام نے کوششیں کی اور انسان کو اصلاحِ کل کے الہامی دین کی طرف بلایا، تو بہت سے دیگر مذاہب اس کے لیے صف آراء ہو گئے۔

یہاں جو مسلہ درپیش ہے یا جو علمی بد دیانتی اختیار کی گئی وہ صرف اجمالی جائزہ پیش کر دیا گیا، اس کی تفصیل کو سامنے رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ خیر آئیں اس کا اصولی اور تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

اللہ کریم نے آیت کے پہلے ٹکڑے میں فرماتا ہے:

وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ

ترجمہ: ''اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی۔''

دوسرے حصے میں ہے:

فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ

ترجمہ: ''اگر تم منہ پھیرو تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف صریح پہنچا دینا ہے۔''

(سورۂ تغابُن، آیت نمبر 1)

اس آیت میں دین کے احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے تا کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔
اس کی وضاحت قرانِ مجید میں ایک اور جگہ اس انداز میں ہوئی ہے:

لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَ یُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی لَا انۡفِصَامَ لَہَا وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ

ترجمہ: ''دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو کر واضح ہو چکا۔ اس کے بعد جو شخص طاغوت کا انکار کر کے للہ پر ایمان لے آئے گا، اس نے ایک مضبوط کنڈا تھام لیا جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں۔ اور للہ خوب سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ (۱۲)

ترجمہ: ''اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو پھر اگر تم منہ پھیرو تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف صریح پہنچا دینا ہے۔'' (سورۂ تغابُن، آیت نمبر 12)

قَاتِلُوا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ لَا بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ لَا یُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ وَ لَا یَدِیۡنُوۡنَ دِیۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ حَتّٰی یُعۡطُوا الۡجِزۡیَۃَ عَنۡ یَّدٍ وَّ ہُمۡ صٰغِرُوۡنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے یعنی وہ جو کتاب دیے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہو کر۔'' (سورۂ التوبہ، آیت نمبر 29)

یہاں اللہ کریم نے فرما دیا کہ جو رسول پہ واضح پہنچانا ہے اس کے نتیجہ میں ہدایت کا رستہ گمراہی سے ممتاز اور جدا ہو گیا ہے۔

یہ دینِ متین کا پورا لائحہ عمل ہے۔جس میں اللہ کے دین کو واضح اور شفاف انداز میں پیش کرنے سے شروع ہوتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش کر دیا جس کے متعلق اوپر آیت میں جو معترض نے پیش کی اس میں ہے۔اور یہ تمام انبیاء علیہ السلام کا طریقہ رہا ہے۔سورۃ النمل کو دیکھ لیں حضرت سلیمان علیہ السلام کیا دعوت نامہ بھیج رہیں ہیں:

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا یَرْجِعُوْنَ (28)

ترجمہ:''میرا یہ خط لے جا اور ان کی طرف ڈال دے پھر ان کے ہاں سے واپس آ جا پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔''

قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ (29)

ترجمہ:'' کہنے لگی اے درباروالو! میرے پاس ایک معزز خط ڈالا گیا ہے۔''

اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (30)

ترجمہ:''وہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے، اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔''

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ (31)

ترجمہ:''میرے سامنے تکبر نہ کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلی۔''

اب اس دعوتِ توحید پہ جب وہ اپنے جنگ جوؤں سے مشورہ کرتی ہے تو ذرا ان کا جواب دیکھ لیں:

قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ (32)

ترجمہ:'' کہنے لگی اے درباروالو! مجھے میرے کام میں مشورہ دو، میں کوئی بات تمہارے حاضر ہوئے بغیر طے نہیں کرتی۔''

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ وَّ الْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ مَا ذَا تَاْمُرِیْنَ (33)

ترجمہ:'' کہنے لگے ہم بڑے طاقتور اور بڑے لڑنے والے ہیں، اور کام تیرے اختیار میں ہے سو

دیکھ لے جو حکم دینا ہے۔''

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (34)

ترجمہ: ''کہنے لگی بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے خراب کر دیتے ہیں اور وہاں کے سرداروں کو بے عزت کرتے ہیں، اور ایسا ہی کریں گے۔''

یہ تو خیر ان جنگجوؤں کا روایتی بادشاہوں کے متعلق خیال تھا۔ مقصد صرف یہ ہے کہ یہ تمام انبیاء کا طریقہ رہا ہے کہ وہ سب سے پہلے لوگوں کے سامنے دعوتِ حق کو واضح اور صاف دلائل میں رکھتے ہیں۔ انہیں دلیل و برہان کے ذریعے قائل کرتے ہیں۔ ان کے سامنے معجزات اتمامِ حجت کے لیے پیش کرتے ہیں۔ قرانِ مجید کا اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکمل مطالعہ کر لیں، آپ پہ بات عیاں اور واضح ہو جائے گی۔ اس کے بعد اس سے اگلا مرحلہ پیش آتا ہے کہ جب حجت تمام ہونے کے بعد بھی لوگ ہٹ دھرمی اور انکار کا مظاہرہ کرتے ہیں تو پھر وہ دین کے خلاف اور دین کے ماننے والے کے خلاف شازشیں کرتے ہیں انہیں طرح طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ یہ حق سے پلٹ آئیں۔ اس تصویر کو دیکھنا ہو تو پہلی ہجرت جو حبشہ کی طرف ہوئی اس کو دیکھ لیں کہ مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا نہیں کیا گیا حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کرنا پڑی، مگر پھر بھی کافروں کے دل کو چین نصیب نہ ہوا اور انہوں نے جنگ کرنے کی ٹھان لی۔ جنگِ بدر اس کا عین ثبوت ہے۔ اس پورے حالات کو مدنظر رکھنے کے بعد اللہ کا اگلا حکم یہ ہے کہ آپ بھی ان کے خلاف جہاد کریں۔

اب چونکہ یہ اگلا مرحلہ ہے جہاد کے حکم کا تا کہ اللہ کے دین اور حکم کو فتنہ فساد اور ظلم کے خاتمے پر غالب کیا جائے۔ اور حجت تمام ہونے کی صورت میں اللہ کی عدالت لگ جائے اور ان کو آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا کے عذاب میں مبتلاء کیا جائے۔

یہ اللہ کا مکمل قانون ہے جو قرانِ کریم نے جا بجا مجمل و مفصل سورتوں میں بیان کیا ہے۔ اور یہ ان کے لیے ہے جنہوں خالصتاً کفر و شرک کا رستہ اختیار کیا، جو کسی الہامی دین کے قائل ہی نہیں جیسے کفارِ مکہ ان کو روشن ہدایت پہنچا دینے کے بعد جب کہ وہ ان پہ عیاں بھی ہو جائے یا وہ اللہ کے دین کو قبول کر لیں یا پھر تلوار کو قبول کر لیں۔ اس عذابِ دنیا کو بھی اللہ نے اپنی کتابِ

حکمت میں بیان کیا ہے:

قَاتِلُوۡهُمۡ يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ بِاَيۡدِيۡكُمۡ وَ يُخۡزِهِمۡ وَ يَنۡصُرۡكُمۡ عَلَيۡهِمۡ وَ يَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِيۡنَۙ‏ (۱۴)

ترجمہ:''تو ان سے لڑو اللہ انہیں عذاب دے گا تمہارے ہاتھوں اور انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر مدد دے گا اور ایمان والوں کا جی ٹھنڈا کرے گا۔''(سورۃ التوبہ،آیت نمبر 14)

کہ جب ان پہ حجت تمام ہوگئی اور وہ ہٹ دھرمی پہ جہالت کی وجہ سے ڈٹ گئے تو اللہ نے ان کے لیے اپنے عذاب کا سلسلہ اس دنیا سے شروع کردیا، اللہ ان کے لیے عذاب مسلمانوں کی تلواروں کے ذریعے مسلط کرے گا جیسا کہ مذکورہ بالا آیت سے عیاں ہوگیا ہے۔

اس کے علاوہ جو دوسری آیت معترض نے پیش کی اس میں اہل کتاب سے جہاد و قتال کا حکم ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کے دین کی طرف لوٹ آئیں یہ مطیع ہو کر اسلام کے اصولِ باہمی صلح و آشتی امن و امان سے جزیہ دے کر رہیں کیونکہ اہلِ کتاب کا معاملہ کفارہ سے مختلف ہے۔ انہوں نے اپنے دین میں تحریف کی ہے اس لیے ان سے جزیہ کو قبول کیا جائے گا اسلام کی شرائط کے مطابق وہ اس علاقے میں رہیں گے۔ جیسا کہ آیت سے واضح ہے۔ اب اس تفصیل کے بعد ان دونوں آیات میں تضاد و تعارض کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اس کے علاوہ ایک عمومی بات بھی سمجھ لی جائے جو ملحدین اعتراض کے طور پہ جہاد کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔ آج کی دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو جہاں اس کی وفاداری کی قسم نہ لی جاتی ہو اور غداری کی صورت میں اس کے لیے سخت سزائیں اور موت کی سزاء قانونی طور پہ موجود ہے چند مثالیں پیشِ خدمت۔ امریکہ میں غداری و بغاوت کی سزا۔

, owing allegiance to the United States,Whoever
,levies war against them or adheres to their enemies
giving them aid and comfort within the United States or
or , is guilty of treason and shall suffer death,elsewhere
shall be imprisoned not less than five years and fined
$10000under this title but not less than

جو کوئی بھی، ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی وفاداری کی وجہ سے، ان کے خلاف جنگ کرتا ہے یا ان کے دشمنوں کا ساتھ دیتا ہے، انہیں امریکہ کے اندر یا کسی اور جگہ امداد اور تسلی دیتا ہے، وہ غداری کا مرتکب ہوگا اور اسے موت کی سزا دی جائے گی، یا اسے پانچ سال سے کم قید کی سزا دی جائے گی۔ اس عنوان کے تحت جرمانہ لیکن $10000 سے کم نہیں۔

یو۔ کے میں

became Since the Crime and Disorder Act 1998

the maximum sentence for treason in the UK has ,law

.been life imprisonment

جب سے کرائم اینڈ ڈس آرڈر ایکٹ 1998 قانون بن گیا ہے، برطانیہ میں غداری کی زیادہ سے زیادہ سزا عمر قید ہے۔

اب جہاں اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام واضح پہنچانے کا حکم دیا اور آپ کو تبشیر، انذار، تذکیر، دعوت اور تبلیغ حکم ہے، جس کا تذکرہ سورۃ النساء آیت نمبر 165 میں بایں الفاظ موجود ہے:

رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلاَّ يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ

ترجمہ: ''اور اس حجت کے اتمام پر رسالت کے دوسرے مقصد کا بھی حکم فرمایا۔''

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

ترجمہ: ''وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے، تا کہ اُسے ہر دوسرے دین پر غالب کر دے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی ناپسند ہو۔''

اور اس کے لیے بھی پورا لائحہ عمل کو بیان کیا جس میں جہاد و قتال کے احکام بھی ہیں۔ اور یہی اللہ کا مکمل ضابطہ ہے۔ جس کو جب بھی توڑ کر سمجھا جائے گا تو وہ تضاد اور تعارض ہی محسوس ہوگا۔

التوفیق الا باللہ۔



ملحدین کے اعتراض نمبر 50 کا جواب
اللہ نے جنوں اور انسانوں کو کس لیے پیدا کیا؟

ترجمہ: ”میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔“
(سورۂ الذاریات، آیت نمبر 56)

ترجمہ: ”اللہ بے نیاز ہے۔“ (سورۂ الاخلاص، آیت نمبر 2)

معترض نے دو آیات پیش کر کے تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ پہلی میں اللہ فرما رہا ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ جب کہ دوسری میں فرما رہا ہے کہ وہ بے نیاز ہے۔ اس اعتراض میں بھی معترض کے جہل، فریب، مکر کے سوا کچھ نہیں۔ سب سے پہلے ہم آیات کا عربی متن اور اس کا ترجمہ سیاق وسباق سے درج کرتے ہیں پھر معترض کے اعتراض کا علمی محاسبہ ملاحظہ فرمائیں۔

وَ مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ (۵۶)

ترجمہ: ”اور میں نے جنّ اور آدمی اس لیے بنائے کہ میری بندگی کریں۔“
(سورۂ الذاریات، آیت نمبر 56)

اَللّٰہُ الصَّمَدُ

ترجمہ: ”اللہ بے نیاز ہے۔“ (سورۂ الاخلاص، آیت نمبر 2)

دونوں آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ سورۂ اخلاص کی جس آیت کو پیش کیا گیا ہے اس کا سیاق وسباق دیکھ لیں تو بات واضح ہو جائے گی ان شاء اللہ۔

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (1)

ترجمہ: ” کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے۔“

اللّٰهُ الصَّمَدُ (2)

ترجمہ: ”معبود برحق جو بے نیاز ہے۔“

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (3)

ترجمہ: ''نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔''

وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ (4)

ترجمہ: ''اور کوئی اس کا ہمسر نہیں''۔

سورۂ اخلاص میں تو ''جو بہتان کافر اور مشرکین لگاتے تھے'' اُن کا رد کیا گیا ہے کہ اللہ باپ اور بیٹے دونوں سے پاک ہے۔ وہ تو اس بات سے بے نیاز ہے کہ اس کا کوئی بیٹا یا باپ ہے، وہ اس بات سے بھی بے نیاز ہے کہ اس کوئی ہمسر ہو اس کے ساتھ کوئی اس کی ذات، صفات، افعال میں ادنیٰ سا بھی شریک ہو۔

اب دیکھیے کہ یہ آیت تو معترض کی دوسری پیش کردہ آیت کی تائید کر رہی ہے نہ کے تردید آیئے اسے بھی سمجھ لیں۔

جب اللہ نے تمام مخلوقات کو عدم (Nothingness) سے وجود بخشا صرف اور صرف اپنے فضل سے حالانکہ کسی بھی انسان یا جن کو پیدا کرنا اللہ پہ ان کا حق نہ تھا مگر اللہ نے اپنے فضل سے ان کو پیدا کیا، تمام لوازماتِ زندگی عطا کیے ہر وہ شے اور اس سے بھی زائد نعمتیں عطا کیں جو اس کی زندگی کے لیے ضروری تھیں۔ سب سے بڑی نعمت زندگی بحیثیت انسان اور صاحبِ عقل و شعور ہونے کے ساتھ ساتھ ارادہ و اختیار کا نصیب ہونا ہے۔

اس سارے مرحلے کو جب ایک وفا شعار دیکھتا ہے تو اس کے اندر سے ایک آواز اور ایک جذبہ عبدیت خود اسے آواز دیتا ہے کہ تو اپنے بنانے والے کے سامنے جھک جا یہ انسانی باطن کا شدید تقاضہ ہے آیئے اس تقاضے کی ایک جھلک آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

اللہ نے جب تمام ارواح کی تخلیق فرمائی اور انہیں اکٹھا کیا اور یہ سوال استفہام کے طور پہ ان کے سامنے رکھا:

"الست بربکم" کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔

سب کا جواب بھی سن لیجیے:

"قالو بلیٰ" ہاں تو ہی ہمارا رب ہے۔

اب یہ تقاضا تو ایک ایسے انسان کے اندر بھی پیدا ہونا فطری عمل ہے جس پہ کوئی دوسرا شخص

احسان سے مسلسل پیش آئے انسانی جذبہ احسان مندی اس کے لیے ہمیشہ محبت و عقیدت کے جذبات سے لبریز ہوتا ہے۔

دنیا کے کسی بھی معاشرے میں احسان فراموش اور بے وفا شخص کو احسن نظر سے نہیں دیکھا جاتا آپ دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کرلیں وفادار اور احسان مند کے لیے اچھے گیت اور اچھے الفاظ سے لٹریچر بھرا پڑا ہے، مگر اس کے برعکس کو غدار اور نا جانے کن کن القابات سے نوازہ جاتا ہے۔

اس جذبہ تشکر و عجز کو جب انسان اپنے بنانے والے کے سامنے سر تسلیمِ خم کے طور پہ قبول کر لیتا ہے تو اس کیفیت کو عبدیت اور جس میں یہ پائی جائے اسے عبد اور جس کے لیے پائی جائے اسے معبود کہتے ہیں۔اس تمام فطری مرحلے کو اللہ کریم اس دوسری آیت میں یوں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (٥٦)

ترجمہ: ''اور میں نے جنّ اور آدمی اس لیے بنائے کہ میری بندگی کریں۔''

یعنی یہ ان کے وجود کا پیدائشی تقاضا ہے کہ وہ معبودِ برحق کی عبادت کریں۔ چونکہ زبانوں کے اسلوب میں یہ شے مانی ہے کہ بعض اوقات سبب کو بیان کر کے مسبب، کل کو بیان کر کے جز۔۔۔۔۔مراد لیا جاتا ہے اس صنعت کو حسنِ تعلیل سے تعبر کیا جاتا ہے۔

یہاں بھی انسان کے باطنی تقاضائے عبادت کو پیدائش کا جزِ لازم قرار دیا گیا ہے جس سے ایک وفاشعار بندے کو کبھی مفر نہیں۔اس لیے دونوں آیات ایک دوسرے کی تائید میں ہیں نہ کہ تردید میں۔

التوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 51 کا جواب
بدر میں فرشتے ایک ہزار یا تین ہزار

ترجمہ: ''بدر میں ایک ہزار فرشتوں نے مدد کی۔'' (سورۃ الانفال، آیت نمبر 9)

ترجمہ: ''بدر میں تین ہزار فرشتوں نے مدد کی۔'' (سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 124)

معترض نے دو آیات پیش کر کے تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ پہلی یہ کہ اللہ نے قرآن میں ایک جگہ فرمایا: ''بدر میں ایک ہزار فرشتوں سے مدد کی'' اور دوسری جگہ فرمایا کہ تین ہزار فرشتوں سے مدد کی''۔ اب ان آیات میں جہالت کی کون سی جہت سے معترض کو تضاد نظر آیا مجھے نہیں معلوم، پر میں آیات کا عربی متن و ترجمہ پیش کر کے جواب عرض کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ

ترجمہ: ''جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزار فرشتوں کی قطار سے۔'' (سورۃ الانفال، آیت نمبر 9)

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ

ترجمہ: ''جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتے اتار کر۔'' (سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 124)

اللہ کی مدد اور توفیق سے ملحدین کی قسط وار جواب دیئے جا رہیں ہیں پہلی قسط میں پچاس اعتراضات تھے۔ اس کے بعد دوسری قسط میں پچاس اعتراضات ہیں۔

اللہ کریم کے فضل سے دوسری قسط کے اعتراض 51 کا جواب آپ کے سامنے ہے۔ اللہ مجھے اور میری ٹیم ردالحاد ممبران کی مدد فرمائے اور ہمیں حق بات کی ہمت اور توفیق نصیب فرمائے، بے شک وہی ہمارا رب اور بہترین کارساز ہے۔

معترض نے دو آیات پیش کیں ایک سورۃ الانفال، آیت نمبر 9 دوسری سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 124 چونکہ معترض نے خود قران کا مطالعہ نہیں کیا صرف سوالات کاپی پیسٹ کیے ہیں (واللہ اعلم) وگرنہ وہ آیت نمبر 125 سورۃ آلِ عمران کی پیش کرتا۔ معترض کا اعتراض شروع میں لکھ دیا گیا ہے اس کا لکھا ترجمہ بھی اُوپر موجود ہے قارئین خود تسلی کرلیں خیر آلِ عمران کی ایک اور آیت ملاحظہ فرمائیں:

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُسَوِّمِیْنَ(۱۲۵)

ترجمہ: ''ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر وتقویٰ کرو اور کافر اسی دم تم پر آ پڑیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔'' (سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 125)

اس آیت میں پانچ ہزار فرشتے کا ذکر ہے اس سے پہلی آیت میں تین ہزار فرشتے کا ذکر ہے اور سورۃ الانفال میں ایک ہزار فرشتے کا ذکر ہے۔ یہی کہنا ہے معترض کا مگر افسوس صد افسوس جناب نہ تو عربی سے واقف اور نہ ہی اردو کے شناسائی۔ صرف اعتراضات کے دلدادہ، کیا کیجیے اگر سمجھ کی بتی گُل ہوگئی ہو تو؟۔

آئیں اس کا تحقیقی اور قرآن کی نظر سے جائزہ لیتے ہیں، ممکن ہے معترض علم تاریخ پہ مطمئن نہ ہو۔

پہلی آیت ملاحظہ فرمائیں سورۃ آلِ عمران کی:

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُنْزَلِیْنَ

ترجمہ: ''جب اے محبوب آپ مسلمانوں سے فرماتے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتے اتار کر۔'' (سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 124)

صاف صاف ترجمہ ہے جب اے محبوب آپ مسلمانوں سے فرماتے تھے۔۔۔کیا؟ ۔۔۔کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتے اتار کر۔

اس آیت میں اللہ کے پیغمبر تو فرشتوں کی مدد کے متعلق مومنوں کے دل پر دھاک بٹھا رہے ہیں، جس کو اللہ کریم اپنے محبوب کو یاد دلا رہا ہے۔ اگلی آیت نمبر 125 دیکھیے تاکہ فریب

دینے والے معترض کا فریب کھل جائے:

بَلٰۤى ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا وَ يَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ (۱۲۵)

ترجمہ: ''ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر وتقویٰ کرو اور کافر اسی دم تم پر آ پڑیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔'' (سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 125)

اس کے ساتھ ہی اللہ فرماتا ہے:

''بلی'' ہاں کیوں نہیں اور ساتھ چند شرائط حرف شرط ''اِن'' سے لگا رہا ہے کیا شرائط ہیں ملاحظہ فرمالیں۔

''(بلی ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھذا)'' بلکہ اگر تم صبر اور پرہیزگاری کرو، اور وہ اپنے اس جوش سے تمہارے مقابلے میں آئیں۔''

1-صبر۔2-تقوی اختیار کرو۔3-وہ یکبارگی تم پہ حملہ کردیں۔

ان شرائط کی جزا پھر کیا ہوگی اللہ فرماتا ہے: تو تمہارا رب اس عہدِ الست میں جو تم نے ''قالوا بلی'' تو ہمارا رب ہے وہی رب تمہاری منکرینِ عہدِ الست کے خلاف تمہاری مدد پانچ ہزار فرشتے جو نشان والے بھیجے گا۔

ان دو آیات میں واضح ہوگیا کہ ان دو آیات میں فرشتے بھیجنے کے متعلق میدانِ جنگ میں خوشخبری سنائی جارہی ہے مشروط کہ تین ہزار سے لے کر پانچ ہزار تک مدد فرمائی جاسکتی ہے۔ کیوں یہ ان سے اگلی آیات میں ہے۔ اس کے بعد فرمایا: (وما جعله الله الا بشرىٰ) ''اللہ نے اس چیز کو (یعنی فرشتے اُتار کر تمہیں کمک پہنچانے کو) صرف خوش خبری بنایا ہے'' تاکہ اس سے تمہیں خوشی حاصل ہو۔ (ولتطمئن قلوبكم به) '' اور اس بشارت سے تمہارے دل مطمئن ہوجائیں۔'' (وما النصر الا من عند الله) '' ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے''۔

لہٰذا اپنے اسباب پر اعتماد نہ کرو بلکہ اسباب صرف تمہارے دلوں کے اطمینان کے لئے ہیں۔ اصل فتح، جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا، وہ تو اللہ کی مشیت ہے۔

اب آئیں سورۂ الانفال کی آیت نمبر 9

اِذۡ تَسۡتَغِيۡثُوۡنَ رَبَّكُمۡ فَاسۡتَجَابَ لَـكُمۡ اَنِّىۡ مُمِدُّكُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ مُرۡدِفِيۡنَ

ترجمہ: ''جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزار فرشتوں کی قطار سے۔'' (سورۂ الانفال، آیت نمبر 9)

اس آیت میں اس دعا کا ذکر ہے جو سورۂ آلِ عمران میں رسولِ مکرم ﷺ مومن کے دل کو مضبوط فرمانے کو دے رہے تھے۔ اس آیت میں اللہ نے ایک ہزار فرشتوں سے مدد بھیجی۔

اب اس کے دو احتمال ہیں جن کو معترض نہ پہنچ سکا ایک یہ کہ اللہ نے تین سے پانچ ہزار فرشتے چند شرائط سے مشروط کر دیئے مدد کی، سورۂ الانفال میں ایک ہزار تو دعائے رسول ﷺ کو قبول فرما کے وعدہ فرمالیا جیسا کہ آیت سے واضح ہے۔ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ ''جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی۔'' اور تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کی مدد مومنین کی چند صفات سے مشروط کر دی۔

دوسرا احتمال کہ ایک ہزار کی مدد تو نصیب ہو گی۔ دیگر فرشتوں کی مدد چونکہ اصحابِ رسول ﷺ صبر سے استقامت سے، پوری بہادری اور تقویٰ سے لڑے تو تین اور پانچ ہزار کی مشروط کمک بھی نصیب ہوگئی ہوگی واللہ اعلم جیسا کہ ابنِ سعد میں رقم ہے۔

غزوۂ بدر کے دن ایسی ہوا چلی کہ اس جیسی سخت ہوا انہوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پھر وہ ہوا چلی گئی اور دوسری بار ہوا آئی پھر وہ بھی چلی گئی اور تیسری بار ہوا آئی۔ پہلی بار جو ہوا آئی تھی وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے، ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ، دوسری بار کی ہوا ایک ہزار فرشتوں کے ہمراہ حضرت میکائیل علیہ السلام تھے جو حضور اکرم ﷺ کے دائیں طرف اُترے، تیسری بار کی ہوا ایک ہزار فرشتوں کے ہمراہ حضرت اسرافیل تھے جو حضور ﷺ کے بائیں طرف اُترے اس دن کئی کافروں کے سر اُڑ گئے مگر معلوم نہ ہوا کہ اسے کس نے مارا ہے اور بعض لوگوں کے ہاتھ کٹ گئے مگر کاٹنے والا کوئی نظر نہ آیا۔ (طبقات ابن سعد)

ایک اور تفسیر میں اس کو اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے۔

''جنگِ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتوں کا لشکر اُتار دیا تھا۔ پہلے ایک ہزار فرشتے آئے پھر تین ہزار ہو گئے اس کے بعد پانچ ہزار ہو گئے۔''

ان میں تضاد اور تعارض کہاں ہے؟۔

ایک ہزار فرشتے کی مدد بھی ہو یا تین سے پانچ ہزار فرشتے کی مدد، تعارض کہیں بھی نہیں جیسا

کہ تفصیل اوپر واضح کردی گئی۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 52 کا جواب
کون گمراہ کرتا ہے؟ اللہ، انسان یا شیطان؟

ترجمہ: اللہ گمراہ کرتا ہے۔(سورۃ الجاثیہ، آیت نمبر 23)

ترجمہ: شیطان گمراہ کرتا ہے۔(سورۃ القصص، آیت نمبر 15)

ترجمہ: انسان خود کو گمراہ کرتا ہے۔(سورۃ ق، آیت نمبر 27)

معترض نے تین آیات پیش کر کے تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ پہلی یہ کہ اللہ نے قرآن میں ایک جگہ فرمایا جس کے مطابق اللہ گمراہ کرتا ہے اور دوسری جگہ فرمایا کہ شیطان گمراہ کرتا ہے۔ اور تیسری جگہ فرمایا کہ انسان خود کو گمراہ کرتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا قرآن میں تضاد ہے۔ ہم آیات کا متن ترجمہ کے ساتھ پیش کر کے اس دجل کاری کا انکشاف کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (۲۳)

ترجمہ: ”بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا لیا اور اللہ نے اُسے باوصف علم کے گمراہ کیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا تو اللہ کے بعد اُسے کون راہ دکھائے تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔“(سورۃ الجاثیہ، آیت نمبر 23)

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۖ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۖ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ (15)

ترجمہ: ”اور اس شہر میں داخل ہوا جس وقت شہر والے دوپہر کے خواب میں بے خبر تھے تو اس میں دو مرد لڑتے پائے ایک موسیٰ کے گروہ سے تھا اور دوسرا اس کے دشمنوں سے تو وہ جو اس کے گروہ

سے تھا اس نے موسیٰ سے مدد مانگی اس پر جو اس کے دشمنوں سے تھا تو موسیٰ نے اس کے گھونسا مارا تو اس کا کام تمام کر دیا کہا یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا بیشک وہ دشمن ہے کھلا گمراہ کرنے والا۔''

(سورۃ القصص، آیت نمبر 15)

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ

ترجمہ: ''اس کے ساتھی شیطان نے کہا ہمارے رب میں نے اُسے سرکش نہ کیا ہاں یہ آپ ہی دُور کی گمراہی میں تھا۔'' (سورۃ ق، آیت نمبر 27)

ان آیات کا ترجمہ جو معترض نے پیش کیا ہے، اس کو دیکھا جائے، ساتھ ہم نے اُوپر سیاق وسباق سے صحیح متن اور ترجمہ پیش کیا ہے اس کو ملاحظہ فرمایا جائے، دونوں میں کتنا فرق ہے جس سے تضاد کی حقیقت وہیں سے واضح ہو جائے گی، مگر ہم اس کو اللہ کی توفیق سے مزید واضح کر دیتے ہیں، ''معترض کی اژدھا والی کنڈلی، جس سے وہ بل کھول دیتے ہیں، جس سے وہ معصوم لوگوں کو اپنے شکنجے میں کسنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' اس کا انکشاف کیے دیتے ہیں۔

ان آیات کو سمجھنے سے پہلے چند بنیادی باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے جو آیات میں بھی موجود ہیں لیکن معترض کو شاید دکھائی نہیں دی ہم انہیں بیان کیے دیتے ہیں۔

قران مجید کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ انسان کو صرف شیطان ہی نہیں گمراہ کرتا بلکہ بعض اوقات یہ اپنی جبلتی خواہشات کے ہاتھ بھی گمراہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انسانی وجود کی تین بڑی جہتیں یا ڈائی مینشنز ہیں۔

1۔ عقلی، 2۔ اخلاقی یا جمالی، 3۔ طبعی یا جبلی خواہشات

ان تینوں میں سے جب سفلی جبلتیں انسان پہ غالب ہوتی ہیں جنہیں قران مجید نفسِ امارہ کے نام سے موسوم کرتا ہے تو وہ خود، خود کے لیے گمراہی کا سبب بن جاتا ہے۔ کیسے معترض کی خود پیش کی گئی آیت کو اس ضمن میں دیکھ لیں:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ

ترجمہ: ''بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرالیا۔'' (سورۃ الجاثیہ، آیت نمبر 23)

اب جو شخص اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لے ذرا توجہ سے معترض اس ٹکڑے کو پڑھ لیتا کہ وہ اللہ کو معبود نہیں مانتا اپنی جبلی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیتا ہے تو اب بتائے کہ اس نے خود کو

خود گمراہ نہ کرلیا۔یہیں سے آپ کو اس سوال کا جواب بھی مل جائے گا کہ شیطان کو کس نے گمراہ کیا؟

خیر اس سے اگلا مرحلہ شیطان کی گمراہی کا جو اس کے بعد جب شیطان کو جبلتی خواہشات کے اسیروں کے ہاں گھسنے کی جگہ ملتی ہے تو وہ بھی اپنے وار کرتا ہے چونکہ انسانی گمراہی کے اسباب میں سے شیطان بھی ایک سبب ہے اس اقرار اس نے خود کیا تھا:

ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ-وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ

ترجمہ:''پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تو ان سے اکثر ناشکرا پائے گا۔''

(سورۃ الاعراف،آیت نمبر 17)

ایک بات دھیان رکھنا چاہیے شیطان صرف گناہ کی ترغیب دیتا ہے،جس کو انسان اختیار کر کے خود گمراہی کے راستے پر جاتا ہے شیطان گناہ کی ترغیب اس طرح دیتا ہے کہ انسان بڑے گناہ کو بھی معمولی سمجھنے لگتا ہے،لہٰذا شیطان صرف گمراہی کی ترغیب دلاتا ہے اس کو اختیار انسان خود کرتا ہے اس کے جال میں پھنس کر انسان گمراہی کو اختیار کر لیتا ہے۔جیسا کہ معترض نے سورۃ ق سے جو آیت پیش کی پہلے اس کو ہی دیکھ لیا جائے:

قَالَ قَرِیْنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَیْتُهٗ وَ لٰكِنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ

ترجمہ:''اس کے ساتھی شیطان نے کہا ہمارے رب میں نے اُسے سرکش نہ کیا ہاں یہ آپ ہی دُور کی گمراہی میں تھا۔''(سورۃ ق،آیت نمبر 27)

اس آیت میں شیطان اپنا عذر پیش کر رہا ہے اور بتا رہا ہے میں نے گمراہ نہیں کیا بلکہ اس نے خود میرے ترغیب دلانے پر گمراہی کو اختیار کیا۔جیسا کہ اس آیت میں بھی ملاحظہ فرمائیں:

وَ قَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ-وَ مَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْۚ-فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَ لُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ-مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ-اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ-اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۲۲)

ترجمہ:''اور شیطان کہے گا جب فیصلہ ہو چکے گا بیشک اللہ نے تم کو سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے جو تم کو

وعدہ دیا تھا وہ میں نے تم سے جھوٹا کیا اور میرا تم پر کچھ قابو نہ تھا مگر یہی کہ میں نے تم کو بلایا تم نے میری مان لی تو اب مجھ پر الزام نہ رکھو خود اپنے اوپر الزام رکھو نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکوں نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکو وہ جو پہلے تم نے مجھے شریک ٹھہرایا تھا میں اس سے سخت بیزار ہوں بیشک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔" (سورۂ ابراھیم، آیت نمبر 22)

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جب مخلوق کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا اور حساب کتاب ختم ہو جائے گا، جنتی جنت کا اور جہنمی جہنم کا حکم پا کر جنت و جہنم میں داخل ہو جائیں گے اور جہنمی شیطان پر ملامت کریں گے اور اس کو برا کہیں گے کہ بدنصیب! تو نے ہمیں گمراہ کر کے اس مصیبت میں گرفتار کیا تو وہ جواب دے گا کہ بیشک اللّٰہ عزوجل نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا کہ مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنا ہے اور آخرت میں نیکیوں اور بدیوں کا بدلہ ملے گا، اللّٰہ عزوجل کا وعدہ سچا تھا اور سچا ثابت ہوا، اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا کہ نہ مرنے کے بعد اُٹھنا ہے، نہ جزا، نہ جنت ہے نہ دوزخ، وہ میں نے تم سے جھوٹا وعدہ کیا تھا اور مجھے تم پر کوئی زبردستی نہیں تھی نہ میں نے تمہیں اپنی پیروی کرنے پر مجبور کیا تھا یا یہ کہ میں نے اپنے وعدے پر تمہارے سامنے کوئی حجت و بُرہان پیش نہیں کی تھی، بس ہوا یہ ہے کہ میں نے تمہیں وسوسے ڈال کر گمراہی کی طرف بلایا تو تم نے میری مان لی اور حجت و برہان کے بغیر تم میرے بہکاوے میں آ گئے، حالانکہ اللّٰہ تعالیٰ نے تم سے فرما دیا تھا کہ شیطان کے بہکاوے میں نہ آنا۔ اور اللّٰہ عزوجل کے رسول ﷺ اس (اللہ) کی طرف سے دلائل لے کر تمہارے پاس آئے تھے اور اُنہوں نے حجتیں پیش کی تھیں اور دلائل قائم کئے تھے تو تم پر خود لازم تھا کہ تم ان کی پیروی کرتے، اور ان کے روشن دلائل اور ظاہر معجزات سے منہ نہ پھیرتے، اور میری بات نہ مانتے اور میری طرف التفات نہ کرتے، مگر تم نے ایسا نہ کیا، تو اب مجھے ملامت نہ کرو کیونکہ میں دشمن ہوں اور میری دشمنی ظاہر ہے اور دشمن سے خیر خواہی کی اُمید رکھنا ہی حماقت ہے، تم اپنے آپ کو ملامت کرو، میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں اور نہ ہی تم میری فریاد کو پہنچنے والے ہو اور وہ جو تم نے مجھے اللہ عزوجل کا اس کی عبادت میں شریک بنایا تھا تو میں اس شرک سے سخت بیزار ہوں۔ بیشک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (خازن، ابراھیم، تحت الآیۃ: ۲۲، ۳/ ۸۰۔۸۱، مدارک، ابراھیم، تحت الآیۃ: ۲۲، ص ۵۶۸، ملتقطا)

لہٰذا اس تفصیل کے بعد ثابت ہو گیا انسان خود اپنے آپ کو گمراہ کرتا ہے شیطان کے

بہکاوے میں آ کر اس کے بعد آخری بات پر آتے ہیں، جس کے پہلے ٹکڑے کا جواب شروعات میں دے دیا گیا ہے، آگے کے حصہ کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

اللہ بھی معاذ اللہ، نعوذ باللہ گمراہ کرتا ہے، یہ بذات خود بڑی گمراہ کن بات ہے، استغفر اللہ کیسے کیسے بہتان اللہ پہ یہ باندھتے ہیں۔ اس کا بھی فہم حاصل کرنا اشد ضروری ہے آئیں اس نامراد بات سے بھی چھٹکارا حاصل کریں۔ اس پوری آیت کو دیکھیے کیا اسلوب ہے:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً-فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ-اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ(۲۳)

ترجمہ: ''بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا لیا اور اللہ نے اُسے باوصف علم کے گمراہ کیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا تو اللہ کے بعد اُسے کون راہ دکھائے تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔'' (سورۂ الجاثیہ، آیت نمبر 23)

یہ آیت معترض نے توڑ موڑ کے پیش کی حالانکہ پہلے ٹکڑے میں واضح موجود ہے کہ کیا آپ نے نہ دیکھا وہ جس نے اپنی خواہشات کو اپنا آلہ بنا لیا۔ اب اس خریدی ہوئی گمراہی کے نتیجے میں اللہ نے اس کی گمراہی کو جو اس کے نزدیک اسکا معبود تھی اور اس کی ذاتی خواہش اور خود کا اختیار تھی اس کو اور بڑھا دیا۔ کیونکہ وہ اسے ہی چاہتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے کلام سے منہ پھیرنے والے کافر کا شیطان ساتھی بنا دیا جاتا ہے اور شیطان کو کافروں کا ساتھی بنانے سے متعلق اور، اس کی تصریح کلامِ مجید میں جابجا ملے گی۔ ملاحظہ فرمائیں:

وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ

ترجمہ: ''اور جو اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو ہم اس پر ایک شیطان متعین کرتے ہیں پھر وہ اس کا ساتھی رہتا ہے۔'' (سورۂ الزخرف، آیت نمبر 36)

وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ-اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ(۲۵)

ترجمہ: ''اور ہم نے اُن پر کچھ ساتھی تعینات کئے اُنھوں نے اُنھیں بھلا کر دکھایا جو اُن کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے اور ان پر بات پوری ہوئی ان گروہوں کے ساتھ جو اُن سے پہلے گزر چکے

جنّ اور آدمیوں کے بے شک وہ زیاں کار تھے۔" (سورہ حٰم سجدہ، آیت نمبر 25)

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کافروں کیلئے شیطانوں میں سے کچھ ساتھی مقرر کردیئے جنہوں نے ان کے لئے دنیا کی زیب و زینت، اور نفس کی خواہشات کی پیروی کرنے کو خوبصورت بنا کر پیش کیا، تو انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دے دی اور شیطانوں نے انہیں یہ وسوسہ ڈالا کہ نہ مرنے کے بعد اُٹھنا ہے، نہ حساب، نہ عذاب، بس چین ہی چین۔

ایک آیت سورہ بقرہ سے بھی دیکھ لیں۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

ترجمہ: ''اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور ان کے لئے زبردست عذاب ہے۔''

ایسا کیوں ہوا؟ ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر ابتدا ہی میں نہیں لگادی گئی، بلکہ جب انہوں نے حق کو پہچاننے کے بعد رد کردیا، تو اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کردی اور ان کی کانوں پر بھی۔

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ نے انہیں گمراہ ہرگز ہرگز نہ کیا بلکہ وہ خود گمراہ ہوئے، گمراہی اختیار کی اور اس پہ راضی رہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے انہیں جو پسند تھا وہ ان کو دے دیا۔ یعنی گھاس کھانے والے کو گھاس اور ماس کھانے والے کو ماس عطا کردیا، اب اتنی بات معترض کو سمجھ میں نہیں آتی تو کیا کیجیے، لہذا ان آیات میں کوئی تعارض نہیں،

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 53 کا جواب
اللہ سب گناہ بخشے گا لیکن شرک نہیں۔

ترجمہ: ’’بیشک اللہ سب گناہ بخش دے گا۔‘‘ (سورۂ الزمر، آیت نمبر 53)

ترجمہ: ’’اللہ شرک نہیں بخشے گا۔‘‘ (سورۂ النساء، آیت نمبر 116)

معترض نے دو آیات پیش کر کے تضاد ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

پہلی یہ کہ اللہ نے قرآن میں فرمایا بیشک اللہ سب گناہ بخش دے گا۔

اور دوسری جگہ فرمایا کہ اللہ شرک نہیں بخشے گا۔

اب بھلا اس میں کون سا تضاد ہو گیا؟ سوائے معترض کی سمجھ کے ہم ترجمہ درج کرنے بعد جواب تحریر کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ-اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا-اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۵۳)

ترجمہ: ’’تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

(سورۂ الزمر، آیت نمبر 53)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ-وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا (۱۱۶)

ترجمہ: ’’اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا۔‘‘

(سورۂ النساء، آیت نمبر 116)

بندر جیسی عقل رکھنے والے ملحد کو قرآن کی غرض و غایت بھلا کہاں سے سمجھ آ جائے

(نوٹ) اس اعتراض کا جواب ہم اعتراض نمبر 21 میں دے چکے ہیں قارئین اعتراض نمبر 21

میں تفصیل سے جواب ملاحظہ فرمائیں۔یہاں ہم مختصر وضاحت کیے دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ-اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا-اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۵۳)

ترجمہ:''تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بیشک وہی بخشنے والامہربان ہے۔''

(سورۂ الزمر،آیت نمبر 53)

اس آیت میں ان لوگوں کو نوید رحمت دی جارہی ہے جو عمر بھر اپنے اُوپر زیادتیاں کرتے رہے۔جن کے شب وروز فسق وفجور میں بسر ہوتے رہے۔جنہوں نے کفروشرک کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو بالکل برباد کردیا۔ایسے لوگوں کو کہا جارہا ہے کہ آؤ میری رحمت کا دروازہ تمہارے لئے کھلا ہوا ہے۔اگر تم سچے دل سے تائب ہوکر نئی اور پاکیزہ زندگی شروع کرنے کا عزم کر چکے ہو تو تمہارے گناہ بیشمار اور نہایت سنگین کیوں نہ ہوں،معاف کردیئے جائیں گے۔تمہیں یہاں سے مایوس نہیں لوٹایا جائے گا۔

حدیث پاک میں اس کا شان نزول اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس (رض) فرماتے ہیں کہ چند مشرک جنہوں نے سابقہ زندگی میں بکثرت قتل کئے تھے اور بکثرت زنا کا ارتکاب کیا تھا۔حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں آئے اور عرض کرنے لگے کہ جو آپ فرماتے ہیں اور جس چیز کی دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھی ہے۔لیکن آج سے قبل ہم اتنے گناہ کر چکے ہیں جن کی بخشش کی کوئی صورت نہیں۔کیا آپ اس کے کفارہ سے ہمیں آگاہ فرما سکتے ہیں۔یعنی مقصد یہ تھا کہ اگر ہم اسلام قبول کرلیں تو کیا ہمیں ہمارے سابقہ گناہوں پر تو عذاب نہ ہوگا۔اگر اسلام لانے کے بعد بھی ہم جہنم میں جھونک دیئے جائیں تو ہمیں اپنے آبائی دین کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

اب ہم آتے ہیں دوسری آیت کی طرف:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ-وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا (۱۱۶)

ترجمہ:''اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے

چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا۔''

(سورۃ النساء، آیت نمبر 116)

اس آیت میں بغیر توبہ کیے مرنے والے کا بیان ہے کہ اللہ کریم اپنے فضل و کرم سے تمام گناہ معاف فرما سکتا ہے مگر شرک نہیں معاف کرے گا، یعنی جو شخص موت کے مرحلہ سکرات سے پہلے پہلے اللہ پہ ایمان لے آئے تو توبہ قبول ہوگی اور معافی اللہ کی عنایت سے مل جائے گی لیکن اگر کفر و شرک پہ موت ہوئی تو پھر اس ظلمِ عظیم پہ معافی نہ دی جائے گی۔ لہٰذا اس میں کوئی تضاد نہیں۔
وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 54 کا جواب
ربّ کی باتیں بدلتی نہیں، منسوخ ہوجاتی ہیں۔

ترجمہ: ''کوئی رب کی باتوں کو بدل نہیں سکتا۔'' (سورۂ الانعام، آیت نمبر 115)

ترجمہ: ''ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر لاتے ہیں۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 106)

معترض نے اس اعتراض میں بھی دو آیات پیش کی ہیں جن میں پہلی یہ کہ اللہ فرما رہا ہے، کوئی رب کی باتوں کو بدل نہیں سکتا، جبکہ دوسری میں اللہ فرما رہا ہے، ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر لاتے ہیں، لہٰذا قرآن میں تضاد ہے۔ ہم آیات کا ترجمہ درج کر جواب لکھتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا-لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖۚ-وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ(۱۱۵)

ترجمہ: ''اور پوری ہے تیرے رب کی بات سچ اور انصاف میں اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی ہے سنتا جانتا۔'' (سورۂ الانعام، آیت نمبر 115)

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا-اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ(۱۰۶)

ترجمہ: ''جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 106)

معترض کو ہر بات میں اس قدر تضاد نظر آتا ہے کہ مجھے لگتا ہے کہ معترض کو اپنے پیدا ہونے میں بھی تضاد معلوم ہوتا ہوگا کہ وہ ماں کے شکم سے پیدا ہوا ہے یا باپ کے۔ معترض نے سب سے پہلے جس آیت کو سیاق وسباق سے ہٹ کر پیش کیا ہے میں اس آیت کو سیاق وسباق سے درج کر کے وضاحت کرتا ہوں جس کے بعد آپ کو معترض کے دجل کا اندازہ ہوجائے گا۔ ملاحظہ فرمائیں:

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا-وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ(۱۱۴)اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا-وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ(۱۱۴)وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ-اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ(۱۱۶)

ترجمہ:''تو کیا اللہ کے سوا میں کسی اور کا فیصلہ چاہوں، اور وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب اُتاری اور جن کو ہم نے کتاب دی۔وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے سچ اُترا ہے تو اے سننے والے تو ہرگز شک والوں میں نہ ہو۔اور پوری ہے تیرے رب کی بات سچ اور انصاف میں اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی ہے سنتا جانتا۔اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کہے پر چلے تو تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں وہ صرف گمان کے پیچھے ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔''(سورۃ الانعام، آیت نمبر 114 تا 116)

آیت نمبر 114 کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والوں کو تلاش کروں حالانکہ اللہ ہی نے تو تمہارے پاس ایک مفصل (کامل) کتاب بھیج دی ہے جو تفصیل وار ہے **افغیر**: میں فاء عطف کے لئے ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے یعنی کیا میں تمہاری بات مان لوں اور اپنے تمہارے درمیان اللہ کے اور اپنے تمہارے درمیان اللہ کے سوا کسی اور حکم بنالوں جو فیصلہ کرے کہ ہم میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے حالانکہ اللہ نے قرآن تمہارے پاس بھیج دیا ہے جو بجائے خود معجز ہے، اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ آپ کے رب کا کلمہ صدق اور عدل کے اعتبار سے پورا ہوگیا۔یعنی قرآن مجید جو معجز کلام ہے' وہ پورا ہوگیا' جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وسلم) کے صدق پر دلالت کرتا ہے۔

معترض کی پیش کردہ دوسری آیت ملاحظہ فرمائیں:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا-اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ(۱۰۶)

ترجمہ:''جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے کیا

تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔'' (سورۂ الانعام، آیت نمبر 115)

اور اس میں پہلی آیت جو ملحد نے پیش کی اس میں اللہ کریم نے یہ فرمایا کہ کوئی اور نہیں اللہ کی باتوں کو بدل سکتا یہ کب فرمایا کہ خود اللہ بھی اس پہ قدرت نہیں رکھتا تعارض تو تب ثابت ہوتا جب اللہ فرماتا کہ میں بھی نہیں بدل سکتا حالانکہ اس سے اگلی آیت میں اللہ نے اس شک کو جو آج بھی کج ذہنوں میں پیدا ہوا ہے کو واضح فرمادیا۔

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَآ اَوۡ مِثۡلِهَا۔اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ (١٠٦)

ترجمہ: ''جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلادیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔''

کہ اللہ تو ہر شے پہ قادر ہے۔

ملحد، دین اسلام میں طعن کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے رہا اس لیے ادھر اُدھر کی ہانک کر اعتراض پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس آیت میں گزشتہ حکم منسوخ کرنے کے بارے میں فرمایا گیا ہے جب کہ معترض ناسخ و منسوخ کے اُصول سے واقف نہیں ہے۔

(نوٹ اس پر جامع کلام ہم اعتراض نمبر 21، اور 47 میں کر چکے ہیں قارئین وہیں ملاحظہ فرمائیں)

لہٰذا دونوں آیات کی وضاحت کے بعد ثابت ہوا ان دونوں آیات میں کوئی تعارض نہیں

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 55 کا جواب
ابلیس فرشتہ تھا یا جن؟

ترجمہ: ''ابلیس فرشتہ تھا۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 34)

ترجمہ: ''ابلیس جن تھا۔'' (سورۂ الکھف، آیت نمبر 50)

معترض نے دو آیات پیش کر کے تضاد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ پہلی یہ کہ اللہ نے فرمایا ابلیس فرشتہ تھا، دوسری ابلیس جن تھا۔ لہٰذا قرآن میں تضاد ہے۔ ہم جواب عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ-اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ(۳۴)

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 34)

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ-كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ-اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّیَّتَهٗۤ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ-بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا(۵۰)

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جو قومِ جن سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے نکل گیا بھلا کیا اسے اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو اور وہ تمہارے دشمن ہیں ظالموں کو کیا ہی برا بدل ملا۔''

(سورۂ الکھف، آیت نمبر 50)

معترض کاش بنیادی باتوں اور اُصول وضوابط سے کچھ واقفیت حاصل کر لیتا اور اس کے ساتھ ساتھ قرانِ حکیم کا مکمل مطالعہ کر لیتا تو وہ اس جسارت پہ کبھی آمادہ نہ ہوتا آئیں معترض کے پیش کردہ تعارض کا جائزہ لیتے ہیں:

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ-اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ(۳۴)

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔'' (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 34)

معترض کا ماننا ہے کہ اس آیت کے مطابق شیطان ، فرشتہ تھا۔ عجب منطق ہے اس آیت میں تو ایسا کچھ ہے ہی نہیں سوائے اس کے کہ اللہ کریم نے فرشتوں کی جماعت کو سجدے کا حکم دیا۔ آدم علیہ السلام کے لیے اس جماعت میں ابلیس بھی تھا چونکہ زیادہ تعداد میں ملائکہ تھے اور ابلیس اسی میں تھا اس لیے اللہ نے کثرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکم فرمایا اور یہ کلیہ بھی ہے کہ اکثریت کا غلبہ خطاب میں بھی رہتا ہے۔ اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ اس پوری جماعتِ ملائکہ، جس میں ابلیس جن بھی موجود تھا، سجدے کا حکم دیا گیا ہے اس سے یہ کہیں بھی نہیں ثابت ہوتا کہ شیطان بھی فرشتہ تھا۔ اس کو تھوڑا سمجھنے کے لیے آسان کر لیتے ہیں دو جملے ملاحظہ فرمائیں۔

1 ۔ ابلیس فرشتوں میں تھا (جماعت کے طور پہ)

2 ۔ ابلیس فرشتوں میں سے تھا (جنس کے طور پہ)

ان دونوں جملوں کا جائزہ لیتے ہیں قرآن کے ضمن میں سے اب وہی تفصیل سورۂ کہف کی آیت نمبر 50 میں صراحت کے ساتھ دیکھ لیں جو سورۂ البقرہ میں اجمال کے ساتھ تھی۔ اور یہی آیت معترض نے پیش کی حالانکہ اس میں خود صریحاً جواب موجود ہے:

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ-كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ-اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ-بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا(۵۰)

ترجمہ: ''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔ کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں (اور شیطان کی دوستی) ظالموں کے لئے (خدا کی دوستی کا) برا بدل ہے۔''

اب میرے ان دو جملوں کو بھی جانچ لیں جو بحیثیت جماعت یا جنس کے اس آیت کے

ضمن میں صرف سمجھانے کے لیے بیان کیے تھے اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ ابلیس جماعتِ ملائکہ کے ساتھ مقیم تھا مگر جنس میں آیت نے واضح کر دیا کہ یہ جن تھا۔مزید صراحت کے لیے خود ابلیس کی زبان کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں تا کہ معترض اپنے آقا ابلیس کی بات پہ خود یقین کر لے۔

سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 12,11 میں خود دیکھ لیں اس نے سجدہ نہ کرنے کی عناصر منطق بھی بیان کی جو خود اس کے پیدائشیءعنصر کا بیان ہے جو جنات کا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ لَمْ يَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ

ترجمہ:''اورہم نے تم سب کو پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں مقرر کیں۔اس کے بعد ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں تو سب نے سجدہ کرلیا صرف ابلیس نے انکار کر دیا اور وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ہوا۔''

قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ (12)

ترجمہ:''ارشاد ہوا کہ تجھے کس چیز نے روکا تھا کہ تو نے میرے حکم کے بعد بھی سجدہ نہیں کیا۔اس نے کہا کہ میں ان سے بہتر ہوں۔تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور انہیں خاک سے بنایا۔''

(سورۃ الاعراف،آیت نمبر 12,11)

لفظوں پہ غور کریں جناب معترض ''خلقتنی من نار'' مجھے آگ سے پیدا کیا گیا۔اب یہ تو جناب کے آقا کا خود کا استدلال ہے۔اب بھی اگر آپ کو اس میں کوئی ابہام ہے تو پھر قارئین بہت عقل والے ہیں وہ آپ کی مرض کو سمجھ گئے ہوں گے۔کاش کہ آپ بھی سمجھ رکھتے اللہ ہمیں سمجھ کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 56 کا جواب
انسان کس چیز سے بنا؟۔

ترجمہ: ''انسان پانی سے بنایا گیا۔'' (سورۃ الفرقان، آیت نمبر 54)

ترجمہ: ''مٹی سے بنایا۔'' (سورۃ الانعام، آیت نمبر 2)

ترجمہ: '' گارے سے بنایا۔'' (سورۃ الحجر، آیت نمبر 26)

ترجمہ: ''زمین سے سبزے کی طرح اُگایا۔'' (سورۃ النوح، آیت نمبر 16)

ترجمہ: '' جمے ہوے خون سے پیدا کیا۔'' (سورۃ العلق، آیت نمبر 2)

ترجمہ: ''کسی بھی چیز سے نہیں بنایا۔'' (سورۃ المریم، آیت نمبر 67)

معترض نے انسان کی تخلیق کو لے کر چند آیات لے کر قرآن میں تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہم معترض کی پیش کردہ تمام آیات کا متن ترجمہ درج کر کے اعتراض کا جائزہ لیتے ہیں۔

وَ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ مِنَ الۡمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهۡرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیۡرًا (۵۴)

ترجمہ: ''اور وہی ہے جس نے پانی سے بنایا آدمی پھر اس کے رشتے اور سسرال مقرر کی اور تمہارا رب قدرت والا ہے۔ (سورۃ الفرقان، آیت نمبر 54)

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنۡدَهٗ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ (۲)

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک میعاد کا حکم رکھا اور ایک مقرر وعدہ اس کے یہاں ہے پھر تم لوگ شک کرتے ہو۔'' (سورۃ الانعام، آیت نمبر 2)

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ (۲۶)

ترجمہ: ''اور بیشک ہم نے آدمی کو بجتی ہوئی مٹی سے بنایا جو اصل میں ایک سیاہ بودار گارا تھی۔''

(سورۃ الحجر، آیت نمبر 26)

وَ اللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًاۙ

ترجمہ: ''اور اللہ نے تمہیں سبزے کی طرح زمین سے اُگایا۔'' (سورۃ النوح، آیت نمبر 16)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍۚ (۲)

ترجمہ: ''آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا۔'' (سورۃ العلق، آیت نمبر 2)

اَوَلَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْــٴًـا (۶۷)

ترجمہ: ''اور کیا آدمی کو یاد نہیں کہ ہم نے اس سے پہلے اسے بنایا اور وہ کچھ نہ تھا۔''

(سورۃ المریم، آیت نمبر 67)

معترض نے اُوپر چند آیات پیش کیں کہ ان میں تضاد ہے آئیں مرحلہ وار ان کا جائزہ لیں:

اَوَلَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْــٴًـا (۶۷)

ترجمہ: ''اور کیا آدمی کو یاد نہیں کہ ہم نے اس سے پہلے اسے بنایا اور وہ کچھ نہ تھا۔''

(سورۃ المریم، آیت نمبر 67)

اس آیت سے معترض کہتا ہے کہ انسان کو کسی شے سے پیدا نہیں کیا گیا جناب پوری کائنات کی تخلیق عدم (Nothinness) سے ہوئی ہے اللہ نے ہر شے کو عدم سے پیدا فرمایا ہے جیسا کہ آیت کے لفظ و معنی ہیں کہ ''من قبل ولم یك شیئیا'' اس سے پہلے وہ کچھ نہ تھا یعنی (Nothingness) ایک اور آیت اس سورۃ الدہر جسے سورۃ الانسان بھی کہا جاتا ہے ملاحظہ فرمائیں:

هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا (1)

ترجمہ: ''بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھی۔''

یہی مضمون سورۃ مریم میں بیان ہوا ہے اب اس کے بعد جب یہ تخلیق کا سلسلہ ہے اس میں دو رائے علماء میں عام ہیں:

1- امر

2- تخلیق وارتقاء

مگر علماء کا اس میں اتفاق ہے کہ اللہ دونوں پہ قادرِ مطلق ہے۔ اور دُوسرا ارتقاء کے حوالے سے بھی۔ علماء کا ارتقاء سے مراد ڈارون والا ارتقاء نہیں بلکہ آدمی بحیثیت انسان شروع سے آخر تک مختلف مراحل سے گزرنا اور اس پہ اللہ رب العزت کا ربوبیت کی صفت کا عیاں ہونا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہی فرمائی اس مٹی کی مختلف صورتوں سے گزرنا اور مرحلہ وار کیمیاوی طور پہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنا قبل از حیات اس کا ذکر قرآن نے مختلف موقعوں پہ بیان کیا ہے۔

اس میں مٹی کا ذکر مختلف حالتوں میں بیان اس طرح ہوا ہے۔

1-تراب 2- طین 3- طین لازب 4 صلصال من حماء مسنون 5- صلصال کالفخار 6سلالۃ من طین

اس طرح مٹی کی خشک حالت کے بعد گارے والی مٹی ظاہر ہے یہ گارا پانی کے بغیر تو ممکن نہیں، اس لیے ایک آیت میں پانی سے بھی پیدا کرنے کا ذکر فرما دیا۔ اب یہ طین لازب یعنی چپکنے والی مٹی بن گئی پھر اب یہ صلصال کی شکل جو آواز دیتی ہے ظاہر بات ہے اس کو جب آگ کی تپش پہنچتی ہے تو یہ صلصال من حماء مسنون حماء کا معنی ہی تپش، بخار اور حرارت کے ہیں۔ اس کے بعد یہ صلصال کالفخار پختہ ہو کے کھنکنے لگی اب اس میں کتنا وقت لگا اللہ جانتا ہے اللہ کے ہاں یہ وقت صرف کن فرمانے کا ہے اور ہوسکتا ہے ہمارے یہاں یہ کڑوں سالوں پہ محیط ہو کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وقت ایک اضافی شے ہے۔

خیر یہ تو بیان ہے پیدائشِ انسانی کا اس وقت سے جب وہ کچھ نہ تھا اور پھر اسے کچھ بنایا گیا اور یوں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اس کے بعد انسانی پیدائش کو ایک اور طریق سے جاری فرما دیا گیا اس عالم خلق میں وہ ہے تولیدی سلسلہ جس میں ایک مرد اور ایک عورت کے اخطلاط سے نسلِ انسانی کا اجراء کیا گیا جیسا کہ بہت سی آیات اس پہ بھی دلالت کرتی ہیں۔

وَ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ مِنَ الۡمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهۡرًا ؕ وَ کَانَ رَبُّكَ قَدِیۡرًا (۵۴)

ترجمہ: ''اور وہی ہے جس نے پانی سے بنایا آدمی پھر اس کے رشتے اور سسرال مقرر کی اور تمہارا رب قدرت والا ہے۔'' (سورۃ الفرقان، آیت نمبر 54)

کیونکہ اس میں پانی سے مطلق بھی اور نطفہ دونوں مراد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن

آیت کا قرینہ کہ اس کا نسب اور سسرال مقرر کیا نطفہ ہی کی طرف اشارہ ہے۔ مزید آیات ملاحظہ کیجئے:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ (5) (سورۃ الطارق)

ترجمہ: ''پس انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔''

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ (6)

ترجمہ: ''ایک اُچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔''

يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ (7)

ترجمہ: ''جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔''

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (2)

ترجمہ: ''بے شک ہم نے انسان کو ایک مرکب بوند سے پیدا کیا، ہم اس کی آزمائش کرنا چاہتے تھے پس ہم نے اسے سننے والا دیکھنے والا بنا دیا۔'' (سورۃ الدہر)

اس سے پہلے کہ میں آگے بڑھوں ایک احتمال جو معترض کے لیے کافی وشافی ہے یہاں بھی بیان کیے دیتا ہوں کہ اس نطفے کی اصل حقیقت پر بھی قبل نطفہ بننے کے غور کیا جائے تو وہی مٹی کے اجزاء اور عناصر جو خوراک اور غذائیت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں زمین ہی سے پیدا ہوتے ہیں جن کا اگر آپ تجزیہ کرتے جائے تو وہ انہیں بنیادی تخلیقی عناصر میں منقسم ہو جائیں گے۔

تو درحقیقت نطفہ کے بننے کے پہلے مرحلے میں بھی یہ زمین کی مختلف حالتوں اور مختلف غذاؤں سے انسانی جسم میں کیموس، کیلوس، خون اور پھر نطفہ میں تبدیل ہونا عقل والوں کے لیے نشانیاں ہے۔

اس کے بعد یعنی تولیدی نظام میں نطفہ جیسے بادیگر الفاظ تخم بھی کہا جاتا ہے کے بعد کرار مکین یعنی ایک زمین یعنی رِحم (یوٹرس) کو بنایا جس کا ذکر دیگر آیات میں آیا ہے جسے معترض تضاد سمجھ بیٹھا ہے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ سورہ علق کا مطالعہ اس ضمن میں جسے میڈیکل سائنس ''ایمبریولوجی'' یا ''علم الجنین'' کے نام سے موسوم کرتی ہے، بڑا اہم ہے آیئے اسے دیکھ لیں۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (2)

ترجمہ: ''جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔''

اس کے بعد سورۃ المومنون کو پڑھ لیں جس میں نطفے کے بننے سے پہلے مرحلے سے لے کر جنین کی نشونما اور مراحل کی تفصیل ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ

ترجمہ: ''یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔''

ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ

ترجمہ: ''پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں ''قرار دے دیا۔''

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ

ترجمہ: ''پھر نطفہ کو ہم نے جما ہوا خون بنا دیا، پھر اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا۔ پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنا دیں، پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنا دیا، پھر دوسری بناوٹ میں اس کو پیدا کر دیا۔ برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے۔''

اب میں آتا ہوا اس آیت کی طرف جس میں اللہ تعالیٰ نے انسانی پیدائش کو نباتات کے بلیغ استعارے سے اہل عقل کے لیے نشان بنایا آیت ملاحظہ فرمائے:

وَاللَّهُ أَنبَتَكُم مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا

ترجمہ: ''اور اللہ نے تمہیں سبزے کی طرح زمین سے اُگایا۔''

اب پوری تخلیقِ انسانی کے تولیدی مرحلے کو ذہن میں رکھیے۔ نطفہ جو تخم اور بیج کی مانند ہے عورت کی رِحم زمین کی مانند اور بچے کی پیدائش اس بیج سے پیدا ہونے والے بچے کو زمین سے پیدا ہونے والے بلیغ اشارے سے کس فصاحت و بلاغت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ قرانِ مجید نے خود عورتوں کو مرد کی کھیتیاں قرار دیا ہے آیئے آیتِ مبارکہ جس میں اس کا بیان ہے دیکھیے:

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ

ترجمہ: ''عورتیں تمہاری کھیتیاں [۲۹۸] ہیں۔''

اس اشارے کے بعد کہ تمہاری کھیتیاں ہیں اور مرد کا نطفہ تخم اور بچے کا رِحم سے نافا کے ذریعے جڑ بنا کر اپنی غذا لینا جو کہ پیدائش کے وقت کاٹ دیا جاتا ہے اور جو سکڑنے کے بعد ہماری ناف کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ اس پورے مظاہر میں اللہ انسانی پیدائش کو بھی زمین سے پودے

اُگنے کی مانند قرار دے تو اس میں کیا چیز مانع ہے۔

اس طرح اگر ملحد آیات کا درست سیاق وسباق اور مکمل علم حاصل کرتا تو وہ اللہ کے تبارک اللہ احسن الخالقین کا مژدہ سناتا نہ کہ اعتراض کرتا۔ اللہ کریم سمجھ کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وماتوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 57 کا جواب
شراب شیطانی کام لیکن جنّت میں پلائی جائے گی۔

ترجمہ: ’’شراب پینا شیطانی کام ہے۔‘
(سورۂ المائدہ، آیت نمبر 90) (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 219)
ترجمہ: ’’جنت میں شراب کی نہریں ہیں۔‘‘ (سورۂ محمد، آیت نمبر 15)
ترجمہ: ’’انکو مہر لگی ہوئی شراب پلائی جائیگی۔‘‘ (سورۂ المطففین، آیت نمبر 25)
ترجمہ: ’’شراب کا ذکر اللہ کی نعمتوں کے ساتھ کیا گیا۔‘‘ (سورۂ النحل، آیت نمبر 67)

معترض نے شراب کی حرمت اور جنت میں شراب ہونے کے تعلق سے چند آیات پیش کر کے تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ ہم سلسلہ وار آیات کا ترجمہ درج کر کے اعتراض کا جائزہ لیتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (90)

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ۔‘‘ (سورۂ المائدہ، آیت نمبر 90)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ-قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ-وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا-وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ-قُلِ الْعَفْوَ- كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ (۲۱۹)

ترجمہ: ’’تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں تم فرما دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ دنیوی نفع بھی اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے اور تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں تم فرماؤ جو فاضل بچے اسی طرح اللہ تم سے آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم۔‘‘

(سورۂ البقرہ، آیت نمبر 219)

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ-فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ-وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ-وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ﳛ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى-وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ-كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ(۱۵)

ترجمہ: ''احوال اس جنت کا جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے ہے اس میں ایسی پانی کی نہریں ہیں جو کبھی نہ بگڑے اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہ بدلا اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جس کے پینے میں لذت ہے اور ایسی شہد کی نہریں ہیں جو صاف کیا گیا اور ان کے لیے اس میں ہر قسم کے پھل ہیں اور اپنے رب کی مغفرت کیا ایسے چین والے ان کے برابر ہو جائیں گے جنہیں ہمیشہ آگ میں رہنا اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے کہ آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔''

(سورۂ محمد، آیت نمبر 15)

یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ(۲۵)

ترجمہ: ''ان کو خالص شراب مہر لگی ہوئی پلائی جائے گی۔'' (سورۂ المطففین، آیت نمبر 25)

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَاۤ اَىٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ(۶۷)

ترجمہ: ''اور کافر بولے کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے کیا ہم پھر نکالے جائیں گے۔'' (سورۂ النحل، آیت نمبر 67)

معترض نے لفظ شراب جو کہ اردو ترجمہ ہے، کو سامنے رکھ کر قرآن مجید میں تضاد ہونے کے بہتان کو تھونپ دیا، اللہ محفوظ فرمائے۔ اب کیا کر سکتے ہیں کہ معترض تضاد کے بنیادی اُصولوں سے بھی واقف نہیں ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کی طرح سارے لوگ عقل کے اندھے ہیں۔ مختلف مواقع اور مختلف چیزوں کے اگر نام ایک جیسے ہوں مگر ان کے اجزاء یا خواص مختلف ہوں تو باوجود ناموں کے ایک ہونے سے اشیاء ایک نہیں ہوتیں۔

دوسرا اکثر پینے والی اشیاء کو عربی میں مشروب ثلاثی مجرد سے شرب اور شراب کہہ دیا جاتا ہے ان دو بنیادی باتوں کو ذہن نشین کر لینے کے بعد ہم معترض کے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔

سورۂ المائدہ کی آیت میں جس شراب کا ذکر کیا گیا ہے اور اسے عملِ شیطان قرار دیا گیا

ہے اس کے خوائص ملاحظہ فرمائیں اور پھر نتائج تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوسکے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (90)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں سوان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ۔'' (سورۂ المائدہ، آیت نمبر 90)

انگوری شراب جسے خمر کہتے ہیں، نجس بھی ہے اور حرام قطعی بھی نشہ دے یا نہ دے۔ مطلقاً حرام ہے۔ عرب میں شراب کا عام رواج تھا۔ گنتی کے چند آدمیوں کے سوا سب اس کے متوالے تھے۔ شراب جو ان گنت جسمانی اور روحانی بیماریوں کا سبب، اخلاقی اور معاشی خرابیوں کی جڑ اور فتنہ وفساد کی علت ہے اسلام کے پاکیزہ نظام حیات میں اس کی کیوں کر گنجائش ہوسکتی تھی۔ سورۂ المائدہ اگلی آیت ملاحظہ فرمائیں:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (91)

ترجمہ: ''شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تم میں دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روکے، سو اب بھی باز آجاؤ۔''

(سورۂ المائدہ، آیت نمبر 91)

اب ان خواص اور ان نتائج پیدا کرنے والے تمام مشروبات کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

اس آیت میں شراب اور جوئے کے نتائج اور وبال بیان فرمائے گئے کہ شراب خوری اور جوئے بازی کا ظاہری دنیوی وبال تو یہ ہے کہ اس سے آپس میں بغض اور عداوتیں پیدا ہوتی ہیں جبکہ ظاہری دینی وبال یہ ہے کہ جو شخص ان برائیوں میں مبتلا ہو وہ ذکر الٰہی اور نماز کے اوقات کی پابندی سے محروم ہوجاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے شراب کو قطعی حرام کردیا۔ لیکن حرمت کا حکم آہستہ آہستہ اور تدریجاً نازل ہوا تا کہ لوگوں کو اس پر عمل کرنا آسان ہوجائے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں صرف اتنا ارشاد ہوا:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ - قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ -

ترجمہ: ''تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں

کے کچھ دنیوی نفع بھی۔‘‘ (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 219)

اس کے بعد اس شراب کے متعلق جس سے حواس مختل ہو جاتے ہیں فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ.

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ یہاں تک کہ تم وہ بات سمجھنے لگو جو کہتے ہو۔‘‘ (سورۂ النساء، آیت نمبر 43)

اس آیت کے بعد مطلق شراب کو حرام کر دیا گیا، جیسا کہ اُوپر سورۂ مائدہ کی آیت میں بیان ہوا ہے۔ اب چونکہ میں نے یہ بھی بنیادی مقدمے میں بات کی تھی کہ ہر نوش آور چیز پہ بھی مشروب یا شراب کا عنوان عام ہے کیسے اس کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔

ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ

ترجمہ: ’’اور ہر طرح کے میوے کھا اور اپنے رب کی آسان راہوں میں چلتی پھرتی رہ، ان کے پیٹ سے رنگ برنگ کا مشروب نکلتا ہے*، جس کے رنگ مختلف ہیں اور جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں بھی بہت بڑی نشانی ہے۔‘‘

(سورۂ النحل، آیت نمبر 69)

اس میں شہد کے لیے جو لفظ ہے قابلِ غور ہے **یخرج من بطونها شراب**۔

اب اس پہ تو شراب کا اطلاق نہ ہوگا کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو نام کے ایک ہونے سے ان پہ یکساں فیصلہ کر دے گا، اب معترض نے جو نحل کی ایک آیت پیش کی تھی وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

وَمِن ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ

ترجمہ: ’’اور کھجور اور انگور کے پھلوں میں سے کہ اس سے نبیذ بناتے ہو اور اچھا رزق بیشک اس میں نشانی ہے عقل والوں کو۔‘‘ (سورۂ النحل، آیت نمبر 67)

یہ آیت اس وقت اُتری تھی جب شراب حرام نہیں تھی، اس لئے حلال چیزوں کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے، لیکن اس میں **سَكَرًا** کے بعد **رِزْقًا حَسَنًا** ہے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شراب رزق حسن نہیں ہے۔ نیز یہ سورت مکی ہے۔ جس میں شراب کے بارے

میں ناپسندیدگی کا اظہار ہے۔ پھر مدنی سورتوں میں بتدریج اس کی حرمت نازل ہوگئی۔

اب آجائیں جنت کے مشروبات یا شراب کی طرف ان میں اس طرح کا کوئی خاصہ نہ ہوگا جس سے انسان بہک جائے یا اللہ کی یاد سے غافل ہوجائے اس میں تو کستوری کی مہک ومہراور تسنیم کا مزاج ادرک وکافور کا ذائقہ جس کا ذکر قران کی بے شمار آیات میں ہوا ہے ان کے خواص ہرگز ہرگز بھٹکانے والے نہ ہوگے تو پھر یہ کہنا کہ یہ شراب اور وہ دونوں ایک ہی ہیں، بے عقلوں کا ہی کام ہوسکتا ہے، اس میں تو عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں آئیں ان آیات کا تذکرہ بھی یہاں کردیا جائے تاکہ قارئین پہ بات عیاں ہوجائے:

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ (۲۵) خِتٰمُهٗ مِسْكٌ وَ فِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (۲۶) وَ مِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ (۲۷) عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ (۲۸)

ترجمہ:''ان کو خالص شراب پلائی جائے گی جو مُہر کی ہوئی رکھی ہے۔ اس کی مہر مشک پر ہے اور اسی پر چاہیے کہ للچائیں للچانے والے اور اس کی ملونی تسنیم سے ہے وہ چشمہ جس سے مُقرّبانِ بارگاہ پیتے ہیں۔(سورۂ المطففین، آیت نمبر 25 تا 28)

اس کے بعد اس شرابِ طہور کی خاصیت وخواص خود قران کی زبانی سنیے تاکہ بات واضح ہو جائے کہ وہ کون کونسی بنیادی مشترکات ہیں جن سے دو اشیاء کے ایک ہونے کا حکم صادق آتا ہے۔ واضح سی بات ہے کہ بہشت کی شراب کا اس دُنیا کی غلیظ اور نجس شراب سے کسی قسم کا کوئی رابطہ اور واسطہ نہیں ہے، جیسا کہ قرآن مجید ایک اور مقام پر اس شراب بہشت کی یُوں تعریف کرتا ہے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ (۴۵) بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ (۴۶) لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ (۴۷)

ترجمہ:''ان پر دورہ ہوگا نگاہ کے سامنے بہتی شراب کے جام کا۔ سفید رنگ پینے والوں کے لیے لذت۔ نہ اس میں خُمار ہے اور نہ اس سے ان کا سر پھرے۔''

(سورۂ صافّات، آیت نمبر 45 تا 47)

ان آیات میں ایمان والے مخلص بندوں کو جنت میں ملنے والی شراب اور اس کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں، چنانچہ ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ جنتی شراب کی پاکیزہ نہریں ان کی نگاہوں

کے سامنے جاری ہوں گی اور وہ خالص شراب ہوگی جس کے جام کے ان پر دَور ہوں گے، اس شراب کے اوصاف یہ ہیں۔

(1) دودھ سے بھی زیادہ سفید رنگ کی شراب ہوگی۔

(2) پینے والوں کے لیے لذت بخش ہوگی، جبکہ دنیا کی شراب میں یہ وصف نہیں بلکہ وہ بدبودار اور بدذائقہ ہوتی ہے اور پینے والا اس کو پیتے وقت منہ بگاڑتا رہتا ہے۔

(3) جنتی شراب میں خُمار نہیں ہے جس سے عقل میں خَلَل آئے۔

(4) جنتی اس شراب سے نشے میں نہیں آئیں گے۔ جبکہ دنیا کی شراب میں یہ اوصاف نہیں بلکہ اس میں بہت سے فسادات اور عیب ہیں، اس سے پیٹ میں بھی درد ہوتا ہے اور سر میں بھی، پیشاب میں بھی تکلیف ہوجاتی ہے، طبیعت متلانے لگتی ہے، قے آتی ہے، سر چکراتا ہے اور عقل ٹھکانے نہیں رہتی۔(خازن، والصافات، تحت الآیۃ: ۴۵-۴۷، ۴ / ۱۷-۱۸، جلالین، الصافات، تحت الآیۃ: ۴۵-۴۷، ص ۳۷۵، ملتقطاً)

میں نے جیسا کہ ابتداء میں ہی بتادیا تھا کہ نہ تو ان کے اجزاء دنیا والے، نہ خواص دنیا کی شراب والے اور نہ ہی نتائج تو پھر اشتراک کہاں سے اور کیونکر

اللہ سمجھ عطا فرمائے

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 58 کا جواب کیا ایک سے زیادہ بیویوں سے انصاف کرنا ممکن ھے؟

ترجمہ: ''بیویوں میں انصاف کرسکو تو دو تین چار نکاح کرو۔'' (سورۃ النساء، آیت نمبر 3)

ترجمہ: ''تم ہرگز بیویوں میں انصاف نہیں کرسکتے۔'' (سورۃ النساء، آیت نمبر 129)

ان آیات کو پیش کر کے معترض کا وہم وگمان ہے کہ تضاد نکل آیا ہے الحفیظ والامان آئیں ان آیات کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَۃً اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَلَّا تَعُوۡلُوۡا (۳)

ترجمہ: ''اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرو گے تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار پھر اگر ڈرو کہ دو بیبیوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو یا کنیزیں جن کے تم مالک ہو یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو۔''

(سورۃ النساء، آیت نمبر 3)

وَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَیۡنَ النِّسَآءِ وَ لَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِیۡلُوۡا کُلَّ الۡمَیۡلِ فَتَذَرُوۡهَا کَالۡمُعَلَّقَۃِ ؕ وَ اِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا (۱۲۹)

ترجمہ: ''اور تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کو برابر رکھو چاہے کتنی ہی حرص کرو تو یہ تو نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ کہ دوسری کو اَدھر میں لٹکتی چھوڑ دو اور اگر تم نیکی اور پرہیزگاری کرو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ النساء، آیت نمبر 129)

سورۃ النساء، آیت نمبر 3 میں اللہ کریم نے فرمایا، اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے تو اور عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کرلو،

دو دو، تین تین، چار چار سے، لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے یا تمہاری ملکیت کی لونڈی یہ زیادہ قریب ہے، کہ (ایسا کرنے سے ناانصافی اور) ایک طرف جھک پڑنے سے بچ جاؤ۔

اس کی تفسیر حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے اس طرح مروی ہے کہ صاحب حیثیت اور صاحب جمال یتیم لڑکی کسی ولی کے زیر پرورش ہوتی تو وہ اس کے مال اور حسن و جمال کی وجہ سے اس سے شادی تو کر لیتا لیکن اس کو دوسری عورتوں کی طرح پورا حق مہر نہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظلم سے روکا، کہ اگر تم گھر کی یتیم بچیوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے تو تم ان سے نکاح ہی مت کرو، تمہارے لئے دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کا راستہ کھلا ہے (صحیح بخاری، کتاب التفسیر) بلکہ ایک کے بجائے دو سے تین سے حتیٰ کہ چار عورتوں تک سے تم نکاح کر سکتے ہو، بشرطیکہ ان کے درمیان انصاف کے تقاضے پورے کر سکو، ورنہ ایک سے ہی نکاح کرو یا اس کے بجائے لونڈی پر گزارا کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان مرد (اگر وہ ضرورت مند ہے) تو چار عورتیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں، جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کی مزید صراحت اور تحدید کر دی گئی ہے۔ (ابن کثیر)

اس کے بعد جو معترض نے جو سورۂ النساء کی آیت نمبر 129 پیش کی وہ بھی ملاحظہ ہو:

اللہ کریم نے فرمایا:

ترجمہ: ''تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو، گو تم اس کی کتنی ہی خواہش و کوشش کر لو، اس لئے بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو ادھڑ لٹکتی ہوئی نہ چھوڑو اور اگر تم اصلاح کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔''

یہ ایک دوسری صورت، ہے کہ ایک شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو دلی تعلق اور محبت میں وہ سب کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ محبت، فعل قلب ہے جس پر کسی کو اختیار نہیں ہے۔ خود نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی اپنی بیویوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ خواہش کے باوجود انصاف نہ کرنے سے مطلب یہی قلبی میلان اور محبت میں عدم مساوات ہے۔ اگر یہ قلبی محبت ظاہری حقوق کی مساوات میں مانع نہ بنے تو عنداللہ قابل مواخذہ نہیں۔ جس طرح کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کا نہایت عمدہ نمونہ پیش فرمایا۔ لیکن اکثر لوگ اس قلبی

محبت کی وجہ سے دوسری بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں بہت کوتاہی کرتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی محبوب بیوی کی طرح دوسری بیویوں کے حقوق ادانہیں کرتے اور انہیں معلقہ (درمیان میں لٹکی ہوئی) بنا کر رکھ چھوڑتے ہیں، نہ انہیں طلاق دیتے ہیں نہ حقوق زوجیت ادا کرتے ہیں۔ یہ انتہائی ظلم ہے جس سے یہاں روکا گیا ہے اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی فرمایا ہے جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف ہی مائل ہو (یعنی دوسری کو نظر انداز کئے رکھے) تو قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ (یعنی نصف) ساقط ہوگا، (ترمذی، کلتاب النکاح)

دونوں آیات میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ عدل کرو اور ہر طرح عدل ممکن نہیں کیونکہ قلبی وطبعی مافقت ایک جیسی نہیں ہوتی تو اللہ نے 129 وی آیت میں کچھ ریلکس کر دیا ہے مگر ایسا نہیں کے اس قلبی میلان میں تم دوسری بیویوں کے بنیادی حقوق بھی پامال کر دو ہاں مکمل عدل تو شاید ممکن نہ ہو جو کہ فطری اور طبعی تقاضہ جیسے میلانِ قلبی تو اس صورت میں اللہ نے رعائت نصیب فرمائی ہے جو واضح ہے تضاد کہاں۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 59 کا جواب
بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ سب سے کلام کرے گا ماسوائے چند کے۔

ترجمہ: ''روزِ آخرت والے دن اللہ کچھ لوگوں سے کلام نہیں کرے گا۔''

(سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 77)

ترجمہ: ''سب سے سوال کیا جائے گا۔'' (سورۂ الحجر، آیت نمبر 92)

معترض نے آخرت میں سوال جواب کو لے کر تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش میں دو آیات کا ترجمہ سیاق وسباق سے ہٹ کر اپنے من کے مطابق پیش کیا۔ ایک میں یہ ہے کہ اللہ کچھ لوگوں سے کلام نہیں کرے گا دوسری میں یہ ہے کہ سب سے کلام کرے گا۔ ہم آیات کا صحیح ترجمہ درج کر جائزہ لیتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَشۡتَرُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَ اَیۡمَانِهِمۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَ لَا یَنۡظُرُ اِلَیۡهِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَكِّیۡهِمۡ ۪ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ (۷۷)

ترجمہ: ''وہ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے ذلیل دام لیتے ہیں آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں اور اللہ نہ ان سے بات کرے نہ ان کی طرف نظر فرمائے قیامت کے دن اور نہ انہیں پاک کرے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔'' (سورۂ آل عمران، آیت نمبر 77)

فَوَرَبِّكَ لَنَسۡـَٔلَنَّهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ (۹۲)

ترجمہ: ''تو تمہارے رب کی قسم ہم ضرور ان سب سے پوچھیں گے۔'' (سورۂ الحجر، آیت نمبر 92)

معترض کا کہنا ہے کہ ان آیات میں تعارض ہے حالانکہ اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے۔ آئیں اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

1۔ جس آیت میں اللہ کریم ان سے کلام نہیں فرمائے گا یہ ناراضگی کا کنایہ ہے اس دنیا میں بھی اس

کی بے شمار نظائر دیکھے جا سکتے ہیں۔

2۔کلام نہ کرنے سے محبت، راحت اور چاہت والا کلام نہ کرنا ہے جیسا کہ اس سے اگلی آیت میں ہے کہ نہ انہیں پاک کیا جائے گا ہاں مگر ان سے سخت کلام جس کا عنوان سوالات ہوں گے جن کے انہیں جوابات دینے ہوں گے بھی مراد ہو سکتا ہے۔

3۔ان سے اللہ بلا واسطہ سوال نہ کرے گا بلکہ فرشتوں کے ذریعے ان سے میزان اور دیگر جگہوں سے پوچھا جائے گا۔

4۔جب ان کے اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں ہوں گے تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ وہ اصحاب الشمال والے ہیں جو خود انہیں بھی پتا ہے تو یہ سوال سے اگلا مرحلہ جو مآل کار کے طور پہ آخری انجام تک بھی ان سے کلام کا جواز نہیں بنتا۔

5۔فرشتوں کے علاوہ رسول اور انبیاء کے ذریعے بھی ان سے پوچھا جا سکتا ہے جیسا کہ بدر کے موقع پہ جب کفار مارے گئے اور کنویں میں پھینکے گئے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کیا تم نے رب کے وعدے کو پا لیا؟

6۔اس کے علاوہ سوالات کے پوچھنے میں یہ لازم نہیں کہ ان کو کلام کر کے ہی بتایا جائے اس دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ لکھا لکھایا پیپر ہمارے سامنے آجاتا ہے جس کے جوابات ہم دے رہیں ہوتے ہیں۔اور بعض اوقات پریکٹیکل میں واوا میں بورڈ سے بھیجے گئے سوالات پوچھے جا رہے ہوتے ہیں جو حقیقت میں ممتحن کے ذریعے پوچھے جا رہیں ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ سوالات اشاروں اور کنایوں اور علامات کے ذریعے بھی کیے جاتے ہیں جس کے بہت سے نظائر ہمارے تجربے میں ہیں۔

7۔اس کے علاوہ اس کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ اللہ ایک خاص موقع پہ ان سے نہیں پوچھے گا اور ایک دوسرے موقع پہ ان سے پوچھا جائے گا جیسا کہ حشر کے دن کئی مواقف اور مختلف احوال ہوں بعض موافق اور بعض احوال میں اللہ تعالی کوئی کلام کرے گا نہ کوئی سوال کرے گا نہ کوئی حساب لے گا، یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالی جلال سے فرمائے گا: لمن الملک الیوم آج کس کی بادشاہی ہے؟ پھر خود ہی فرمائے گا للہ الواحد القھار صرف اللہ کی جو ایک ہے اور سب پر غالب ہے (سورۃ المومن، آیت نمبر 16) پھر جب ہمارے نبی (ﷺ) سجدہ میں گر کر اللہ تعالی کو راضی

کریں گے تب اللہ تعالی مخلوق سے سوال کرے گا اور ان سے حساب بھی لے گا اور ان سے کلام بھی فرمائے گا لیکن مومنون سے محبت سے کلام فرمائے گا اور کافروں سے غضب سے کلام فرمائے سو کفار سوال اور حساب کی نفی کی آیات کا تعلق پہلے موقف اور پہلے حال سے ہے اور ان سے سوال کرنے اور حساب لینے کے ثبوت کی آیات کا تعلق بعد کے موقف اور بعد کے حال سے ہے۔

اس لیے اس طرح کی بدگمانی اور لاعلمی شاید کم فہم اور کم علم لوگ ہی کر سکتے ہیں جن کا فہم ناقص اور جن کا علم کم ہو جو تحقیق اور علم سے پرے ہیں، جہالت اور گمراہی میں غرق ہیں تعصب کے پردے ان کی آنکھوں پہ چڑے ہیں۔

اللہ سمجھ کی توفیق عطا فرمائے

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 60 کا جواب
مصیبت انسان کے اپنے اعمال کی وجہ سے آتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟

ترجمہ: ''مصیبت اللہ کی طرف سے آتی ہے۔'' (سورۃ التغابن، آیت نمبر 11)

ترجمہ: ''مصیبت خود انسان کی وجہ سے آتی ہے۔'' (سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر 30)

اس اعتراض میں بھی معترض نے دو آیات پیش کر کے تضاد ثابت کرنا چاہا، پہلی میں مصیبت کا اللہ کی طرح سے آنے کا ذکر ہے جب کہ دوسری میں مصیبت کا انسان کی اپنی وجہ سے آنے کا ذکر ہے معترض کے نزدیک قرآن میں یہ تضاد ہے، ہم اس کا جواب دیتے ہیں۔

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ؕ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ يَهۡدِ قَلۡبَهٗ‌ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ (۱۱)

ترجمہ: ''کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اللہ کے حکم سے اور جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت فرما دے گا اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔'' (سورۃ التغابن، آیت نمبر 11)

وَمَاۤ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ (۳۰)

ترجمہ: ''اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرما دیتا ہے۔'' (سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر 30)

بظاہر ترجمہ ہی پڑھ لیا جائے تو کوئی اعتراض معلوم ہی نہیں ہوتا تبصرہ تو کجا ترجمہ دیکھے لیتے ہیں۔

ترجمہ: ''کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اللہ کے حکم سے اور جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت فرما دے گا اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔'' (سورۃ التغابن، آیت نمبر 11)

مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں پہنچتی اب اللہ کے حکم کے بغیر تو ایک پتا نہیں ہلتا مصیبت کی کیا مجال؟ لیکن حضرت اگر مصیبت کی نوعیت اور اس نوع سے واقف ہوتا تو کیا ہی اچھا تھا۔ بہر کیف مدعا پہ آتے ہیں دوسری آیت کا ترجمہ دیکھ لیں۔

ترجمہ: ''اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرما دیتا ہے۔'' (سورۂ الشوریٰ، آیت نمبر 30)

اب اس آیت میں تو سبب بتایا جا رہا کہ وہ تمہارے ہاتھوں اور تمہارے نفسوں کے سبب ہے اللہ کسی پہ ظلم نہیں کرتا اور نہ وہ کسی کی ہمت سے زیادہ بوجھ اس پہ بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

ترجمہ: ''بے شک اللہ کسی پر ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔'' (سورۂ النساء، آیت نمبر 40)

نیز سابقہ تباہ و برباد ہو جانے والی قوموں کے متعلق خدا نے فرمایا:

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

ترجمہ: ''اللہ نے ان پر ظلم نہ کیا ہاں وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔''

(سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 118)

دوسرا اس آیت میں ایک مثبت پہلو اور درگزر والا پہلو بھی ہے اور وہ ہے کہ اللہ تو بہت کچھ تو معاف بھی فرما دیتا ہے۔ یعنی اس پہ گرفت نہیں فرماتا اور عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔ اس رحمت اور فضل کے ہم مستحق بھی نہیں ہوتے وہ پھر بھی معاف فرما دیتا ہے اس لیے مصیبت کو اللہ سے اذن لینا پڑتا ہے وگرنہ تو اس ہاتھ دے اور اس ہاتھ لے والا معاملہ ہو جائے اور ہم تباہ و برباد ہو جائیں۔

اللہ دیگر آیات میں مزید اس کی وضاحت یوں بھی فرماتا ہے کہ:

مَّا يَفْعَلُ اللهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنتُمْ وَكَانَ اللهُ شَاكِرًا عَلِيمًا.

ترجمہ: ''کہ اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ بشرطیکہ تم اُس کی شکر گزاری کرو اور اُس پر ایمان لاؤ، اور اللہ بہت قدر دان اور علم والا ہے۔'' (سورۂ النساء، آیت نمبر 147)

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ

ترجمہ: ''یہ (مصیبتیں) یہ تمہارے ان کاموں کی سزا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا ہے۔ اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔'' (سورۂ الانفال، آیت نمبر 51)

اس لیے عقل میں کجی اور علم کی کمی کا سبب ہے یہ اعتراض

وما توفیق الا باللہ

ملحدین کے اعتراض نمبر 61 کا جواب
قرآن کس کے لیے ھدایت ھے؟

ترجمہ: ''قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 2)

ترجمہ: ''قرآن سب کے لیے ہدایت ہے۔'' (سورۂ الانعام، آیت نمبر 91)

ملحد معترض جو غالباً عربی کے عین سے بھی واقف نہیں ہے، توڑ مڑوڑ کر اپنی مرضی کا ترجمہ نکال کر دو آیت پیش کر کے تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ پہلی قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے، دوسری قران سب کے لیے ہدایت ہے اس سے پہلے کہ حسب معمول عربی متن، اور صحیح ترجمہ کر کے ہم جواب عرض کریں، ہم ملحد معترض کی دجل کاری آپ کے سامنے واضع کرنا چاہتے ہیں، ملحد معترض نے دوسری آیت پیش کر کے سورۂ انعام کی آیت نمبر 91 کا حوالہ دیا جو در اصل، سورۂ انعام کا نہیں، بلکہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 185 کا ہے، جس سے یہ بات اور پختہ ہو جاتی ہے کہ ملحد معترض کے اعتراضات بغض کے سوا اصلاً کچھ نہیں۔ ملحد اپنے ناپاک عزائم سے اہل ایمان کے پاک عقائد کو ہما وقت اپنے ناپاک جراثیم سے نجس کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب ہم اس دجل کا جواب دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَۙ(۲)

ترجمہ: ''وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں، اس میں ہدایت ہے ڈر والوں (متقیوں) کو۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 2)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ

ترجمہ: ''رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔''
(سورۂ البقرہ، آیت نمبر 185)

معترض کی پیش کی ہوئی سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 2 کی وضاحت۔

ترجمہ: ''وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں، اس میں ہدایت ہے ڈر

والوں (متقیوں) کو۔“

سب سے پہلے جانتے ہیں متقی کا کیا معنی ہے:

”متقی“ کے معنی ہیں ڈرنے والے یا بچنے والے یعنی اللہ سے ڈرنے والے اور برے عقائد برے اعمال سے بچنے والے، تقوی دو طرح کا ہے جسمانی اور قلبی، جسمانی تقوی گناہوں سے بچنے نیکیاں کرنے کا نام ہے قلبی تقوی اللہ کے پیاروں کی تعظیم کا نام ہے، رب فرماتا ہے:

ذٰلِكَ-وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ(۳۲)

ترجمہ: ”بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔“

(سورۂ الحج، آیت نمبر 32)

یہاں متقین سے مراد صحابہ کرام ہیں یعنی یہ جو متقی تم کو نظر آرہے ہیں وہ اسی قرآن کی ہدایت سے متقی بنے ہیں سمجھ لو کہ قرآن کیسا ہے۔ (تفسیر عزیزی)

قرآن مجید کی صراط مستقیم پر دلالت ہے، اور متقین کو قرآن مجید کے احکام پر عمل کی توفیق بھی نصیب ہوتی ہے وہ قرآن مجید کے انوار سے مستنیر اور مستفید ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں تدبر اور تفکر کرنے سے ان کے دماغ کی گرہیں کھلتی چلی جاتی ہیں، اور غیر متقین کے لیے بھی قرآن کریم ہدایت ہے، نیکی اور دنیا کی خیر کی طرف رہنمائی ہے، اگر چہ وہ اس کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور اس کے احکام پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو روشن نہیں کرتے، اور جن کفار اور مشرکین نے قران مجید کی ہدایت کو قبول نہیں کیا، اس سے قرآن مجید کے ہدایت ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر اندھا آفتاب کو نہ دیکھے تو اس سے آفتاب کے روشن ہونے میں کیا فرق پڑتا ہے اور صفراوی مزاج والا اگر شہد کی شیرینی محسوس نہ کرے تو اس سے شہد کی مٹھاس میں کیا کمی ہوتی ہے۔۔ (تبیان القرآن)

قرآن مجید میں جہاں (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 185) فرمایا ہے کہ یہ تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ فی نفسہٖ قرآن مجید کی ہدایت تمام انسانوں کے لیے ہے اور یہاں (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 2) میں جو فرمایا ہے کہ یہ متقین کے لیے ہدایت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نتیجہ اور مال کار یہ متقین ہی کے لیے ہدایت ہے کیونکہ اس ہدایت سے وہی فیضیاب ہوتے ہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تعارض نہیں ہیں کیونکہ حقیقت میں انسان وہی

ہیں جو متقی ہیں اور رہے غیر متقی تو وہ اس آیت کا مصداق ہیں:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا-وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا-وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا-اُولٰٓىٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ-اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ(۱۷۹)

ترجمہ: ''اور بیشک ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جن اور انسان پیدا کیے، ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے (بھی) زیادہ گمراہ ہیں وہی غافل ہیں۔''

چونکہ قرآن **ھدی للناس** یعنی تمام انسانوں کے لیے فرما چکا ہدایت نامہ ہے اس اعتبار سے عنوان اور خطاب الناس سے ہے اور جب کوئی کلمہ پڑھ کر اسلام کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ ہدایت کی بنیادی اور اُصولی حد میں داخل ہو جاتا ہے چونکہ اس نے اپنے اختیار سے تقویٰ کو پریفرنس دی اس طرح وہ تقوی کی پہلے مرتبے کو پہنچا کیوں کے اس کے باطن میں تقوی مطلب خود کو آلائشوں سے بچانے کا دھیان اور گیان ابھرا اور اس نے ہدایت کو پکڑ لیا اس اعتبار سے بھی قران سے ہدایت حاصل کرنے میں پچنے والے نے پہل کی تو یوں عنوان **ھدی للمتقین** ٹھہرا ،اب بتایئے تعارض وتضاد کہاں ہے عقل میں یا؟

لہٰذا ثابت ہوا کوئی تعارض نہیں۔

وما توفیق الا باللہ۔



ملحدین کے اعتراض نمبر 62 کا جواب
جادوگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے یا نہیں؟

ترجمہ: ''جادوگر موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان نہ لائے۔'' (سورۃ الیونس، آیت نمبر 83)
ترجمہ: ''جادوگر موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لے آئے۔''
(سورۃ الاعراف، آیت نمبر 117 تا 120)

معترض کی عقل پر حیرانگی سے زیادہ ہمیں قرآن مجید کی صداقت نظر آتی ہے کیونکہ اسکی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا گیا ہے جس سے اسکو یہ بھی نہیں پتا، بات کیا ہورہی ہے اور کس کی ہورہی ہے۔ ہم آیات درج کر کے جائزہ لیتے ہیں:

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ىِٕهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: ''پس موسیٰ (علیہ السلام) پر ان کی قوم میں سے صرف قدرے قلیل آدمی ایمان لائے وہ بھی فرعون سے اور اپنے حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں ان کو تکلیف پہنچائے اور واقع میں فرعون اس ملک میں زور رکھتا تھا، اور یہ بھی بات تھی کہ وہ حد سے باہر ہوجاتا تھا۔''
(سورۃ الیونس، آیت نمبر 83)

وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۚ‏ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۚ‏ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۚ‏ ﴿۱۱۹﴾ وَ اُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۖ ‏﴿۱۲۰﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈال تو ناگاہ وہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا۔ تو حق ثابت ہوا اور ان کا کام باطل ہوا۔ تو یہاں وہ مغلوب پڑے اور ذلیل ہوکر پلٹے۔ اور جادوگر سجدے میں گرادیئے گئے۔'' (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 117 تا 120)

معترض سورۃ یونس، کی آیت نمبر 83 سے جادوگروں کے ایمان نہ لانے کا پتا نہیں کیسے

ترجمہ کردیا اس آیت میں تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر ان کی قوم کے چند لوگوں کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لایا اس بات کا تذکرہ ہے، وہ بھی فرعون سے اور اپنے احکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں فرعون ان کو کسی بلا اور مصیبت میں نہ ڈال دے اور کوئی تکلیف نہ پہنچادے۔

اب، جب ملحد کی پہلی بات ہی ثابت نہ ہوسکی تو تضاد تو دور کی بات شک بھی نہیں۔ البتہ کچھ وضاحت ہم معترض کی پیش کردہ دوسری آیت کی بھی کردیتے ہیں ترجمہ کے اعتبار سے۔

یہاں قرآن کریم نے مجہول کا صیغہ القی استعمال فرمایا ہے جس کے لفظی معنیٰ ''گر گئے'' نہیں بلکہ ''گرا دیئے گئے'' ہیں۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ حالات ایسے پیش آئے کہ ان کے ضمیر نے انہیں بے ساختہ سجدے میں گر جانے پر مجبور کردیا۔ اُوپر ترجمے میں اس پہلو کی رعایت کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں ایمان کی یہ طاقت بھی ملاحظہ فرمایئے کہ جو جادوگر چند لمحوں پہلے اپنے مذہب کی دفاعی کارروائی پر بھی فرعون سے انعام مانگ رہے تھے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد ان میں یہ عظیم حوصلہ پیدا ہوگیا کہ وہ فرعون جیسے جابر حکمران کی دھمکیوں کو ذرا بھی خاطر میں نہیں لائے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس چلے جانے کا اشتیاق ظاہر کرنے لگے۔ (قارئین مکمل واقعہ پڑھنے کے لیے کتب تفسیر کا مطالعہ کیجئے) وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر63 کا جواب
اللہ تعالیٰ نے شیطان کو کس کا دوست بنایا؟

ترجمہ: ''ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔''
(سورۃ الاعراف، آیت نمبر 27)

ترجمہ: ''لوگوں نے خود شیطانوں کو اپنا دوست بنایا۔'' (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 30)

معترض نے اپنے من کی تشریح کر کے دو آیات پیش کر کے تضاد ثابت کرنا چاہا پہلی آیت، ''ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے''، دوسری آیت، ''لوگوں نے خود شیطانوں کو اپنا دوست''، ہم اس جہل سے بھرے اعتراض کا جواب عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا-اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ-اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ(۲۷)

ترجمہ: ''اے آدم کی اولاد خبردار تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے جیسا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا۔ اُتروا دیئے ان کے لباس کہ ان کی شرم کی چیزیں انہیں نظر پڑیں۔ بیشک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ بیشک ہم نے شیطانوں کو ان کا دوست کیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔'' (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 27)

فَرِیْقًا هَدٰى وَ فَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ-اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ(۳۰)

ترجمہ: ''ایک فرقے کو راہ دکھائی اور ایک فرقے کی گمراہی ثابت ہوئی۔ اُنھوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو والی بنایا اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ راہ پر ہیں۔'' (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 30)

ان آیات کو بھی سمجھنے میں علمی بد یانتی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔پہلی آیت میں اللہ کریم نے

بڑی وضاحت سے فرما دیا ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور یہ فتنوں میں ڈالنے والا ہے۔اس کو مزید ایک اُصول سے سمجھ لیتے ہیں تا کہ بات روشن ہو جائے جیسا کہ قانون ہے کہ ہر عمل کا ایک ردِعمل یا نتیجہ ہوتا ہے اور وہ اس عمل کے ساتھ میکانکی سطح پہ اس خاص مقام اور خاص وقت کے اندر جڑا ہوتا ہے۔

مثال کے طور پہ اگر آپ گیند کو دیوار پر ماریں گے تو گیند پلٹ کے آپ کی طرف آئے گی وغیرہ وغیرہ اسی طرح آپ عمل اور نتیجے کو بظاہر ایکشن اور ری ایکشن تو کہتے ہیں مگر ری ایکشن کا سبب ای ایکشن ہے نتیجہ ری ایکشن اس مقدمے کو سمجھنے کے بعد آیات پہ غور کیجیے:

فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ-اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ(۳۰)

ترجمہ:''ایک فرقے کو راہ دکھائی اور ایک فرقے کی گمراہی ثابت ہوئی۔اُنھوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو والی بنایا اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ راہ پر ہیں۔''(سورۂ الاعراف،آیت نمبر 30)

اب اس آیت میں واضح طور پہ انسان کے اختیاری عمل کا تذکرہ ہے جو اس نے دو اولیاء کے آپشن کے درمیان میں سے چنا ایک طرف اللہ کی دوستی اور ہدایت اور دوسری طرف شیطان کی دوستی اور گمراہی۔اب جبکہ اس نے اللہ کی دوستی کو ترک کر کے شیطان کو اپنا ولی بنا لیا اور یہ ایک عمل ہے اس کا نتیجہ یا اس کے نتیجے کے طور پہ جو اس کے ارادے اور شعور سے منسلک تھا کا معاوضہ کیا نکلا وہ دوسری آیت میں یوں درج ہے۔

ترجمہ:''بیشک ہم نے شیطانوں کو ان کا دوست کیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔''

پہلی آیت میں جس عمل کا ذکر ہے تو ظاہری بات ہے پھر اللہ بھی شیطان کو ان کا دوست بننے کے لیے چھوڑ دیتا ہے نتیجہ کے طور پہ کیونکہ یہ تو سسٹمیٹکلی ہے کہ دو آپشن میں سے جب ایک اختیار کی جائے گی تو نتیجے کے طور پہ دوسری منہا ہو جائے گی۔اور جب دوستی کا ہاتھ ہی شیطان کی طرف بڑھا دیا تو پھر وہ جانے اور اس سے دوستی کرنے والا جانے۔اس بات کی تصریح بے شمار جگہوں پہ قرآن نے فرمائی ہے۔اور ان دو آیات سے بھی عیاں ہے۔لہٰذا ثابت ہوا کوئی تضاد نہیں

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 64 کا جواب
صدقہ، سرگوشی سے پہلے یا بعد میں؟

ترجمہ: ’’ایمان والوں! رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سرگوشی سے پہلے صدقہ دے لیا کرو۔‘‘

(سورۃ المجادلہ، آیت نمبر 12)

ترجمہ: ’’رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سرگوشی سے پہلے صدقہ نہ کرو اللہ معاف کرنے والا ہے۔‘‘

(سورۃ المجادلہ، آیت نمبر 13)

معترض نے دو آیات کا اپنا من مانی ترجمہ پیش کر کے تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ پہلی آیت یہ ہے کہ ایمان والو! رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی سے پہلے صدقہ دے لیا کرو، دوسری آیت یہ ہے کہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سرگوشی سے پہلے صدقہ نہ کرو اللہ معاف کرنے والا ہے۔ ہم اس کا جواب عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو۔ یہ تمہارے لیے بہتر اور بہت ستھرا ہے۔ پھر اگر تمہیں مقدور نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘ (سورۃ المجادلہ، آیت نمبر 12)

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۱۳)

ترجمہ: ’’کیا تم اس سے ڈرے کہ تم اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقے دو پھر جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ نے اپنی مہر سے تم پر رجوع فرمائی تو نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کے فرماں بردار رہو اور اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔‘‘ (سورۃ المجادلہ، آیت نمبر 13)

ان آیات میں کوئی تعارض اور کوئی تضاد نہیں بالکل سیدھی سی بات ہے ایک آیت میں اللہ ایمان والوں سے ایک احتیاط کے پیشِ نظر فرما رہا ہے کہ، آپ ﷺ سے بات کرنے سے پہلے کچھ صدقہ کر لیا کرو تا کہ بارگاہِ رسالت میں کسی ایسی بے ادبی سے بچا جا سکے جو شاید شعوری طور پہ تمہاری گرفت میں نہ آ سکے، چونکہ بارگاہِ رسالت کے آداب کو بڑی سختی کے ساتھ پابندی کرنے کا سورۂ حجرات میں ذکر موجود ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنی آوازیں اُونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اَکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔'' (سورۃ الحجرات، آیت نمبر 2)

اگر چہ اس آیت میں بارگاہِ رسالت کے آداب میں سے بلند آواز بھی بے ادبی قرار دیا گیا ہے۔ اور اُوپر والی آیات میں ادب کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے آہستہ اور سرگوشی سے پہلے بھی صدقے کا حکم لیکن ساتھ ہی دوسری آیت میں آسانی اور مہر فرمایا اور یہ آسانی پیدا فرما دی کہ ڈرتے رہو اور اگر تم استطاعت نہیں رکھتے صدقے کی تو اللہ تمہیں اپنے فضل اور مہر سے معاف فرما دے گا، جیسا کہ آیت سے ہی واضح ہے جس کے لیے اللہ نے فرمایا کہ نماز قائم رکھو، اب اس میں کہا کوئی تضاد ہے

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 65 کا جواب
آسمان اور زمین علیحدہ ھیں یا جدا جدا؟

ترجمہ: ''آسمان اور زمین علیحدہ تھے۔'' (سورۂ الفصلٰت، آیت نمبر 11)

ترجمہ: ''آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے۔'' (سورۂ الانبیاء آیت نمبر 30)

ملحد معترض نے آسمان اور زمین کے تعلق سے دو آیات پیش کیں ہیں کہ ایک میں اللہ فرما رہا ہے کہ آسمان اور زمین علیحدہ تھے، جب کہ دوسری آیت میں اللہ فرما رہا ہے کہ آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، لہٰذا اس سے ثابت ہوا قرآن میں تضاد ہے۔ ہم اس کا جواب عرض کرتے ملاحظہ فرمائیں۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَ ہِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَہَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْہًا-قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ(۱۱)

ترجمہ: ''پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے، دونوں نے عرض کی کہ ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے۔''
(سورۂ الفصلوٰت، آیت نمبر 11)

اَوَ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰہُمَا-وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ-اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ(۳۰)

ترجمہ: ''کیا کافروں نے یہ خیال نہ کیا کہ آسمان اور زمین بند تھے تو ہم نے انہیں کھولا اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی تو کیا وہ ایمان نہ لائیں گے۔'' (سورۂ الانبیاء، آیت نمبر 30)

ان آیات میں تضاد دُور دُور تک نہیں۔ اگر آپ اصل متن اور سیاق وسباق کو ہی دیکھ لیں تو بات کھل کر سامنے آجائے گی۔ درست متن اور ترجمہ اوپر پیش کر دیا گیا ہے۔ ایک مختصر تبصرہ بھی پیشِ خدمت ہے۔

پہلی آیت میں دونوں کے نام سے انہیں پکارا گیا۔ جب وہ دھوئیں کی شکل میں تھے مگر

دونوں ہی تھے اور دوسری آیت میں بھی دونوں کی حالت کا ذکر ہے کہ وہ آپس میں جڑے اور ملے ہوئے تھے یا ایک تفسیر میں ہے کہ ان کے مسام بند تھے آسمان کو کھولا تو اس سے پانی برسا اور زمین کو کھولا تو اس سے سبزا اُگا۔

ان میں کہاں تعارض و تضاد ہے مجھے تو سمجھ نہیں آتی کہ تخلیق کے مراحل کو معترض کیوں سامنے نہیں رکھنا چاہتا اور وہ کیونکر مراحل کو تضاد سمجھ بیٹھتا ہے۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 66 کا جواب
اللہ کے سوا کوئی دوست ہے یا نہیں؟

ترجمہ: ''اللہ کے سوا کوئی مددگار دوست نہیں۔'' (سورۃ العنکبوت، آیت نمبر 22)

ترجمہ: ''فرشتے دنیا میں بھی آپکے دوست ہیں اور آخرت میں بھی۔''

(سورۃ الفصلوٰت، آیت نمبر 31)

معترض بغض میں اس قدر اندھا ہو چکا ہے کہ اس کو تضاد کے سوا کچھ نظر نہیں آتا ملاحظہ فرمائیں یہاں معترض کی پیش کردہ آیات کا ترجمہ ایک میں یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مددگار دوست نہیں، دوسری میں یہ ہے کہ فرشتے دنیا میں بھی آپکے دوست ہیں اور آخرت میں بھی، ہم معترض کے اندھے پن کا جائزہ آیات کا عربی متن اور صحیح ترجمہ درج کر لیتے ہیں۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۡ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (۲۲)

ترجمہ: ''عذاب دیتا ہے جسے چاہے اور رحم فرماتا ہے جس پر چاہے اور تمہیں اسی کی طرف پھرنا ہے۔ اور نہ تم زمین میں قابو سے نکل سکو اور نہ آسمان میں اور تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کام بنانے والا اور نہ مددگار۔'' (سورۃ العنکبوت، آیت نمبر 22)

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ (۳۱) نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ (۳۲)

ترجمہ: ''ہم تمہارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور تمہارے لیے ہے اس میں جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لیے اس میں جو مانگو۔ مہمانی بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔''

(سورۃ الفصلوٰت، آیت نمبر 31)

عجب بات ہے جس قرآن کا فرمان یہ ہے کہ وہ ہر شے کا خالق ہے مالک ہے، اور مددگار ہے، اس میں سے ان آیات کو ان کے اصل سے کاٹ کر پیش کرنا علمی خیانت ہے۔ چند بنیادی

سوالات:

1۔کیا اللہ کے پیدا کیے بغیر زمین آسمان،فرشتے،ہوا،پانی اور دیگر اشیاء پیدا ہوں گئیں؟۔

2۔کیا اللہ کی مدد کے بغیر پروان چڑھتے رہتے ہیں؟۔

3۔کیا اللہ ان سے رحمت کی نظر پھیر لے تو کیا وہ اپنا وجود قائم رکھ سکے گے؟۔

تو جواب نفی میں ہے کہ اللہ کے بغیر کسی شے کا وجود قائم نہیں ہے تو اصل مدد اور بنیادی مدد اللہ ہی کی ہے۔

اس صورت میں حقیقی مدد کا اصل منبع اللہ اور صرف اللہ ہی ہے تو اب آیت ملاحظہ فرمائیں:

وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ٘-وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ۠(۲۲)

ترجمہ:''عذاب دیتا ہے جسے چاہے اور رحم فرماتا ہے جس پر چاہے اور تمہیں اسی کی طرف پھرنا ہے۔اور نہ تم زمین میں قابو سے نکل سکو اور نہ آسمان میں اور تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کام بنانے والا اور نہ مددگار۔''(سورۃ العنکبوت،آیت نمبر 22)

اب دیکھیے اللہ کے پیدا کیے ہوئے تمام اسباب اور ذرائع جن کا مقصد ہی انسان کے لیے ہے تو وہ بھی اللہ کی مدد و نصرت سے انسان کے معاون و مددگار ثابت ہوتے ہیں۔جیسا کہ دوسری آیت میں مذکور ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ(30)

ترجمہ:''بے شک جنھوں نے کہا تھا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اُتریں گے کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور جنت میں خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔''

نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِۚ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْۤ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ(31)

ترجمہ:''ہم تمہارے دنیا میں بھی دوست تھے اور آخرت میں بھی،اور بہشت میں تمہارے لیے ہر چیز موجود ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تم جو وہاں مانگو گے ملے گا۔''

اب اس آیت میں بھی وہی بات ہے کہ جو اللہ پہ ایمان لائے اور اس پہ قائم رہے تو

فرشتوں نے انہیں یہی خوشخبری دی کہ آپ غم نہ کریں اب ہم ہی نہیں ہر شے دنیا کی آپ کی دوست اور مددگار ہوگی۔اس لیے کہ تم اسباب پہ نہیں مسبب الاسباب پہ ایمان لائے ہو جیسا کہ پنجابی شعر میں ہے۔ ؎

تو بیلی تے سب جگ بیلی، ان بیلی وی بیلی
سجنا باجھ محمد بخشا سنجھی دسے حویلی

میرا خیال ہے قارئین بات کو مکمل طور پہ سمجھ چکے ہوں گے۔
وماتوفیق الا باللہ۔



ملحدین کے اعتراض نمبر 67 کا جواب بنی اسرائیل بچھڑے کو پُوجنے پر نادم ہوئے یا جمے رہے؟

ترجمہ: ’’بنی اسرائیل بچھڑے کو پوجنے پر نادم ہوئے۔‘‘ (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 149)
ترجمہ: ’’نادم نہیں ہوئے بلکہ اسی پر جمے رہے۔‘‘ (سورۃ الطٰہٰ، آیت نمبر 91)

معترض نے حسب معمول دو آیات پیش کر کے تضاد ثابت کرنا چاہا، پہلی یہ کہ بنی اسرائیل بچھڑے کو پوجنے پر نادم ہوئے، دوسری یہ کہ نادم نہیں ہوئے بلکہ اسی پر جمے رہے۔

لَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۱۴۹)

ترجمہ: ’’اور جب پچھتائے اور سمجھے کہ ہم بہکے، بولے اگر ہمارا رب ہم پر مہر نہ کرے اور ہمیں نہ بخشے تو ہم تباہ ہوئے۔‘‘ (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 149)

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى (۹۱)

ترجمہ: ’’بولے ہم تو اس پر آسن مارے جمے رہیں گے جب تک ہمارے پاس موسیٰ لوٹ کے آئیں۔‘‘ (سورۃ الطٰہٰ، آیت نمبر 91)

ان آیات میں بھی تضاد نہیں بلکہ دو مختلف وقتوں کے واقع کا ذکر ہے سیاق و سباق دیکھ لیں۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ (148)

ترجمہ: ’’اور قوم موسیٰ نے موسیٰ کے بعد اپنے زیور کا ایک بچھڑا بنا لیا (وہ) ایک جسم (تھا) جس میں سے بیل کی آواز نکلتی تھی۔ ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ ان کو راستہ دکھا سکتا ہے۔ اس کو انھوں نے (معبود) بنا لیا اور (اپنے حق میں) ظلم کیا۔‘‘

اس سے اگلی آیت دیکھیے کہ یہ سارا کام موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پہ جانے کے بعد ہوا اور جب حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں منع کیا تو وہ ڈٹ گئے، پر اس سے پہلے ذرا ملاحظہ فرمائیں معترض کی پیش کردہ دوسری آیت:

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى (۹۱)

ترجمہ: ''بولے ہم تو اس پر آسن مارے جمے رہیں گے جب تک ہمارے پاس موسیٰ لوٹ کے آئیں۔'' (سورۂ طٰہٰ، آیت نمبر 91)

اب سورۂ الاعراف کی آیت نمبر 150 دیکھے لیں، بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے بس معترض اپنی کم علمی کی وجہ سے اندھیرے میں ہے اور اندھیرے میں رکھنے کی کوشش میں ہے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (150)

ترجمہ: ''اور جب موسیٰ اپنی قوم میں نہایت غصے اور افسوس کی حالت میں واپس آئے تو کہنے لگے کہ تم نے میرے بعد بہت ہی بداطواری کی۔ کیا تم نے اپنے پروردگار کا حکم (یعنی میرا اپنے پاس آنا) جلد چاہا (یہ کہا) اور (شدت غضب سے تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ انھوں نے کہا کہ بھائی جان لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں۔ تو ایسا کام نہ کیجیے کہ دشمن مجھ پر ہنسیں اور مجھے ظالم لوگوں میں مت ملایئے۔''

لیجیے یہ ہے اعتراض اور مجھے سمجھ نہیں آتی کے جو آدمی سیاق و سباق سے جواب نہ ڈھونڈ پائے اس کے علم کا معیار اور کیلیبر کیا ہوگا اللہ سمجھ عطا فرمائے آمین۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 68 کا جواب قیامت والے دن اعمال اللہ ہاتھ میں دے گا یا پیٹھ پر رکھے گا؟

ترجمہ: ''روزِ قیامت برے لوگوں کو اعمال نامہ پیٹھ پیچھے دیا جائے گا۔''

(سورۃ الانشقاق، آیت نمبر 10)

ترجمہ: ''بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔'' (سورۃ الحاقہ، آیت نمبر 25)

وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَہۡرِہٖ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''اور وہ جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے۔''

(سورۃ الانشقاق، آیت نمبر 10)

وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِشِمَالِہٖ ۬ فَیَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُوۡتَ کِتٰبِیَہۡ ﴿ۚ۲۵﴾

ترجمہ: ''اور وہ جو اپنے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا کہے گا ہائے کسی طرح مجھے اپنا نوِشتہ نہ دیا جاتا۔'' (سورۃ الحاقہ، آیت نمبر 25)

کیا کرے آدمی کہ صاحب کو اردو جملے میں ''سے''، ''پر'' کو بھی سمجھ نہیں آتا ہے وہ کیا علم سے انصاف کرے گا؟ وہ تو یقیناً خود تو گمراہ ہوگا ساتھ دوسرے کا بیڑا غرق کرے گا۔

معترض ''**من وراءِ ظھورہ**''، ''پیٹھ پیچھے دیا جائے گا'' کر کے ثابت کر رہا کہ ایک آیت میں تو بائیں ہاتھ میں دیئے جانے کا ذکر ہے تو اس سے وہ مراد یہ لے رہا ہے کہ پیٹھ پہ دیا جائے گا۔ جبکہ اس کا درست ترجمہ پیٹھ کے پیچھے سے پکڑایا جائے گا جیسا کہ آیت سے واضح ہے:

وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَہۡرِہٖ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''اور وہ جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے۔''

پہلے ایک آیت اور قرآن سے پیش کر دوں کہ ''**من وراء ظھورھم**'' کا دیگر جگہ پہ ترجمہ کیا ہے:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ﴿ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

ترجمہ:''اور جب ان کے پاس پیغمبر اللہ کی طرف سے آئے تصدیق کرتے ہوئے اس (کتاب) کی جو،ان کے پاس موجود تھی ۔تو (ان) اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کتاب اللہ کو اپنی پشت کے پیچھے پھینک مارا۔گو یا وہ جانتے ہی (بوجھتے) نہیں۔''

پشت کے پیچھے پھینک دیا پشت پہ سوار نہیں کرلیا۔اس طرح دیگر آیات بھی انہیں الفاظ میں دال ہیں۔

اب کے کی پشت کی جانب سے ان کے کارنامہ ہائے ان کے بائیں ہاتھوں میں تھما دیئے جائیں گے جس کا ذکر اس دوسری آیت میں ہے جو معترض نے اعتراض کے طور پہ پیش کی دیکھیے:

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ﴿ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ (۲۵)

ترجمہ:''اور وہ جو اپنے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا کہے گا ہائے کسی طرح مجھے اپنا نوشتہ نہ دیا جاتا۔''

اب اس میں تعارض کہاں ہے

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 69 کا جواب
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ہوئی یا وہ تشبیہ تھی۔؟

ترجمہ: ''عیسیٰؑ وفات پا گئے۔'' (سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 55)
ترجمہ: عیسیٰؑ کی موت مشتبہ بنا دی گئی۔'' (سورۂ النساء، آیت نمبر 157)

معترض نے دو آیات کا من مانی ترجمہ پیش کر کے تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ پہلی عیسیٰ (علیہ السلام) وفات پا گئے، دوسری عیسیٰ (علیہ السلام) کی موت مشتبہ بنا دی گئی، ہم صحیح ترجمہ درج کر کے جواب دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ(۵۵)

ترجمہ: ''یاد کرو جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور تجھے اپنی طرف اُٹھا لوں گا اور تجھے کافروں سے پاک کر دوں گا اور تیرے پیروؤں کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دوں گا۔ پھر تم سب میری طرف پلٹ کر آؤ گے تو میں تم میں فیصلہ فرما دوں گا جس بات میں جھگڑتے ہو۔'' (سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 55)

وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢا(۱۵۷)

ترجمہ: ''اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا اور ہے یہ کہ انھوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان کے لئے اس کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا اور وہ جو اس کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں ضرور اس کی طرف سے شبہہ میں پڑے ہوئے ہیں

انہیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں مگر یہی گمان کی پیروی اور بیشک انہوں نے اس کو قتل نہ کیا۔''

(سورۃ النساء، آیت نمبر 157)

سب سے پہلے تو''فی '' کے معنی کی طرف نظر کرتے ہیں تا کہ بات سمجھنے میں آسانی رہے۔تو''فی '' کے معنی بہر حال پہلا وعدہ لفظ''توفی '' سے فرمایا گیا ہے۔اس کے حروف اصلیہ ''وفا'' ہیں۔جس کے معنی ہیں پورا کرنا۔ چنانچہ استعمال عرب ہے **وفی بعھدہ** اپنا وعدہ پورا کیا۔

(لسان العرب)

باب تفعل میں جانے کے بعد اس کے معنی ہیں: **اخذ الشئی وافیاً** (بیضاوی) یعنی کسی چیز کو پورا پورا لینا۔توفی کا یہ مفہوم جنس کے درجہ میں ہے۔جس کے تحت یہ تمام انواع آتی ہیں۔ موت، نینداور رفع جسمانی۔ چنانچہ امام رازیؒ فرماتے ہیں:

''قولہ (انی متوفیك) یدل علی حصول التوفی وھو جنس تحته انواع بعضھا بالموت وبعضھا بالاصعاد الی السماء فلما قال بعدہ (و رافعك الیّٰ) کان ھذا تعیینا للنوع ولم یکن تکراراً''

(تفسیر کبیر زیر آیت یعیسیٰ انی متوفیك ص ۷۲ جز ۸)

ترجمہ: ''باری تعالیٰ کا ارشاد **انی متوفیك** صرف حصول توفی پر دلالت کرتا ہے اور وہ ایک جنس ہے۔جس کے تحت کئی انواع ہیں۔کوئی بالموت اور کوئی **بالرفع الی السماء**۔ پس جب باری تعالیٰ نے اس کے بعد **ورافعك الی** فرمایا تو اس نوع کو متعین کرنا ہوا۔(**رفع الی السماء**) نہ کہ تکرار۔جیسا کہ اوپر توفی کے معنی کی بحث سے پتا چلا کہ اس کے معنی موت، نینداور رفع جسمانی کے ہیں اب ان میں سے کونسا معنی کب کب سمجھا جائے گا اس کے لیے جملہ اور کلام میں ایک خاص قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ:

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ

ترجمہ: ''اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ تم کو قبض کرے گا ملک الموت جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔(یعنی تم کو مارے گا)'' (سورہ سجدہ، آیت نمبر 11)

اس میں ملک الموت قرینہ ہے۔دیگر متعدد آیات میں بھی بر بنائے قرائن توفی بمعنی موت

آیا ہے۔ کیونکہ موت میں بھی توفی یعنی پوری پوری گرفت ہوتی ہے۔ ایسے ہی جہاں نیند کے معنی دے گا۔ تو بھی قرینہ کی ضرورت ہوگی:

وَ هُوَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰىكُمۡ بِالَّیۡلِ

مثلاً: ''وھو الذی یتوفٰکم باللیل ''(سورۃ الانعام، آیت نمبر 60)

ترجمہ: ''خدا ایسی ذات ہے کہ تم کورات کے وقت پورا لے لیتا ہے۔ یعنی سلا دیتا ہے۔''

یہاں لیل اس بات کا قرینہ ہے کہ توفی سے مراد نوم ہے۔ کیونکہ وہ بھی توفی (پوری پوری گرفت) کی ایک نوع ہے۔ یہ تمام تفصیلات بلغاء کے استعمال کے مطابق ہیں۔ البتہ عام لوگ توفی کو اماتت اور قبض روح کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ کلیات ابوالبقاء میں ہے:

"التوفی الاماتة وقبض الروح وعلیه استعمال العامة او الاستیفاء واخذ الحق وعلیه استعمال البلغاء"(کلیات ابوالبقائ:۱۲۹)

یعنی عام لوگ تو توفی کو اماتت اور قبض روح کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور بلغاء پورا پورا وصول کرنے اور حق لے لینے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

بہرحال زیر بحث آیت کریمہ میں بربنائے قرائن توفی کے معنی قبض اور پورا پورا۔ یعنی جسم مع الروح کو اپنی تحویل میں لے لینے کے ہیں، اماتت کے نہیں ہیں۔ البتہ قبض روح بصورت نیند کے معنی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ قبض روح کی دو صورتیں ہیں۔ ایک مع الامساک اور دوسری مع الارسال۔ تو اس آیت میں توفی بقرینہ رافعك الیّ معنی نیند ہو سکتی ہے اور یہ ہمارے مدعا کے خلاف نہیں ہوگا۔ کیونکہ نیند اور رفع جسمی میں جمع ممکن ہے۔ چنانچہ مفسرین کی ایک جماعت نے اس کو اختیار کیا ہے:۔

اس کے علاوہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام پہ ۰ ۵ روایات منقول ہیں جو یہاں طوالت کی بنا پر بیان نہیں کی جا سکتیں ان سے بھی اُوپر والی بات کی مکمل تائید ہوتی ہے کہ آپ کو زندہ آسمان کی طرف اُٹھا لیا گیا۔ سورۃ النساء کی ایک اور آیت دیکھیے جو اس پورے مقدمے کی موید ہے۔

وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ‌ ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا (159)

ترجمہ:''اور اہل کتاب میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے گا، اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا۔'' (سورۂ النساء، آیت نمبر 159)

یہی تفصیل روایات میں بھی مندرج ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے اور حق کا غلبہ فرمائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے ایک روایت منقول ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم ایک عادل حکمران بن کر ضرور نازل ہوں گے، وہ دجال اور خنزیز کو قتل کر دیں گے، صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور اس وقت عبادت صرف پروردگارِ عالم کی ہوگی۔

اس کے بعد حضرت ابوہریرہ نے فرمایا:

''اگر تم چاہو تو قرآنِ کریم کی یہ آیت بھی پڑھ لو جس میں اسی حقیت کا ذکر کیا گیا ہے کہ اہلِ کتاب میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا، مگر یہ کہ وہ ان پر ان کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا آپ نے فرمایا: عیسیٰ (علیہ السلام) کی موت سے پہلے اور تین بار ان الفاظ کو دہرایا۔''

آیتِ مذکورہ کی یہ تفسیر ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہؓ سے بروایتِ صیحہ ثابت ہے، جس میں ''قبل موته'' سے مراد ''قبل موت عیسیٰ'' (علیہ السلام) قرار دیا ہے جس نے آیت کا مفہوم واضح طور پر متعین کر دیا کہ یہ آیت قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے نازل ہونے کے متعلق ہے۔

اس تفسیر کی بنا پر یہ آیت ناطق ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی وفات ابھی نہیں ہوئی، بلکہ قیامت کے قریب جب وہ آسمان سے نازل ہوں گے اور ان کے نزول سے اللہ جل شانہ کی جو حکمتیں وابستہ ہیں وہ حکمتیں پوری ہو جائیں گی، تب اس زمین پر ہی ان کی وفات ہوگی۔

اس کی تائید سورۂ زخرف کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ (٦١)

ترجمہ:''اور بیشک عیسیٰ قیامت کی خبر ہے تو ہرگز قیامت میں شک نہ کرنا اور میرے پیرو ہونا یہ سیدھی راہ ہے۔'' (سورۂ الزخرف، آیت نمبر 61)

اب دوسری آیت واضح ہو جاتی ہے کہ جب قتل کرنے والوں اور جنھوں نے صلیب دینے کا دعویٰ کیا ان کے لیے یہ سارے بات متشبہ کر دی گئی تو آج چودہ سو سال بعد کا معترض کس طرح یقین سے کہہ سکتا ہے، آیت ملاحظہ فرمائیں:

وَّ قَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ‌ۚ-وَ مَا قَتَلُوۡهُ وَ مَا صَلَبُوۡهُ وَ لٰـكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ‌ؕ-وَ اِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ‌ؕ-مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ‌ۚ-وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ۙ‏(۱۵۷)

ترجمہ: ''اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا اور ہے یہ کہ انھوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان کے لئے اس کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا اور وہ جو اس کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں ضرور اس کی طرف سے شبہہ میں پڑے ہوئے ہیں انہیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں مگر یہی گمان کی پیروی اور بیشک انھوں نے اس کو قتل نہ کیا۔''

(سورۃ النساء، آیت نمبر 157)

اس لیے ان آیات میں تضاد نہیں بلکہ مناسبت و قربت ہے اللہ مزید سمجھ کی توفیق عطا فرمائے۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 70 کا جواب
انسان کی کتنی دفعہ زندگی اور موت ہے؟

ترجمہ: ''انسان کے لیے دو زندگیاں اور تین بار موت ہے۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 28)
ترجمہ: ''دو بار موت اور دو بار زندگی ہے۔'' (سورۂ المومن، آیت نمبر 11)

معترض نے، جو عربی کے عین سے بھی واقف نہیں اپنے معمول کے مطابق دو آیات پیش کر کے تضاد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ پہلی یہ کہ انسان کے لیے دو زندگیاں اور تین بار موت ہے، دوسری، انسان کے لیے دو بار موت اور دو بار زندگی۔ ہم آیات کا متن و ترجمہ پیش کر دیتے ہیں جس سے معترض کا دجل سب کے سامنے آجائے گا۔

كَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ كُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡيَاكُمۡ‌ۚ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ (۲۸)

ترجمہ: ''بھلا تم کیوں کر خدا کے منکر ہو گے حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں جلایا، پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جلائے گا، پھر اسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 28)

قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثۡنَتَيۡنِ وَ اَحۡيَيۡتَنَا اثۡنَتَيۡنِ فَاعۡتَرَفۡنَا بِذُنُوۡبِنَا فَهَلۡ اِلٰى خُرُوۡجٍ مِّنۡ سَبِيۡلٍ (۱۱)

ترجمہ: ''کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو بار مُردہ کیا اور دو بار زندہ کیا اب ہم اپنے گناہوں پر مُقِر ہوئے تو آگ سے نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے۔'' (سورۂ المومن، آیت نمبر 11)

یہاں دونوں آیات کا ایک ہی مطلب ہے۔ یعنی دو موت، دو بار زندگی۔ اس کا دو اعتبار سے جواب ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی موت جب کچھ بھی نہ تھے عدم (Nothingness) کی وادی میں تھا جو ایک موت ہی کی قسم ہے جیسا کہ قران میں سورۂ الدھر میں ہے۔

هَلۡ أَتَىٰ عَلَى ٱلۡإِنسَٰنِ حِينٞ مِّنَ ٱلدَّهۡرِ لَمۡ يَكُن شَيۡـٔٗا مَّذۡكُورًا (1)

ترجمہ: ''بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھی۔''

(سورۃ الدہر، آیت نمبر 1)

ایک بار باپ کی پشت میں بصورت نطفہ بے جان پیدا کیا، پھر ماں کے رحم میں زندگی عطا کر کے دنیا میں لایا پھر زندگی کا مقرر وقت ختم ہونے کے بعد زندگی لے لی، اور مردہ کر دیا، پھر قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر دیا، اب ان واضح آیات میں صرف بندر جیسی عقل رکھنے والے ملحد معترض کو ہی تضاد نظر آسکتا ہے۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 71 کا جواب
زمین وآسمان کیا پہلے سے موجود تھے یا بنائے گئے؟

ترجمہ: ''زمین وآسمان کو کہا کہ بن جاؤ تو وہ بن گئے۔'' (سورۃ الفصلت، آیت نمبر 11)

ترجمہ: ''زمین وآسمان پہلے ہی تھے ہم نے علیحدہ کردیئے۔'' (سورۃ الابرہیم، آیت نمبر 30)

ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ ہِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَہَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْہًا-قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ(۱۱)

ترجمہ: ''پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے، دونوں نے عرض کی کہ ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے۔''

(سورۃ الفصلت، آیت نمبر 11)

وَ جَعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِہٖ-قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِیْرَکُمْ اِلَی النَّارِ(۳۰)

ترجمہ: ''اور اللہ کے لیے برابر والے ٹھہرائے کہ اس کی راہ سے بہکاویں تم فرماؤ کچھ برت لو کہ تمہارا انجام آگ ہے۔'' (سورۃ الابراہیم، آیت نمبر 30)

دوسری آیت کا جو ترجمہ معترض نے پیش کیا اس کا اصل متن اور ترجمہ نیچے دیا گیا ہے

معترض نے سورۃ ابرہیم کی آیت نمبر 30 کا حوالہ دیا ہے جبکہ وہ سورہ انبیاء کی آیت نمبر 30 ہے

اَوَ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰہُمَا-وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ-اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ(۳۰)

ترجمہ: ''کیا کافروں نے یہ خیال نہ کیا کہ آسمان اور زمین بند تھے تو ہم نے انہیں کھولا اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی تو کیا وہ ایمان نہ لائیں گے۔'' (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 30)



ملحدین کے اعتراض نمبر 72 کا جواب
اللہ نے زمین وآسمان کو چھ دن میں بنایا یا اُسی وقت بنایا؟

ترجمہ: ''اللہ نے زمین و آسمان کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر سورج چاند ستارے مسخر کیے۔'' (سورۂ الاعراف، آیت نمبر 7)

ترجمہ: ''زمین وآسمان کو (فوری بنادیا) کہا ہوجا تو وہ ہوگئے۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 117)

اس اعتراض میں معترض نے دونوں آیات کا حوالہ غلط دیا ہے۔ اس لیے ہم آگے صحیح حوالہ درج کر کے وضاحت کرتے ہیں:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کائنات پہلے نہ تھی اور بعد میں تخلیق کی گئی جسے عدم (Nothingness) سے ماسوم کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں وہ اور بہت سی باتوں میں اُلجھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پہ نظریہ ارتقاء، اب اس کو بھی اگر بحث کو بڑھانے کے لیے آگے بڑھایا جائے تو ایک حالت سے دوسری حالت میں ترقی کرنا ارتقاء، اس میں بھی جب کہا جاتا ہے ایک حالت سے۔ دوسری حالت تو ظاہری بات ہے کہ پہلی حالت سے دوسری حالت جو پہلے نا تھی بدیگر الفاظ عدم (Nothingness) میں تھی۔

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ-وَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ(۱۱۷)

ترجمہ: ''نیا پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا اور جب کسی بات کا حکم فرمائے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہوجا وہ فوراً ہوجاتی ہے۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 117)

لفظ (بدیع) کا مادہ ہے (بدع) جس کا معنی ہے بغیر کسی سابقہ کے کسی چیز کا وجود میں آنا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کو خدا نے بغیر کسی مادے اور بغیر کسی پہلو، نمونے کے وجود بخشا ہے۔

اس سفسطہ کے حل کے لیے ایک اور تناظر بھی سمجھ لیں کہ کیوں کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں عقل

اس کو سمجھنے سے قاصر ہے مگر جو وہ مادے کے متعلق سفسطائیہ بیان کرتے ہیں اسے عقل کیسے قبول کرتی؟ آیئے ایک مختصر جائزہ لیں۔

اب یہ سوال ہوگا کہ کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز عدم سے وجود میں آجائے؟ جب کہ عدم وجود کی ضروت مند ہے۔ لہٰذا یہ کیسے علت اور منشاء وجود ہوسکتا ہے۔ کیا واقعاً یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ نیستی سبب ہستی ہو۔ مسئلہ ابداع پر مادیین کا یہ پرانا اعتراض ہے۔

اس کا جواب پیش خدمت ہے:

پہلے مرحلے میں تو یہ اعتراض خود مادہ پرستوں پر بھی وارد ہوتا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ ان کا اعتقاد ہے کہ یہ جہان قدیم اور ازلی ہے اور کوئی چیز بھی آج تک اس میں سے کم نہیں ہوئی اور یہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات میں کئی تغیرات آئے ہیں جن سے مادے کی یہ صورت بدلی ہے جو ہمیشہ بدلتی رہتی۔ گویا صورت بدلتی ہے نہ کہ مادہ۔

اب ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ مادے کی جو موجودہ صورت ہے، یقیناً وہ پہلے تو نہ تھی۔ اب یہ صورت کیسے وجود میں آئی کیا عدم سے وجود میں آئی۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر عدم کیسے وجود صورت کا منشاء ہوسکتا ہے۔

مثلاً ایک نقاش قلم اور سیاہی سے کاغذ پر ایک بہترین منظر بناتا ہے۔ مادہ پرست کہتے ہیں کہ اس کا جوہر اور سیاہی تو پہلے سے موجود تھی۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ منظر (صورت) جو پہلے موجود نہ تھا کس طرح وجود میں آیا۔ جو جواب وہ صورت کے عدم سے پیدا ہوجانے کے متعلق دیں گے وہی جواب ہم مادہ کے سلسلے میں دیں گے

دوسرے مرحلہ میں قابل توجہ اَمر یہ ہے کہ لفظ (سے) کی وجہ سے اشتباہ ہوا ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ''عالم نیستی سے ہستی میں آیا ہے'' کا مطلب ایسے ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ میز لکڑی سے بنائی گئی ہے۔ جس میں میز بنانے کے لئے لکڑی کا پہلے موجود ہونا ضروری ہے تاکہ میز بن سکے۔ جب کہ ''عالم نیستی سے ہستی میں آیا ہے'' کا معنی یوں نہیں بلکہ اس کا معنی ہے کہ عالم پہلے موجود نہ تھا بعد میں وجود پذیر ہوا۔

فلسفے کی زباں میں یوں کہنا چاہیے کہ ہر موجود ممکن (جو اپنی ذات سے وجود نہ رکھتا ہو) کو اپنی تشکیل کے لئے دو پہلو درکار ہیں (ماہیت) اور (وجود)۔

(ماہیت) ایک اعتباری معنی ہے کہ جس کی نسبت وجود و عدم کے ساتھ مساوی ہے۔ بہ الفاظ دیگر وہ قدر مشترک جو کسی چیز کے وجود اور عدم کو دیکھنے سے دستیاب ہو، اس کا نام ماہیت ہے۔ مثلاً یہ درخت پہلے نہیں تھا۔ اب وجود رکھتا ہے۔ جو چیز وجود و عدم سے ثابت ہو وہ ماہیت ہے لہٰذا جب ہم کہتے ہیں کہ خدا عالم کو عدم سے وجود میں لایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عالم حالت عدم کے بعد حالت وجود میں آ گیا ہے، دوسرے لفظوں میں ماہیت کو حالت عدم سے حالت وجود میں لایا گیا ہے۔

(مزید وضاحت کے لئے کتاب آفریدگار جہان کی طرف رجوع کریں)

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ
إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ

ترجمہ: ''بے علم افراد کہتے ہیں خدا ہم سے بات کیوں نہیں کرتا اور کوئی آیت و نشانی خود ہم پر کیوں نہیں نازل کرتا۔ ان سے پہلے بھی لوگ ایسی باتیں کرتے تھے۔ ان کے دل اور افکار ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ لیکن ہم (کافی تعداد میں اپنی) آیات اور نشانیاں (حقیقت کے متلاشی) اہل یقین کے لئے روشن اور واضح کر چکے ہیں۔''

ترجمہ: ''ہم نے تجھے حق کے ساتھ (اہل دنیا کو اچھائیوں اور برائیوں کے مقابلے میں) بشارت اور تہدید کے لئے بھیجا اور (اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے بعد) تم اہل جہنم کی گمراہی پر جواب دہ نہیں ہو۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 118 اور 119)

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے بہت سی جگہوں پہ اپنے تخلیق اَمر کے متعلق فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ یٰسین میں ہے:

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (۸۲)

ترجمہ: ''اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔''

(سورۂ یٰسین، آیت نمبر 82)

یعنی جب اللہ کسی شے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لیے ایک اَمر کرتا ہے ''کن'' اور پھر نیتجیتاً چونکہ ''ف'' نتیجہ کے طور پہ عربی میں استعمال ہوتا ہے جیسے ہم ریاضی کے مسائل میں کہتے

ہیں کہ ''پس'' ثابت ہوا جس کا عربی میں ''ف'' بنتا ہے اب اَمر ''کن '' کے بعد ''فیکون '' جس میں حال اور استمرار مستقبل میں دونوں موجود ہیں ۔یعنی وہ کام سارے کا سارا ڈیزائن ہو جاتا ہے، اپنے مادے، وقت اور مکان کے حساب سے اللہ کے ہاں اس اعتبار سے اس میں کتنا وقت اور عرصہ درکار ہے انسان اس سے مکمل واقفیت نہیں رکھتا کیونکہ یہ بات ہمارے زماں (Time) کے مطابق نہیں ہے۔اور ہم جانتے ہیں کہ زماں ومکاں کے بدلاؤ سے یہ سب ممکن ہے۔

(نوٹ، یہ آیت قرآن میں آٹھ مختلف مقام پر ذکر ہوئی ہے)

جدید سائنس کا اس بارے میں کیا موقف ہے؟

آئیں اب دیکھ لیں آئن اسٹائن اس پر کیا کہتا ہے:

''آئن سٹائن نے بتایا ہے کہ نظریاتی اور تجرباتی دونوں قسم کے وجوہات کی بنا پر مطلق زمان اور مطلق مکان کا تصوّر نا قابلِ قبول ہے۔ مثلاً پہلے اس جملے کو ہی لیجئے کہ فلاں فلاں دو واقعات ایک ہی وقت میں رونما ہوئے ۔اگر یہ واقعات ایک ہی جگہ پر ہوں اور ایک ہی نظام میں ہوں، یعنی اگر مشاہد ساکن ہوں یا یکساں سیدھی رفتار سے حرکت کر رہے ہوں تو ''ہم وقتی'' کا ایک معین تصوّر کر لیا جا سکتا ہے اور اس کی واضح اور غیر مبہم تعریف کی جاسکتی ہے۔لیکن یہ تعریف اس وقت کام نہیں دے سکتی جبکہ نظام مختلف ہوں اور واقعات مختلف مقاموں پر رونما ہوں۔''

اب بتائیے کہ ناسمجھ پتا نہیں کس دنیا میں رہتے ہیں اور پتا نہیں کون سے وہموں کو پالے پھرتے ہیں چلو قرآن سے تو ان کا بغض سہی، مگر دیگر کتب سے بھی یہ عاری ہیں۔اب قران مجید کی اس آیت کو ملاحظہ فرمائیں جہاں اللہ تعالی نے حضرت عزیر پر نیند طاری کی اور دو نظاموں جو اللہ کی طرف سے نشانی دیکھانے کے لیے طاری کیے گئے، کیا تھے۔

اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَۃٍ وَّ ہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا ۚ-قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ ہٰذِہِ اللّٰہُ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ۚ-فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ-قَالَ کَمۡ لَبِثۡتَ-قَالَ لَبِثۡتُ یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ-قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَۃَ عَامٍ فَانۡظُرۡ اِلٰی طَعَامِکَ وَ شَرَابِکَ لَمۡ یَتَسَنَّہۡ-وَ انۡظُرۡ اِلٰی حِمَارِکَ وَ لِنَجۡعَلَکَ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَ انۡظُرۡ اِلَی الۡعِظَامِ کَیۡفَ

نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا-فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ-قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۲۵۹)

ترجمہ: ''یا (کیا تم نے) اس شخص کو (نہ دیکھا) جس کا ایک بستی پر گزر ہوا اور وہ بستی اپنی چھتوں کے بل گری پڑی تھی۔ تو اس شخص نے کہا ''اللہ انہیں ان کی موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟'' تو اللہ نے اسے سو سال موت کی حالت میں رکھا پھر اسے زندہ کیا، (پھر اس شخص سے) فرمایا: تم یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے ہو؟ اس نے عرض کی: میں ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم وقت ٹھہرا ہوں گا۔ اللہ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ تو یہاں سو سال ٹھہرا ہے اور اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ اب تک بدبودار نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو دیکھ (جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں) اور یہ (سب) اس لئے (کیا گیا ہے) تا کہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دیں اور ان ہڈیوں کو دیکھ کہ ہم کیسے انہیں اُٹھاتے (زندہ کرتے) ہیں پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں تو جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہو گیا تو وہ بول اُٹھا: میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

(سورۂ البقرہ، آیت نمبر 259)

اس طرح کے دیگر واقعات خصوصاً اصحاب کہف، حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں بلقیس کا تخت، لیلۃ القدر کی رات کا ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہونا، اور دیگر واقعات موجود ہیں کہ زمان و مکان کے بدلنے سے وقت اور مقدار گھٹتی بڑھتی ہے اور یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔

اب اس پر بھی جدید سائنس کا موقف ملاحظہ فرمائیں۔

آئن سٹائن نے مثالیں دے کر بتایا ہے کہ واقعات کا ہم وقت ہونا ایک اضافی چیز ہے۔ ایک مشاہد زید کے لئے جو واقعات ہم وقت ہوں، ضروری نہیں کہ دوسرے مشاہد بکر کے لیے بھی وہ ہم وقت ہوں، بلکہ یکے بعد دیگرے ہو سکتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وقت کے بہاؤ کی شرح کا بھی ان دونوں کے لیے یکساں ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر دو واقعات کے درمیان زید کی گھڑی ایک گھنٹے کا واقعہ ظاہر کرے تو یہ ممکن ہے کہ انہی دو واقعات کے درمیان بکر کی گھڑی میں ایک گھنٹے سے زیادہ وقفہ معلوم ہو۔ اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وقت کوئی مطلق چیز نہیں بلکہ اضافی ہے ہر مشاہد کا ایک خاص ذاتی وقت ہوتا ہے اور اگر دو مشاہد ملحوظ ایک دوسرے کے اضافی حرکت کر رہے ہوں تو ان کے وقت بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے۔

اس اعتبار سے ہم اس بات کو سمجھنے کے قابل ہوئے ہیں کہ ہمارے زماں ومکاں دیگر زماں ومکاں سے مختلف النوع ہیں جن کو ایک دوسرے پہ قیاس کرنا بڑی غلطی کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے۔

اب چونکہ ہم اس بات کو سمجھ چکے کہ ہمارے زماں ومکاں کا مشاہدہ ہماری زمین یا ہمارے سیارے یا ایک خاص Point Of Reference کے اعتبار سے پیمائش کیا جاتا ہے، اس کے بعد ہم دیگر آیات کو دیکھنے اور درست تناظر میں دیکھنے کے قابل ہوجاتے ہیں۔

چونکہ یہی مکمل پلان جو اَمر سے خلق یعنی ہمارے زماں ومکاں کا حصہ بنتا ہے تو Point Of Reference ہم بن جاتے ہیں تو اس اعتبار سے اضافتی سطح پہ بیج جو مکمل پاسٹر پلان ہوتا ہے ہمارے زماں ومکاں کے حساب سے گروتھ کرتا ہے۔ انسان کے کروموسوم میں انسانی حیات کی مکمل ہسٹری مندرج ہوتی ہے جو ایک ''امر'' سے پلان ہوگئی اور بعد میں اپنے وقت اور امکان Possibility کے تحت نمو پذیر ہوتی رہتی ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ- یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًاۙ-وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ-اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ-تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ(۵۴)

ترجمہ: ''بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے، پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے، رات دن کو ایک دوسرے سے ڈھانکتا ہے کہ جلد اس کے پیچھے لگا آتا ہے اور سورج اور چاند اور تاروں کو بنایا سب اس کے حکم کے دبے ہوئے سن لو اسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا بڑی برکت والا ہے اللہ رب سارے جہان کا۔''

(سورۃ الاعراف، آیت نمبر 54)

اس آیت میں اللہ تعالی کا فرمان ہے ''ثم استوی علی العرش'' جو کنایہ ہے کہ وہ پاسٹر پلان بنا کر اسے خود کار نظام کے تحت چھوڑ کر ایک طرف نہیں جا بیٹھتا بلکہ اسے خود اپنی قدرت وحکمت کے ساتھ سنوارتا اور سنبھالتا بھی ہے اور ہم سب کا رب العالمین ہے۔

اب ہم معترض کے پیش کردہ دیگر آیات کو بھی دیکھ سکتے ہیں:

ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ

كَرْهًا-قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ(۱۱)

ترجمہ:''پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے، دونوں نے عرض کی کہ ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے۔''

(سورۃ الفصلت ،آیت نمبر 11)

اس آیت میں بھی زمین و آسمان کے مختلف مراحل سے گزرنے کا بیان ہے اور قدرتِ کاملہ کے ساتھ تدبیرِ اَمر کا بیان ہے کہ آسمان کی طرف قصد فرمایا جب کے وہ دخان یا گیسس کی شکل میں تھے اور جو آیت میں اشارہ ہے۔ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا-قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے دونوں نے عرض کی کہ ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے۔

یہ ان اجزاء اور عناصر ہی کی طرف اشارہ ہے جو طبعاً اور فطرتاً زمین و آسمان بننے کی صلاحیت رکھتے تھے تبھی انھوں نے کہا ''ہم رغبت سے حاضر ہوئے''۔

چونکہ اس وقت وہ گیسز کی حالت میں تھی اور ظاہری بات ہے یہ ایک دوسرے کے ساتھ ایک خاص تناسب میں ملی جلی تھیں، پھر اللہ تعالی نے انہیں اس طبیعت کے مطابق جن کا ان میں خاصہ رکھا تھا، جدا جدا کر دیا جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا-وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ-اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ(۳۰)

ترجمہ:''کیا کافروں نے یہ خیال نہ کیا کہ آسمان اور زمین بند تھے تو ہم نے انہیں کھولا اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی تو کیا وہ ایمان نہ لائیں گے۔'' (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 30)

رَتْقکا معنی ہے منہ بند، جڑا ہوا۔ اس کا انگریزی معنی ہے A Joined Entity۔ اس کے علاوہ Rigid صوتی لحاظ سے اس کے قریب معلوم ہوتا ہے۔ اس کے معنی ہیں سخت، غیر لچکدار، قائم، نصب۔ ان معانی سے معلوم ہوتا ہے کہ رَتْق وہ بنیادی اکائی ہے جس میں کثیر التعداد اکائیوں کا پورا نظام موجود تھا۔ اس کا مادہ (ماٹی، مٹی، ماتا، مادر، Mother,Matter) ہے رتق۔ اس میں صوت وصورت کے تمام نقشے مستور ہیں۔ یہ پردہ غیب میں پوشیدہ مستقبل کی مکمل سکیم ہے جس کا اظہار فَتَقْ کے ذریعے ہوا۔

اس کی ایک تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالی نے یہ بھی فرمائی کے زمین وآسمان کے مسام بند تھے تو اللہ نے آسمان کے مسام کھولے تو پانی برسا اور زمین کے مسام کھولے تو ذی حیات کی پیدائش ہوئی۔ یہ بھی کوئی مانع بات نہیں جب دونوں کو جدا فرما دیا گیا اور وہ اپنی اصل حالت میں آئے ان کا قوام درست ہوا تو طبعاً ان میں جو کہ خاصے رکھے تھے وہ بالفعل ایکٹویٹ اور فعال ہو گئے جو تخلیقی مراحل میں سے ایک مرحلہ تھا۔

اس طرح ان آیات میں ایک ترتیب اور تسلسل کو ملحوظ رکھنے سے کوئی تضاد وتعارض نہیں رہتا اللہ سمجھ کی توفیق عطا فرماِے امین۔

واللہ۔اعلم باالصواب

وماتوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 73 کا جواب
مجرم کون؟

ترجمہ: ’’اور ہم نے مجرم لوگوں کو نبی کا دشمن بنا دیا۔‘‘ (سورۂ الفرقان، آیت نمبر 31)

ترجمہ: ’’اللہ ہی ہدایت دیتا ہے۔‘‘ (سورۂ االفرقان، آیت نمبر 31)

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ-وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا (۳۱)

ترجمہ: ’’اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن بنا دیئے تھے مجرم لوگ اور تمہارا رب کافی ہے ہدایت کرنے اور مدد دینے کو۔‘‘ (سورۂ الفرقان، آیت نمبر 31)

ایک ہی آیت میں معترض نے تضاد سمجھا اور پیش کر دیا حالانکہ اس میں کوئی تضاد دُور دُور تک نہیں۔ آیت کے پہلے ٹکڑے میں انبیاء علیہ السلام کی تبلیغی مساعی کے مرحلے میں مجرمین کا انبیاء علیہ السلام سے دشمنی کا ذکر ہے۔ یہ بات کہ ’انبیاء کے دشمن بنا دیا‘ شاید معترض سمجھتا ہے ابتدائی فعل کے طور پہ ہے ایسا نہیں ہے بلکہ یہ "’’جعل مرکب‘‘ ہے ’’جعل بسیط‘‘ نہیں۔ کیوں کے آیت میں موجود ہے کہ وہ مجرمین ہیں انھوں نے حزب الشیطان کو جوائن کیا اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور کفر کیا اس آیت سے پہلے کی آیت ملاحظہ فرمائیں:

لَّقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا (29)

ترجمہ: ’’اس نے مجھ کو (کتاب) نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا۔ اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔‘‘

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (30)

ترجمہ: ’’اور پیغمبر کہیں گے کہ اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑے رکھا۔‘‘

(سورۂ الفرقان، آیت نمبر 29 تا 30)

اب یہ ہے ان کا عمل جس کا نتیجہ کیا نکلنا تھا کیونکہ وہ شیطان کی جماعت سے جڑ گئے تھے

اور یہ ظاہری بات ہے کہ نتیجہ حزب الرحمٰن سے دشمنی ہی نکلنا تھا اور اسے ہی ’’جعل المرکب‘‘ کہتے ہیں کہ انھوں نے ایک راستہ اختیار کیا اور اس کا نتیجہ اپنے موقف کے مخالف سے دشمنی ہی بنتا ہے ظاہری بات ہے کہ نیتجہ کا بار عمل کرنے والے پہ ہے اور یہاں اس بات کا ہی ذکر ہے یعنی اس نتیجے کے اثبات کا اور اگلے حصے میں اس حزب الشیطان سے مدد اور ھدایت پہ قائم رہنے کی بشارت ہے نا کہ تضاد اللہ سمجھ کی توفیق عطا فرمائے آمین

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 74 کا جواب
جب جادُو شر ھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا کیوں مشورہ دیا؟

ترجمہ: ”موسیٰ نے جادو کی ترغیب کی۔“ (سورۃ الطہٰ، آیت نمبر 69)

ترجمہ: ”جادو شر ہے۔“ (سورۃ الفلق، آیت نمبر 4)

معترض نے ان آیات کا غلط ترجمہ پیش کر کے تضاد ثابت کرنا چاہا، اس علمی بدیانتی کا مظاہرہ معترض اس سے پہلے متعدد بار کر چکا ہے۔ درست متن اور ترجمہ نیچے ملاحظہ فرمالیں:

وَ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا-اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ-وَ لَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰى(۶۹)

ترجمہ: ”اور تو ڈال دے جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے وہ ان کی بناوٹوں کو نگل جائے گا وہ جو بنا کر لائے ہیں، وہ تو جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر کا بھلا نہیں ہوتا کہیں آوے۔“

وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِۙ(۴)

ترجمہ: ”اور ان عورتوں کے شر سے جو گرہوں میں پھونکتی ہیں۔“ (سورۃ الفلق، آیت نمبر 4)

صرف ترجمے سے ہی بات عیاں ہو جاتی ہے، تبصرے کی ضرورت محسوس ہی نہیں ہوتی لیکن پھر بھی ہم کچھ تبصرہ کیے دیتے ہیں۔

اصل میں معترض سحر اور معجزے کے فرق سے نابلد ہے، دوسرا شر اور خیر کے درمیان فرق کرنے سے بھی قاصر ہے۔ جادو و سحر کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

جادو لغوی اعتبار سے:

جادو کے لیے عربی زبان میں ”سحر“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ علمائے لغت نے ”سحر“ کے کئی معانی بیان کیے۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے لکھا ہے کہ وہ چیز جس کا ماخذ لطیف اور دقیق ہو ”سحر“ ہے (القاموس)

علامہ سعید بن حماد جوہری نے بھی ''الصحاح'' میں یہی بیان کیا۔۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں کہ کسی چیز کو اس کی حقیقت سے پلٹ دینا ''سحر'' ہے (تاج العروس)۔

علامہ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ سحر کا اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے:

(۱) نظر بندی: یہ محض تخیلات ہوتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں فرعون کے جادوگروں نے جو جادو پیش کیا وہ یہی نظر بندی تھی۔

(۲) شیطان کا قرب حاصل کر کے اس کی مدد سے کوئی ایسا کام کر دکھانا جو عام عادت سے ہٹ کر ہو۔

(۳) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جادو سے کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت بدل دی جاتی ہے، لیکن اس قول کی کوئی حقیقت نہیں (المفردات)

سورہ طٰہٰ میں جادوگر جو فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں لایا تھا ان کی دجل کاری اور فریب کو ظاہر کرنے کے لیے معجزہ کے طور پہ موسیٰ علیہ السلام کے عصاء کو اژدہا میں بدل کر ان کے بناوٹی سانپوں کو نگلنے کا ذکر ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہ سانپ کی شکلیں لوگوں کو دکھائی دے رہی ہیں، یہ سب فریب ہے حقیقت نہیں۔ اس کے ثبوت کے طور پہ عصاء کا اژدھا بن کر نگل جانا ہے۔ اس نگلنے کے بعد جادوگر کیوں ایمان لے آئے؟ یہ بات بہت ضروری ہے سمجھنا جادوگر جانتے ہیں کہ یہ سب فریب ہے یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ صرف وہم پیدا کرتے ہیں، تبھی تو انھوں نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء کو اژدہا بن کر سانپ نگلتے دیکھا تو ششدر رہ گئے کہ یہ جادو نہیں اس کا اظہار اگلی آیات میں موجود ہے:

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ (70)

ترجمہ: ''(القصہ یوں ہی ہوا) تو جادوگر سجدے میں گر پڑے (اور) کہنے لگے کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لائے۔''

کیوں ایمان لائے یہ بھی سن لو تا کہ تم (ملحد) عقل کے اندھوں کو معجزہ اور سحر میں فرق معلوم ہو جائے۔

فرعون کے ڈرانے دھمکانے پر بھی ان جادوگروں کا جواب کیا تھا ملاحظہ فرمائیں۔

الَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَأُقَطِّعَنَّ

أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ (71)

ترجمہ: ''(فرعون) بولا کہ پیشتر اس کے میں تمہیں اجازت دوں، تم اس پر ایمان لے آئے۔ بے شک وہ تمہارا بڑا (یعنی اُستاد) ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ سو میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں (جانب) خلاف سے کٹوا دوں گا اور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھوا دوں گا (اس وقت) تم کو معلوم ہوگا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر تک رہنے والا ہے''۔

قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (72)

ترجمہ: ''انھوں نے کہا جو دلائل ہمارے پاس آ گئے ہیں ان پر اور جس نے ہم کو پیدا ہے اس پر ہم آپ کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تو آپ کو جو حکم دینا ہو دے دیجئے۔ اور آپ (جو) حکم دے سکتے ہیں وہ صرف اسی دنیا کی زندگی میں (دے سکتے ہیں)۔''

آیت نمبر 72 میں واضح الفاظ میں جادوگر کا بیان موجود ہے کہ ہم نے بینات، روشن نشانیاں (معجزے) کی شکل میں دیکھ لی ہیں۔ اب اس کے بعد تو ہم کو اس دنیا میں تو نقصان پہنچا سکتا ہے مگر آخرت میں ہم اللہ کے حضور سرخرو ہوں گے۔

کاش کے معترض بھی آنکھیں کھول کر قرانِ حکیم کا مطالعہ کر لیتے تو ہدایت نصیب ہو جاتی، لیکن ان کو اپنی بندر والی عقل لگا کر تضاد دکھانا ہے اللہ ہدایت دے۔

وما توفیق الا باللہ۔



ملحدین کے اعتراض نمبر 75 کا جواب
کیا جانور بھی جہنم میں جائیں گے؟

ترجمہ: ''انسان اور جن جہنم میں جائیں گے۔ جانور نہیں۔'' (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 179)

ترجمہ: ''انسانوں اور جانوروں کی بڑی تعداد جہنم جائیگی۔'' (سورۃ الحج، آیت نمبر 18)

معترض نے حسب معمول دو آیات کا غلط ترجمہ پیش کر کے تضاد ثابت کرنا چاہا، پہلی یہ کہ انسان اور جن جہنم میں جائیں گے۔ جانور نہیں۔ اور دوسری یہ کہ انسانوں اور جانوروں کی بڑی تعداد جہنم میں جائیگی۔ ہم آیات کا عربی متن و ترجمہ درج کر کے جواب دیتے ہیں۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَاؗ-وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَاؗ-وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا-اُولٰٓىٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ-اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ(۱۷۹)

ترجمہ: ''اور بیشک ہم نے جہنم کے لیے پیدا کیے بہت جن اور آدمی، وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ وہی غفلت میں پڑے ہیں۔'' (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 179)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ-وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ-وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ-اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ(۱۸)

ترجمہ: ''کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت آدمی اور بہت وہ ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا اور جسے اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں بیشک اللہ جو چاہے کرے۔'' (سورۃ الحج، آیت نمبر 17)

اللہ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے کہ جب انسان ضد اور ہٹ دھرمی میں اس درجہ آگے نکل

جائے کہ سامنے کا حق و سچ بھی نظر نہ آئے۔ افسوس صد افسوس معترض غلط ترجمے، اور کجروی سے کام لے کر خود ساختہ ترجمہ پیش کر کے پتا نہیں کیا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اس وقت تک تو سوائے اس کی جہالت اور کم فہمی کے کچھ اور ثابت نہیں ہوا۔ دونوں آیات مع عربی متن اور ترجمہ اُوپر دے دی گئی ہیں، قارئین خود پڑھ لیں اور فیصلہ کر لیں۔ پہلی آیت دوسری آیت کی موید ہے کہ جن اور انسان جہنم میں جائیں گے کیونکہ انہیں ارادے اور اختیار دے کر پیدا کیا گیا۔

دوسری آیت میں اللہ کریم بہت سی جاندار اور بے جان اشیاء کے سجدے کا ذکر فرما کر کچھ انسانوں کا بھی ذکر ارشاد فرماتا ہے جیسے کہ: وَ كَثِيرٌ مِّنَ ٱلنَّاسِ ''اور بہت سے انسان بھی''

سارے انسان نہیں اور انہیں میں سے جو خدا کے آگے سجدہ ریز نہیں ہوتے ان ہی کے متعلق فرمایا: وَ كَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ ٱلْعَذَابُ ''ہاں بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب کا مقولہ ثابت ہو چکا ہے۔''

دیگر پر نہیں۔ اس لیے ہی اللہ نے سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 179 میں فرما دیا کہ:

ترجمہ: ''وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی گمراہی میں زیادہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔''

یعنی جانور تو اپنے طریقوں پر سجدہ ریز ہیں مگر انسان چوپائیوں سے بھی بدتر ہیں جیسا کہ ترجمہ سے عیاں ہے یہاں تضاد کہاں ہے سوائے معترض کی عقل میں؟

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 76 کا جواب
جب شہید زندہ ہے تو قیامت میں لوگ دوبارہ زندہ کیوں ہوں گے؟

ترجمہ: ''قیامت کے دن لوگ قبروں سے زندہ کیے جائیں گے۔'' (سورۃ الحج، آیت نمبر 7)

ترجمہ: ''جو اللہ کی راہ میں مارے گئے وہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق دیے جا رہے ہیں۔'' (سورۃ النساء، آیت نمبر 169)

معترض نے ان دو آیات کا ترجمہ پیش کر کے تضاد ثابت کرنا چاہا ہے ہم عربی متن و ترجمہ درج کر کے جواب لکھتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ (۷)

ترجمہ: ''اور اس لئے کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ اللہ اُٹھائے گا انہیں جو قبروں میں ہیں۔'' (سورۃ الحج، آیت نمبر 7)

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ (۱۶۹)

ترجمہ: ''اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں۔'' (سورۃ آل عمران، آیت نمبر 169)

ان آیات میں بھی کوئی تعارض موجود نہیں سوائے لاعلم اور ہٹ دھرم لوگوں کے، اصل میں جب جب بھی آیات کو سیاق و سباق سے کاٹ کر سمجھا جائے گا یا لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے ایسا کیا جائے گا تو پھر ایسا ہی ہوگا۔

اللہ رب العزت کا ایک قانون ہے کہ وہ لوگوں کو ہدایت کے تمام اہتمام فرماتا ہے، جس میں وعدہ الست، آیاتِ آفاق و انفس اور انبیاء علیہ السلام کی بعثت بھی اور جب انبیاء علیہ السلام کو بھیج کر ان پہ حجت قائم کر دیتا ہے تو عذاب کا وعدہ اس دنیا سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلاً يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ.

ترجمہ: ''اور تمہارا رب شہروں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے اصل مرجع میں رسول نہ بھیجے جو ان پر ہماری آیتیں پڑھے اور ہم شہروں کو ہلاک نہیں کرتے مگر جبکہ ان کے ساکن ستم گار ہوں۔''

(سورۂ القصص، آیت نمبر 59)

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلاً.

ترجمہ: ''اور ہم عذاب دینے والے نہیں تھے، جب تک کسی رسول کو بھیج نہ دیں۔''

(سورۂ بنی اسرائیل، آیت نمبر 15)

اب یہ عذاب اور یہ انعام دنیا میں ہی شروع ہو جاتا ہے، کافروں اور مومنین کے لیے جو قیامت سے پہلے تک جو قبر کا عرصہ ہے اور جسے عالم برزخ کہا جاتا ہے، جاری رہتا ہے جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:

حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے گی (تو) وہ کہے گا اے میرے رب مجھے (دنیا میں) واپس بھیج دے۔ تاکہ میں اس (دنیا) میں کچھ نیک عمل کرلوں جسے میں چھوڑ آیا ہوں ہرگز نہیں، یہ وہ بات ہے جسے وہ (بطور حسرت) کہہ رہا ہوگا اور ان کے آگے ایک دن تک ایک پردہ (حائل) ہے (جس دن) وہ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔''

(سورۂ المومنون، آیت نمبر 99 تا 100)

بَرْزَخٌ: کے معنی ''دو چیزوں کے درمیان آڑ، روک، یا، پردہ۔ موت سے قیامت تک کا زمانہ (وقفہ)۔''

برزخ ایک ایسا پردہ ہے جو انسانی عقل کبھی بھی نہیں سمجھ سکتی اور یہ یہاں اپنے اصلی معنی میں ہی استعمال ہوا ہے۔ اس پردہ کے پیچھے کیا ہے؟ اور کیا ہو رہا ہے؟۔

اسی عذاب کے متعلق فرعونیوں کا تذکرہ یوں ہے:

فَوَقَاهُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ﴿45﴾ النَّارُ

يُعۡرَضُونَ عَلَيۡهَا غُدُوّٗا وَعَشِيّٗاۚ وَيَوۡمَ تَقُومُ ٱلسَّاعَةُ أَدۡخِلُوٓاْ ءَالَ فِرۡعَوۡنَ أَشَدَّ ٱلۡعَذَابِ﴿46﴾

ترجمہ: ''پس اسے اللہ تعالیٰ نے تمام بدیوں سے محفوظ رکھ لیا جو انھوں نے سوچ رکھی تھیں اور فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب اُلٹ پڑا۔ آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی [فرمان ہوگا کہ] فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔''

(سورۂ المومنون، آیت نمبر 45 تا 46)

اس بنیادی عذاب وثواب کے اُصول کو سمجھنے اور عالم برزخ کی زندگی کو سمجھنے کے بعد، ملاحظہ فرمائیں اللہ تعالی فرماتا ہے:

وَ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا‌ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَۙ‏ (۱۶۹)

ترجمہ: ''اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہر گز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں۔'' (سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 169

وَ لَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ يُّقۡتَلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ وَّ لٰكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ‏ (۱۵۴)

ترجمہ: ''اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔''

(سورۂ البقرہ، آیت نمبر 153)

کیونکہ اس آیت کا شانِ نزول ہی یہی تھا کہ کافر کہتے تھے کہ یہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے لگ کے زندگیوں سے بھی گئے، ان کو بہت سمجھایا تھا اس پہ اللہ نے ان کی حیات برزخی کا ذکر زندگی اور نعمتوں کے اعتبار سے فرمایا ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس زندگی کا تمہیں شعور نہیں ہے سوائے اس کے کہ ہم تمہیں خبر دیں۔ کیونکہ معترض اس برزخی زندگی سے تو کجا اس دنیا کی زندگی کو بھی درست نہ سمجھ سکے اس لیے اعتراض جڑ دیا۔

وما توفیق الا باللہ۔



ملحدین کے اعتراض نمبر 77 کا جواب
قیامت کے دن کون سفارش کرے گا؟

ترجمہ: ''اُس دن کوئی کسی کی سفارش نہیں کرے گا۔'' (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 123)

ترجمہ: ''سوائے اس کے جس کو اللہ نے اجازت دی ہو۔'' (سورۃ الطٰہٰ، آیت نمبر 109)

درست عربی متن اور ترجمہ قارئین کے لیے پیشِ خدمت ہے۔ معترض اس آیت میں تعارض ڈھونڈ لایا ہے افسوس ہے صاحب کی بصیرت پر۔

وَ اتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ(۱۲۳)

ترجمہ: ''اور ڈرو اُس دن سے جب کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہوگی اور نہ اس کو کچھ لے کر چھوڑیں اور نہ کافر کو کوئی سفارش نفع دے اور نہ ان کی مدد ہو۔'' (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 123)

یَوْمَىٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا (109)

ترجمہ: ''اُس روز (کسی کی) سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی مگر اُس شخص کی جسے خدا اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔'' (سورۃ الطٰہٰ، آیت نمبر 109)

اس میں کوئی تضاد نہیں اور نہ تعارض۔ اصل میں معترض عربی گرائمر قوانین کے ساتھ ساتھ اُردو میں بھی ہاتھ تنگ رکھتا ہے۔ عربی میں ایک اُصول ہے استثناء کا یہ دیگر زبانوں میں بھی رائج ہے بلکہ یہ تو قوانین وآئینِ ممالک کا بھی بنیادی حصہ ہے مگر معترض اس سے کوسوں دُور ہے۔

آیئے اس اُصول کو سمجھ لیں۔ جب بھی کسی جملے میں کسی شے کی نفی کی جاتی ہے اور اس نفی یا اثبات میں سے بعض کو استثناء دیا جاتا ہے تو استثنا کا مطلب ومعنی ہی یہی ہے کہ وہ اس نفی کا حصہ نہیں مثلاً:

''کوئی معبود نہیں سوائے اللہ تعالی کے۔''

''تم سب چور ہو، سوائے زید کے۔''

''کسی کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی سوائے جس کو خدا اجازت دے۔''

آیت الکرسی میں بھی اس بابت خبر استثناء کے ساتھ دی گئی ہے:

مَن ذا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُۥٓ إِلَّا بِإِذْنِهِۦ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ

ترجمہ: ''ایسا کون ہے جو اس کی اجازت کے سوا اس کے ہاں سفارش کر سکے۔''

اب معترض کو یہ سب بھی تضاد لگتا ہے تو کیا کر سکتے ہیں۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 78 کا جواب
جنّت کی چوڑائی کتنی ہے؟

ترجمہ: ''جنت کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کی ہے۔'' (سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 133)
ترجمہ: ''جنت کی چوڑائی (ایک) آسمان اور زمین جیسی ہے۔'' (سورۂ الحدید، آیت نمبر 21)

وَ سَارِعُوْۤا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُۙ-اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَۙ(۱۳۳)

ترجمہ: ''اور ڈورو اپنے رب کی بخشش اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑان میں سب آسمان و زمین آجائیں پرہیزگاروں کے لئے تیار رکھی ہے۔'' (سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 133)

سَابِقُوْۤا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِۙ-اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖؕ-ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُؕ-وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ(۲۱)

ترجمہ: ''بڑھ کر چلو اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی جیسے آسمان اور زمین کا پھیلاؤ تیار ہوئی ہے ان کے لیے جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔'' (سورۂ الحدید، آیت نمبر 21)

یہاں جنت کا تذکرہ ہے جنت کے سب درجات یا اقسام یکساں نہیں، اس لیے یہ کہنا بذات خود لاعلمی اور بدیانتی ہے کہ جی یہاں تعارض ہے جب کہ اس کی پوری معلومات کو پسِ پشت ڈال دیا جائے۔ آیئے اس کا قرآن وحدیث سے جائزہ لیتے ہیں تاکہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجائے۔

جنت کے درجات اور ان کے نام

نمبر 1۔ جنت الفردوس

نمبر 2۔ جنت دار القمام

نمبر 3۔ جنت دار السلام

نمبر 4۔ جنت دار القرار

نمبر 5۔ جنت دار الخلد

نمبر 6۔ جنت دار العدن

نمبر 7۔ جنت النعیم

نمبر 8۔ جنت الماویٰ

ان کا تذکرہ جن آیات میں آیا ہے اُن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتۡ لَہُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا ۙ

(سورۃ الکھف، آیت نمبر 117)

۲۔الَّذِیۡۤ اَحَلَّنَا دَارَ الۡمُقَامَۃِ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیۡہَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیۡہَا لُغُوۡبٌ (سورۃ الفاطر، آیت نمبر 35)۳

۳۔لَہُمۡ دَارُ السَّلٰمِ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَ ہُوَ وَلِیُّہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ

(سورۃ الانعام، آیت نمبر 127)

۴۔وَ قِیۡلَ لِلَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا مَا ذَاۤ اَنۡزَلَ رَبُّکُمۡ ؕ قَالُوۡا خَیۡرًا ؕ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِیۡ ہٰذِہِ الدُّنۡیَا حَسَنَۃٌ ؕ وَ لَدَارُ الۡاٰخِرَۃِ خَیۡرٌ ؕ وَ لَنِعۡمَ دَارُ الۡمُتَّقِیۡنَ ۙ

(سورۃ النحل، آیت نمبر 30)

۵۔اُولٰٓئِکَ یُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَۃَ بِمَا صَبَرُوۡا وَ یُلَقَّوۡنَ فِیۡہَا تَحِیَّۃً وَّ سَلٰمًا ۙ

(سورۃ الفرقان، آیت نمبر 75)

۶۔قُلۡ اِنۡ کَانَتۡ لَکُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ عِنۡدَ اللّٰہِ خَالِصَۃً مِّنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 94)

۷۔وَ لَوۡ اَنَّ اَہۡلَ الۡکِتٰبِ اٰمَنُوۡا وَ اتَّقَوۡا لَکَفَّرۡنَا عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ لَاَدۡخَلۡنٰہُمۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ (سورۃ المائدہ، آیت نمبر 65)

۸۔وَعَدَ اللّٰہُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا وَ مَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ وَ رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکۡبَرُ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ

(سورۃ التوبہ، آیت نمبر 72)

۹۔قُلۡ اَذٰلِكَ خَيۡرٌ اَمۡ جَنَّةُ الۡخُلۡدِ الَّتِىۡ وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ‌ؕ كَانَتۡ لَهُمۡ جَزَآءً وَّمَصِيۡرًا

(سورۃ الفرقان، آیت نمبر 15)

۱۰۔فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰى ۙ عَنۡ ذِكۡرِنَا وَلَمۡ يُرِدۡ اِلَّا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا

(سورۃ النجم، آیت نمبر 29)

۱۱۔وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَكَفَّرۡنَا عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَلَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ (۶۵) (سورۃ المائدہ، آیت نمبر 65)

۱۲۔عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰىؕ (سورۃ النجم، آیت نمبر 15)

یہ تو وہ چند منزلیں اور درجات ہیں جو قرآن نے بیان فرمائے ہیں۔ اس کے علاوہ احادیث میں بھی ان کا عمومی تذکرہ موجود ہے جیسا کہ ترمذی کی حدیث ہے:

جنّت کی منزلیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جنّت میں سو منزلیں ہیں ہر دو منزلوں کے درمیان فاصلہ ایسا ہے جیسے آسمان و زمین کے درمیان اور فردوس اعلیٰ درجہ ہے جس سے جنّت کی چاروں نہریں پھوٹتی ہیں اور اس کے اُوپر عرش ہے تو تم جب بھی اللہ سے مانگو تو اس سے فردوس مانگو۔''

(ترمذی، ج4، ص238، حدیث:2538)

اگر معترض کی پیش کردہ آیات میں بھی دیکھیں تو دونوں جگہوں پر'' جنة '' اور ''عرضها ''صیغہ واحد ہی استعمال ہوا ہے۔ نہ کہ صیغہ جمع۔ اس لیے ان میں نہ تعارض ہے نہ ہی تضاد۔

وما توفیق الا باللہ۔



ملحدین کے اعتراض نمبر 79 کا جواب
جنّت میں مرد بیویوں کے ساتھ ہوں گے یا حوروں کے ساتھ ہوں گے؟

ترجمہ: ''جنت میں مرد اپنی بیویوں کے ساتھ ہوں گے۔'' (سورۂ الزخرف، آیت نمبر 43)

ترجمہ: ''بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ بیاہ ہونگے۔'' (سورۂ الطور، آیت نمبر 20)

پہلی آیت کا ترجمہ جو معترض نے لکھا وہ حوالہ سابقہ کئی حوالوں کی طرح قرآن میں نہیں ہے۔ بہرکیف دوسری آیت مع متن ترجمہ اور تبصرہ نیچے دیا گیا ہے۔

مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ

ترجمہ: ''تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے جو قطاروں میں بچھے ہوئے ہیں، اور ہم ان کا نکاح بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے کردیں گے۔'' (سورۂ الطور، آیت نمبر 20)

معترض کا کہنا ہے ایک جگہ اپنی دنیوی بیویوں کے ساتھ (جس کا حوالہ نہ مل سکا) ہونگے اور دوسری جگہ حوروں کے ساتھ نکاح کا ذکر ہے یہ تضاد ہے۔

ان میں کوئی تعارض نہیں ہے اللہ کریم جنتیوں کو ان کی جنتی بیویاں بھی عطا فرمائے گا اور حوریں بھی انعام کے ساتھ دے گا، اسی سورۂ طور کی آیت نمبر 20 میں حوروں کا ذکر ہے تو ساتھ ہی اگلی آیت میں اولادوں تک کا بھی ذکر ہے جسے معترض آسانی سے ہضم کر گیا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (21)

ترجمہ: ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان میں ان کی پیروی کی، ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی (جنت) میں ملا دیں گے اور ان کے عمل میں سے کچھ بھی کم نہ کریں گے، ہر شخص اپنے عمل کے ساتھ وابستہ ہے۔'' (سورۂ الطور، آیت نمبر 21)

اس کے علاوہ جنتی خواتین کا بھی جابجا تذکرہ قرآن واحادیث میں موجود ہے۔

جنت میں داخل ہونے والی خواتین کو اللہ تعالیٰ نئے سرے سے پیدا فرمائیں گے اور وہ کنواری حالت میں جنت میں داخل ہوں گی۔جنتی خواتین اپنے شوہروں کی ہم عمر ہوں گی۔جنتی خواتین اپنے شوہروں سے ٹوٹ کر پیار کرنے والی ہوں گی۔قرآن مجید میں ان تمام باتوں کو سورۃ الواقعہ میں اس طرح بیان کیا ہے:

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً (35) فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا (36) عُرُبًا اَتْرَابًا (37) لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ(38)

ترجمہ:''اہل جنت کی بیویوں کو ہم نئے سرے سے پیدا کریں گے اور انہیں باکرہ بنادیں گے اپنے شوہروں سے محبت کرنے والیاں اور انکی ہم، یہ سب کچھ داہنے ہاتھ والوں کے لیے ہوگا۔''

(سورۃ الواقعہ)

اہل ایمان میں مردوں کے ساتھ کوئی خاص معاملہ نہ ہوگا بلکہ ہر نفس کو اس کے اعمال کے بدولت نعمتیں عطا کی جائیں گی اور ان میں مرد وعورت کی کوئی تخصیص نہ ہوگی اور جنت کی خوشیوں کی تکمیل خواتین کی رفاقت میں ہوگی۔قرآن مجید میں فرمانِ الٰہی ہے:

أدخلوا الجنة أنتم و ازواجكم تحبرون(43.70)

ترجمہ:''داخل ہوجاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں تمہیں خوش کر دیا جائے گا۔''(سورۃ الزخرف)

جنت میں داخل ہونے والی خواتین اپنی مرضی اور پسند کے مطابق اپنے دنیاوی شوہروں کی بیویاں بنیں گی (بشرطیکہ وہ شوہر بھی جنتی ہوں) ورنہ اللہ تعالیٰ انہیں کسی دوسرے جنتی سے بیاہ دیں گے۔جن خواتین کے دنیا میں (فوت ہونے کی صورت میں) دو یا تین یا اس سے زائد شوہر رہے ہوں ان خواتین کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق کسی ایک کے ساتھ بیوی بن کر رہنے کا اختیار دیا جائے گا جسے وہ خود پسند کرے گی اس کے ساتھ رہے گی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنھا کہتی ہیں:

''میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے بعض عورتیں (دنیا میں) دو، تین یا چار شوہروں سے یکے بعد دیگرے نکاح کرتی ہیں اور مرنے کے بعد جنت میں داخل ہو جاتی ہیں۔ وہ سارے مرد بھی جنت میں چلے جاتے ہیں تو ان میں سے کون اسکا شوہر ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا''اے ام سلمہ! وہ عورت ان مردوں میں کسی ایک کا انتخاب کرے گی اور وہ اچھے

اخلاق والے مرد کو پسند کرے گی۔ اللہ تعالیٰ سے گزارش کرے گی ’’اے میرے رب! یہ مرد دنیا میں میرے ساتھ سب سے زیادہ اخلاق سے پیش آیا لہٰذا اسے میرے ساتھ بیاہ دیں۔‘‘

(طبرانی النہایہ لابن کثیر فی الفتن والملاحم الجز الثانی رقم الصفحہ 387)

جنت میں حوروں سے افضل مقام نیک صالح عورت کو حاصل ہوگا۔ مرد کو حوریں ملیں گی تو نیک مرد کی نیک بیوی ان حوروں کی سردار ہوگی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ’’میں نے عرض کیا ’’اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ فرمایئے کہ دنیا کی خاتون افضل ہے یا جنت کی حور؟ ۔ آپ ﷺ نے فرمایا ’’دنیا کی خاتون کو جنت کی حور پر وہی فضیلت حاصل ہوگی جو ابرے (باہر والا کپڑا) کو استر (اندر والا کپڑا) پر حاصل ہوتی ہے **(طبرانی مجمع الزوائد الجزء العاشر ، رقم الصفحہ)**

یوں جو تضاد بنا کر پیش کیا گیا، وہ انعام کی صورت میں نکلا۔ اب کیا کیجیے معترض کا۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 80 کا جواب
جب مومن سیدھا جنت میں جائے گا تو وہ جھنم میں سے کیسے گزر کر جائے گا؟

ترجمہ: ''سب (مسلمان) جہنم سے گزر کر جائیں گے۔'' (سورۂ المریم، آیت نمبر 71)
ترجمہ: ''مومن مسلمان سیدھا جنت میں جائیں گے۔'' (سورۂ المحمد، آیت نمبر 47)

معترض نے دو ترجمے پیش کیے، جس میں سورۂ محمد کی تو اتنی آیات ہی نہیں جتنی معترض نے حوالے میں لکھ دی۔ معلوم ہوتا ہے جیسے معترض اعتراض بڑھانے کی کوشش میں حواس باختہ ہو گیا ہے اور اندھیرے میں ٹامک ٹویاں مار رہا ہے۔ بہر کیف سورۂ مریم کا ترجمہ اور متن مع تبصرہ پیشِ خدمت ہے:

وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا‌ ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا (مریم 71)

ترجمہ: ''اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا اس پر گزر نہ ہو، یہ تیرے رب نے لازم مقرر کیا ہوا ہے۔'' (سورۂ المریم، آیت نمبر 71)

پل صراط جو کہ جہنم کے بالائی حصے پر موجود ہے جس پر سے سب کو گزر کر جانا ہے اور جس کا ذکر اس آیت میں ہے اور ساتھ ہی اگلی آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا (72)

ترجمہ: ''پھر ہم انہیں بچا لیں گے جو ڈرتے ہیں اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں پر گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔''

اب سورۂ محمد کی ان آیات کو دیکھ لیں جن میں جنت میں داخلے کی بشارت ہے:

وَيُدۡخِلُهُمُ الۡجَـنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمۡ (محمد 6)

ترجمہ: ''اور انہیں بہشت میں داخل کرے گا جس کی حقیقت انہیں بتا دی ہے۔''
(سورۂ المحمد، آیت نمبر 6)

اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَتَمَتَّعُوۡنَ وَيَاۡكُلُوۡنَ كَمَا تَاۡكُلُ الۡاَنۡعَامُ وَالنَّارُ مَثۡوًى لَّهُمۡ (محمد12)

ترجمہ: ''بے شک اللہ انہیں داخل کرے گا جو ایمان لائے اور نیک کام کیے بہشتوں میں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور جو کافر ہیں وہ غوطے کھا رہے ہیں جہنم میں اور وہ اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چار پائے کھاتے ہیں اور دوزخ ان کا ٹھکانہ ہے۔'' (سورۃ المحمد، آیت نمبر 12)

اب اللہ ایمان والوں کو اس پل صراط سے برق رفتاری سے گزار کر جنت میں سیدھا داخل فرما دے گا۔ اور کفر و الحاد کرنے والے اس میں گر جائیں گے اگر توبہ نہ کی تو۔

وما توفیق الا باللہ۔



ملحدین کے اعتراض نمبر 81 کا جواب
کیا کافر ھمیشہ جھنم میں رھیں گے؟

ترجمہ: ''کافر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے۔'' (سورۃ النباء، آیت نمبر 23)

ترجمہ: ''سوائے یہ کہ اللہ کچھ اور چاہے۔'' (سورۃ الانعام، آیت نمبر 128)

(سورۃ الھود، آیت نمبر 107)

معترض نے ان آیات کا غلط ترجمہ پیش کر کے تضاد ثابت کرنا چاہا، اس علمی بدیانتی کا مظاہرہ معترض اس سے پہلے متعدد بار کر چکا ہے۔ درست متن اور ترجمہ نیچے ملاحظہ فرمالیں:

لّٰبِثِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَحۡقَابًا ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''اس میں قرنوں (صدیوں) رہیں گے۔'' (سورۃ النبا، آیت نمبر 23)

وَ یَوۡمَ یَحۡشُرُہُمۡ جَمِیۡعًا ۚ یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ قَدِ اسۡتَکۡثَرۡتُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ ۚ وَ قَالَ اَوۡلِیٰٓؤُہُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ رَبَّنَا اسۡتَمۡتَعَ بَعۡضُنَا بِبَعۡضٍ وَّ بَلَغۡنَاۤ اَجَلَنَا الَّذِیۡۤ اَجَّلۡتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثۡوٰىکُمۡ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ حَکِیۡمٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ: ''اور جس دن اُن سب کو اُٹھائے گا اور فرمائے گا اے جن کے گروہ تم نے بہت آدمی گھیر لیے اور ان کے دوست آدمی عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ اُٹھایا اور ہم اپنی اس میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمائی تھی۔ فرمائے گا آگ تمہارا ٹھکانا ہے ہمیشہ اس میں رہو مگر جسے خدا چاہے اے محبوب بیشک تمہارا رب حکمت والا علم والا ہے۔'' (سورۃ الانعام، آیت نمبر 127)

خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: ''وہ اس میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین رہیں مگر جتنا تمہارے رب نے چاہا بیشک

تمہارا رب جب جو چاہے کرے۔'' (سورۃ الھود، آیت نمبر 107)

ان آیات میں بھی معترض بغیر تحقیق کے چڑھ دوڑا ہے۔ خیر اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ ایک اُصولی بات جو سمجھ لینے کی ہے کہ گمراہی کی اتھا گہرائی اللہ کے ساتھ شرک ہے جسے معاف نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ خود اللہ کا فرمان ہے اس کے علاوہ وہ جس گناہ اور گمراہی کو چاہے بخش دے یا سزا کے بعد جنت عطا فرما دے۔ جہنم میں سزا کے ان دو اعتبارات کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے جیسا کہ آیت میں ہے:

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَ قَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (۱۲۸)

ترجمہ: ''اور جس دن اُن سب کو اُٹھائے گا اور فرمائے گا اے جن کے گروہ تم نے بہت آدمی گھیر لیے اور ان کے دوست آدمی عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ اُٹھایا اور ہم اپنی اس میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمائی تھی۔ فرمائے گا آگ تمہارا ٹھکانا ہے ہمیشہ اس میں رہو مگر جسے خدا چاہے اے محبوب بیشک تمہارا رب حکمت والا علم والا ہے۔'' (سورۃ الانعام، آیت نمبر 127)

یعنی اس کا فیصلہ اللہ فرمائے گا کہ کس نے کیا کفر کیا اور اس کی نوعیت کس طرح کی ہے، کسے کتنی سزا دینی ہے؟ اس کا فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہاں اللہ چھوڑنے پر آئے تو گناہوں کو معاف کر دے گا مگر ایسا نہ ہوگا کہ کسی کو اس کے گناہوں سے زیادہ سزا دی جائے، جو، ان کے لیے ان گناہوں پر وعید کی گئی۔ ایک اُصولی بات جو اس آیت سے اس حوالے مترشح ہو رہی ہے وہ ہے:

اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (۱۰۷)

ترجمہ: ''بیشک تمہارا رب جب جو چاہے کرے۔''

اب رہ گئی مدت کی بات تو اس کا انحصار گناہ کی نوعیت پر ہے یا اللہ کے درگزر کرنے پر ہے۔ کچھ کے لیے گناہوں کی نوعیت اور ہوگی یعنی وہ ہوں گے تو مسلمان مگر گناہوں کے مرتکب ہوں گے اور پھر ان گناہوں کے مراتب بھی ایک جیسے نہیں ہوں گے، اس لیے ان کا جہنم میں رہنا

بھی مختلف مدتوں پر ہوگا۔ اب رہا یہ سوال کہ جہنم کب تک رہے گی؟ تو یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

قرآن کے عمومی بیان کے مطابق جہنم ایک ابدی مقام ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی رحمت سے اگر چاہے تو کچھ تخفیف کر دے۔ مگر یہ کوئی حتمی بات نہیں، بلکہ ایک ممکنہ بات ہے جس کی طرف سورۂ ہود کی مذکورہ بالا آیت اشارہ کرتی ہے۔

اس آیت میں ''جب تک زمین وآسمان قائم ہیں'' کے الفاظ بے شک دوام کا ایک کنایہ ہے، مگر اس کے ساتھ ہی ''مگر جو تیرا پروردگار چاہے'' کا استثنا لگا ہوا ہے۔ اس استثنا میں ''جو تیرا رب چاہے'' کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس جہنم کا دوام اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو اس کے خاتمہ کا فیصلہ کر لے۔ اسی لیے اس پوری بات پر تبصرہ یہ کیا ہے کہ ''بے شک، تیرا پروردگار جو چاہے، کرگزرنے والا ہے۔ اس کا رہنا یا نہ رہنا اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت پر موقف ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس فیصلہ کی راہ میں رکاوٹ بن سکے۔''

یہ اللہ کی مشیت اور مرضی ہے اس کے فیصلوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور کوئی روگردانی نہیں کر سکتا۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 82 کا جواب
کیا یسوع (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) پوجے جانے کی وجہ سے جہنم میں جائے گا؟

ترجمہ: ''اللہ کے سوا جو پوجا جائے وہ (یسوع مسیح) جہنم میں جائیگا''۔

(سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 21)

ترجمہ: ''مسیح ابن مریم دنیا و آخرت میں اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہے''۔

(سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 45)

اَمِ اتَّخَذُوْۤا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ(۲۱)

ترجمہ: ''کیا انھوں نے زمین میں سے کچھ ایسے خدا بنا لئے ہیں کہ وہ کچھ پیدا کرتے ہیں۔''

(سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 21)

پہلی آیت کا جو غلط ترجمہ معترض نے پیش کیا ہے، اس کا اصل متن اور ترجمہ نیچے دیا گیا ہے۔ معترض نے سورۃ انبیاء کی آیت نمبر 21 کا حوالہ دیا ہے جو اُوپر متن کے ساتھ درج کیا گیا ہے، جبکہ وہ سورۃ انبیاء کی آیت نمبر 98 ہے، جو ہم نیچے درج کر کے جواب دیتے ہیں۔

اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ-اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ(۹۸)

ترجمہ: ''بیشک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو، سب جہنم کے ایندھن ہو تمہیں اس میں جانا۔''

(سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 98)

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىٕكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ-اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ(۴۵)

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب فرشتوں نے مریم سے کہا، اے مریم اللہ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک کلمہ کی جس کا نام ہے مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا رُو دار ہوگا دنیا اور آخرت میں اور قرب والا۔''

(سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 35)

معترض کی پیش کردہ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر 35 کا ترجمہ ہی ملاحظہ کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ یہاں اس اعتراض میں اس آیت کا کوئی دخل نہیں۔ اب رہی بات سورۂ انبیاء کی تو اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

پہلا جواب: اس آیت میں اللہ کریم نے مشرکینِ مکہ سے خطاب کیا ہے کہ تمہیں اور تمہارے پتھر کے گھڑے ہوئے ان خداؤں کو جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔ اب معترض عربی کے کچھ قواعد سمجھتا تو جانتا کہ یہاں ما غیر ذوی العقول کے لیے ہے اس لیے اس میں عیسیٰ علیہ السلام کا دخل نہیں ہوسکتا کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام ذوی العقول ہیں۔

دوسرا جواب: اگر آگے کی آیت کو دیکھ لیا جاتا تو اعتراض ویسے ہی رفع ہو جاتا اللہ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى-اُولٰٓىٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَۙ(۱۰۱)لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَاۚ-وَ هُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَۚ(۱۰۲) لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ-هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ(۱۰۳)

ترجمہ: ''بیشک وہ جن کے لیے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا وہ جہنم سے دُور رکھے گئے ہیں''۔

(سورۂ الانبیاء، آیت نمبر 101)

اس آیت کا مطلب صالحین بندے ہیں، اگر کوئی ان کی پوجا بھی کرے تب بھی انہیں جہنم سے کوئی تعلق نہ ہوگا، ان معبودوں کو دوزخ میں جانا ہوگا، جو یا تو بے جان ہیں یا خود کافر ہیں۔ یعنی سرداران کفر۔ لہٰذا آیت پر کوئی تعارض نہیں۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 83 کا جواب جہنم میں کھانا سوکھی گھاس ہوگی یا پیپ؟

ترجمہ: ''جہنم میں کھانا خاردار سوکھی گھاس ہوگی'' (سورۂ الغاشیہ، آیت نمبر 88)

ترجمہ: ''صرف زخموں کا پیپ ہوگا'' (سورۂ الحاقہ، آیت نمبر 36)

ترجمہ: ''ان کا کھانا ایسی ٹہنیاں ہونگی جو شیطانوں کے سر کی مانند ہو''

(سورۂ الصافات، آیت نمبر 65)

لَّيۡسَ لَهُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِيۡعٍ

ترجمہ: ''ان کے لئے سوائے کانٹے دار درختوں کے اور کچھ کھانے کو نہ ہوگا''

(سورۂ الغاشیہ، آیت نمبر 6)

وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ غِسۡلِيۡنٍۙ‏ (۳۶)

ترجمہ: ''اور نہ کچھ کھانے کو مگر دوزخیوں کا پیپ'' (سورۂ الحاقہ، آیت نمبر 36)

طَلۡعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوۡسُ الشَّيٰطِيۡنِ‏ (۶۵)

ترجمہ: ''اس کا شگوفہ جیسے دیوؤں کے سر'' (سورۂ الصفات، آیت نمبر 65)

ان آیات میں جہنمیوں کے کھانے اور پینے کے متعلق اُن آیات کا تذکرہ ہے جن کے متعلق معترض کا خیال ہے کہ ان میں تعارض ہے جب کہ وہ ان کے معنی ومفہوم سے بے خبر ہے۔

سورۂ غاشیہ کی آیت نمبر 6، میں اللہ کا ارشاد ہے:

لَّيۡسَ لَهُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِيۡعٍ

ترجمہ: ''ان کے لئے سوائے کانٹے دار درختوں کے اور کچھ کھانے کو نہ ہوگا''۔

ضریع کے متعلق عربی لغت کے کیا معنی ہیں وہ بھی دیکھ لیں۔

''خاردار گھاس،: دوزخ کا ایک خاردار اور بہت کڑوا درخت جو بدبودار ہوگا۔''

یہ ایک کانٹے دار درخت ہوتا ہے جسے خشک ہونے پر جانور بھی کھانا پسند نہیں کرتے۔
بہرحال یہ بھی زقوم کی طرح ایک نہایت تلخ، بدمزہ اور ناپاک ترین کھانا ہوگا، جو جزو بدن بنے گا، اس سے بھوک نہیں مٹے گی۔ بلکہ یہ کھانا بدن میں آگ لگا دے گا۔

اب آجائیں معترض کی پیش کردہ دوسری آیت کی طرف:

طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ (٦٥)

ترجمہ: ''اس کا شگوفہ جیسے دیوؤں کے سر'' (سورۃ الصفات، آیت نمبر 65)

اس آیت کا اگر سیاق وسباق بیان کر دیا جاتا تو بات ہی واضح ہو جاتی تھی، مگر بات ہی تو مبہم رکھنی ہے۔ اسی سورت کی سابقہ آیت اور مفہوم دیکھیے تاکہ بات روشن ہو جائے یہ سورت الصافات کی آیت نمبر 62 ہے:

أَذَٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ

ترجمہ: ''کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا سینڈھ (زقوم) کا درخت؟'' (سورۃ الصافات، آیت نمبر 62)

زَقُّومٌ، تَزَقُّمٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی بدبودار اور کریہہ چیز کے نگلنے کے ہیں۔ اس درخت کا پھل بھی کھانا اہل جہنم کے لئے سخت ناگوار ہوگا کیوں کہ یہ سخت بدبودار، کڑوا اور نہایت کریہہ ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے درختوں میں سے ہے اور عربوں میں متعارف ہے، یہ قطرب درخت ہے جو تہامہ میں پایا جاتا ہے اور اردو میں اسے ''تھوہر'' کہا جاتا ہے۔ اس کی بہت سی اقسام ہیں اور اس کی دو بڑی اقسام 1۔ ڈنڈا تھوہر 2۔ چھیتر تھوہر، دونوں پر سخت کانٹے لگے ہوتے ہیں۔ طب کی دنیا میں بھی اس کا استعمال بانجھ پن بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

اسی درخت کا ذکر سورۃ الدخان میں بھی موجود ہے۔ ایک اور حقیقت کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں:

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ (43) طَعَامُ الْأَثِيمِ (44) كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ (45) كَغَلْيِ الْحَمِيمِ (46)

ترجمہ: ''بے شک تھوہر کا درخت۔ گناہگاروں کا کھانا ہے۔ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں کھولے گا۔ جیسے پکتا ہوا پانی کھولتا ہے۔ (سورۃ الدخان، آیت نمبر 43 تا 46)

علماء فرماتے ہیں کہ جب یہ زقوم ان کے پیٹوں میں جائے گا جیسا کہ مذکورہ بالا آیات میں

آیا ہے، تو ان کے جسموں کو پھاڑ دے گا اور باہر نکل آئے گا جس سے ان کے جسم دھون کی طرح ڈھل جائیں گے۔ کٹ پھٹ کے پیپ کی مانند اسی زقوم کے کھولتے پانی میں شامل ہو کے نکل پڑے گی، جس کو دیگر جہنمی کھائیں گے جیسا کہ اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ

ترجمہ: ''اور نہ سوائے پیپ کے اس کی کوئی غذا ہے'' (سورۃ الحاقہ، آیت نمبر 36)

یہ یہی زقوم کے اثرات سے بدن کے دھون ہی کر طرف اشارہ ہے جو ان کے جسموں سے نکلے گا۔ یا واضح مفہوم یہ ہے کہ وہاں کھانے کو کچھ نہ ہوگا مگر بس کچا لہو اور پیپ جو دوزخیوں کے زخموں سے بہے گا۔

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جہنم میں طرح طرح کا عذاب ہوگا، اور جو لوگ عذاب دیئے جائیں گے، ان کے بہت طبقے ہوں گے۔ بعض کو زقوم کھانے کو دیا جائے گا، بعض کو غسلین (دوزخیوں کی پیپ) بعض آگ کے کانٹے۔ وغیرہ وغیرہ لہٰذا کوئی تعارض نہیں،

(واللہ اعلم بالصواب)

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 84 کا جواب
جب قبیلے شناخت کے واسطے بنائے تو بنی اسرائیل کو کیوں فضیلت دی سب جہانوں پر؟

ترجمہ: ''اللہ نے آدم، نوح، ابراہیم، اور عمران کے گھرانے کو سب جہانوں پر فضیلت دی''
(سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 33)

ترجمہ: ''بنی اسرائیل کو تمام جہانوں پر فضیلت دی''۔ (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 47)

ترجمہ: ''سب کو ایک نر اور مادہ سے پیدا کیا اور شناخت کے لیے قبیلے بنائے''
(سورۂ الحجرات، آیت نمبر 49)

معترض لگاتار غلط حوالہ دے رہا ہے جیسا کہ اس اعتراض میں سورۂ حجرات کا غلط حوالہ دیا ہے۔ ہم صحیح حوالے کے ساتھ صحیح ترجمہ درج کر کے جواب دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''بیشک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کی آل اور عمران کی آل کو سارے جہان سے۔'' (سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر 33)

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ''اے اولادِ یعقوب! یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ اس سارے زمانہ پر تمہیں بڑائی دی۔'' (سورۂ البقرہ، آیت نمبر 47)

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ وَّ اُنۡثٰی وَ جَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا

کہ آپس میں پہچان رکھو بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔" (سورۂ الحجرات، آیت نمبر 13)

ان آیات میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے۔ معترض نے یہاں دو باتوں کو سامنے رکھ کر تعارض نکالنے کی کوشش کی ہے۔ اوّل: عالمین، دوم تقویٰ

پہلے، پہلی دو آیات، جن میں عالمین پر فضیلت یا فضل اور بڑائی میں پہلے حضرت نوح علیہ السلام اور آل ابراہیم اور پھر آلِ عمران اور دوسری آیت میں فضیلت و فضل کی نسبت بنی اسرائیل کی طرف ہے۔

اس بات کو سمجھ لینا اشد ضروری ہے کہ یہاں عالمین سے مراد ان کا اپنے اپنے زمانے میں فضیلت و برتری مراد ہے نہ کہ ہر دور اور ہر زمانے کے لیے۔ اس کی وجہ اور اس کا قرینہ صاف ظاہر ہے اُوپر دی گئی آیت سے کہ انہیں ماضی کی نعمتوں کو یاد دلایا جا رہا ہے ایسا نہیں ہے کہ وہ اب بھی انہیں میسر ہے۔

یاد رہے کہ ان آیات میں بنی اسرائیل کے ان لوگوں سے خطاب کیا جا رہا ہے جو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس زمانے میں موجود تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں یاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ یہ ہیں:

(1)......اس وقت کے زمانہ پر فضیلت و برتری۔

(2)......دریا میں راستہ بن جانا۔

(3)......فرعون سے نجات۔

(4)......تورات کا عطا ہونا۔

(5)......بچھڑے کی پوجا پر معافی مل جانا۔

(6)......ایک گروہ کا مرنے کے بعد زندہ کیا جانا۔

(7)......بادلوں سے سایہ ملنا۔

(8)......مَن وسَلویٰ نازل ہونا۔

(9)...... پانی کے بارہ چشمے جاری ہو جانا۔

(10)......زمینی اناج عطا کیا جانا وغیرہ۔

اب چونکہ یہ ماضی میں ان کے لیے فضل تھا جن کا تذکرہ ان کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ تمہارے باپ دادوں پہ کیسا کیسا فضل رہا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ ایک خاص وقت اور زمانے کے اعتبار سے برتری تھی۔ اسی پہ قیاس اس سے پہلے والی آیت جس میں نوح، ابرہیم اور عمران کی آل کی فضیلت کو کرلیا جائے۔

دوسرا نکتہ تقویٰ کے حوالے سے ہے جس کا ذکر سورۂ حجرات میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا-اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ-اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ(۱۳)

ترجمہ: ''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو۔ بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔'' (سورۃ الحجرات، آیت نمبر 13)

تو اس میں کیا شک ہے کہ ان کو فضیلت تقویٰ کی بنیاد پہ دی گئی جبھی تو اللہ انہیں وہ نعمتیں جو بنی اسرائیل پر کی گئیں، کو یاد کروا رہا ہے کہ جب جب تم نے اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کی اور تقویٰ اختیا کیا تو تمہیں برتری ملی اور جیسے ہی تم نے روگردانی کی تو اس فضیلت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ تم نے ہمارے بھیجے پیغمبران کو شہید کیا، اپنی جانوں پر ظلم کیا، تو پھر ضلالت و گمراہی تمہارا مقدر ٹھہری۔ اس لیے ان آیات میں تعارض نہیں بلکہ معترض کے اپنے اندر تعارض و تضاد ہے۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 85 کا جواب روزِ قیامت انسان اپنا بوجھ اُٹھائے گا یا جن کو گمراہ کیا، ان کا بھی؟

ترجمہ: ''روزِ قیامت ہر کوئی اپنا بوجھ اُٹھائے گا''

(سورۃ الانعام، آیت نمبر 164) (سورۃ الفاطر، آیت نمبر 35)

ترجمہ: ''اپنا بوجھ اور جن کو گمراہ کیا، کچھ ان کا بوجھ'' (سورۃ النحل، آیت نمبر 25)

ترجمہ: ''اپنے علاوہ اور بہت سے بوجھ اُٹھائیں گے'' (سورۃ العنکبوت، آیت نمبر 13)

معترض نے چند آیات کا ترجمہ پیش کر کے تضاد ثابت کرنا چاہا، ہم ان آیات کا عربی متن و ترجمہ درج کر کے جواب لکھتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

قُلۡ اَغَيۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِىۡ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَىۡءٍ‌ؕ وَلَا تَكۡسِبُ كُلُّ نَفۡسٍ اِلَّا عَلَيۡهَا‌ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى‌ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ مَّرۡجِعُكُمۡ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ(۱۶۴)

ترجمہ: ''تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا اور رب چاہوں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور جو کوئی کچھ کمائے وہ اسی کے ذمہ ہے اور کوئی بوجھ اُٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی پھر تمہیں اپنے رب کی طرف پھرنا ہے وہ تمہیں بتا دے گا جس میں اختلاف کرتے تھے۔''

(سورۃ الانعام، آیت نمبر 164)

الَّذِىۡۤ اَحَلَّنَا دَارَ الۡمُقَامَةِ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيۡهَا نَصَبٌ وَّ لَا يَمَسُّنَا فِيۡهَا لُغُوۡبٌ(۳۵)

ترجمہ: ''وہ جس نے ہمیں آرام کی جگہ اُتارا اپنے فضل سے ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف پہنچے نہ ہمیں اس میں کوئی تکان لاحق ہو'' (سورۃ الفاطر، آیت نمبر 35)

لِيَحۡمِلُوۡۤا اَوۡزَارَهُمۡ كَامِلَةً يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ۙ وَمِنۡ اَوۡزَارِ الَّذِيۡنَ يُضِلُّوۡنَهُمۡ بِغَيۡرِ

عِلۡمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوۡنَ (۲۵)

ترجمہ: ''کہ قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے اُٹھائیں اور کچھ بوجھ ان کے جنہیں اپنی جہالت سے گمراہ کرتے ہیں سن لو کیا ہی برا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔'' (سورۂ النحل، آیت نمبر 25)

وَ لَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَہُمۡ وَ اَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِہِمۡ ۫ وَ لَیُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ عَمَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ (۱۳)

ترجمہ: ''اور بیشک ضرور اپنے بوجھ اُٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ اور ضرور قیامت کے دن پوچھے جائیں گے جو کچھ بہتان اُٹھاتے تھے۔'' (سورۂ العنکبوت، آیت نمبر 13)

ان آیات میں کہیں بھی تعارض نہیں ہے بس اندھی پیروی کے سواء، جو اپنے من کو اچھا لگا اسے آگے بنا سوچے سمجھے پیش کر دیا اور نعرہ یہ لگایا کہ ''میں نے مذہب کیوں چھوڑا'' اللہ ہم سب کو اس دجل کاری سے محفوظ فرمائے آمین۔ آیئے اس کو کھول دیکھتے ہیں کہ یہ تعارض ہے یا موافقت؟

اس آیت کو ذرا غور سے پڑھ لیں تاکہ اصل بات سمجھ آ سکے۔ سورۂ العنکبوت کی آیت نمبر گیارہ سے تیرہ تک ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

11۔ ''اور یقیناً اللہ ظاہر کر کے رہے گا سچے اہل ایمان کو بھی اور ظاہر کر کے رہے گا منافقین کو بھی''۔

12۔ ''اور یہ کافر کہتے ہیں اہل ایمان سے کہ تم ہمارے راستے پیروی کرو، ہم (آخرت میں) تمہاری خطاؤں کا بوجھ اُٹھا لیں گے اور وہ نہیں اُٹھانے والے ان کی خطاؤں میں سے کچھ بھی۔ یقیناً وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔''

13۔ ''البتہ وہ لازماً اُٹھائیں گے اپنے بوجھ بھی اور ان کے ساتھ کچھ دوسرے بوجھ بھی اور ان سے لازماً باز پرس ہو گی قیامت کے دن اس کے بارے میں جو جھوٹ یہ گھڑ رہے ہیں۔''

اس آیت میں مکہ کے ماحول میں ایمان لانے والے نوجوانوں کے تیسرے اہم مسئلے کی نشاندہی ملتی ہے۔ یعنی رشتوں کے کٹنے اور کہیں کہیں حوصلے کی کمزوری کے اظہار کے علاوہ ایک سنجیدہ مسئلہ یہ بھی تھا کہ قبیلے کے بڑے بوڑھے ناصحانہ انداز میں نوجوانوں کو سمجھانے بیٹھ جاتے تھے کہ دیکھو برخوردار! تم نوجوان ہو' باصلاحیت ہو' خاندانی کاروبار کے وارث ہو' ایک مثالی کیرئیر اور روشن مستقبل تمہارے سامنے ہے۔ مگر تم جذبات میں آ کر ایک ایسا راستہ اپنانے جا رہے ہو جس میں مشکلات، پریشانیوں اور افلاس کے سوا تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ ہماری طرف دیکھو! ہم

نے اس دنیا میں ایک عمر گزاری ہے۔ہم نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔ہم زندگی کے نشیب وفراز اور نفع ونقصان کے تمام پہلوؤں کو خوب پہچانتے ہیں۔اس نئے دین کی باتیں ہم نے بھی سنی ہیں،مگر ہم ان کو سن کر جذباتی نہیں ہوئے۔ہم نے پوری سمجھ بوجھ سے ان باتوں کا تجزیہ کیا ہے اور پھر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہمارا فائدہ اپنے پرانے طریقے اور اپنے باپ دادا کے دین کی پیروی میں ہی ہے۔لہٰذا تم ہماری بات مانو اور اپنے پرانے طریقے پر واپس آ جاؤ۔رہی بات آخرت کے احتساب کی تو اس کی ذمہ داری تمہاری طرف سے ہم اُٹھاتے ہیں۔وہاں اگر کوئی سزا ہوئی تو وہ تمہاری جگہ ہم بھگت لیں گے۔

(وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْز)

یعنی آخرت میں یہ لوگ صرف اپنی گمراہی کی سزا ہی نہیں بھگت رہے ہوں گے بلکہ بہت سے دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنے کا خمیازہ بھی انہیں بھگتنا ہوگا۔لیکن اے اہل ایمان! اگر تم میں سے کوئی خطا کرے گا تو اس کے لیے وہ خود ہی جوابدہ ہوگا۔تمہاری کسی خطا کا بوجھ یہ لوگ نہیں اُٹھا سکیں گے۔

(وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ)

اس آیت میں تاکید کا پھر وہی انداز ہے (لام مفتوح اور نون مشدد) جو اس سے پہلے آیات 3، 7 اور 11 میں آ چکا ہے۔یعنی قیامت کے دن دوسروں کی خطاؤں کا بوجھ اُٹھانے کا یہ دعویٰ ان کا خودساختہ جھوٹ ہے اور اس دن اپنی اس افترا پردازی کا بھی انہیں حساب دینا پڑے گا۔اس سلسلے میں اللہ کا اٹل فیصلہ اور قانون بہرحال یہ ہے:

(وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ط) (سورۃ الاسراء: آیت نمبر 15)

ترجمہ: ''اُس دن کوئی بوجھ اُٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اُٹھائے گی۔''

اس ساری بات کو سمجھنے کے بعد بات واضح ہو جاتی ہے کہ اصل میں کفار کے اس من گھڑت عقیدے کی بیخ کنی کی گئی ہے جو ان کا خودساختہ تھا۔اس کی کوئی سند نہیں اُتری۔ایک حدیثِ مبارکہ کا مفہوم اس ضمن میں سمجھنے کے لیے کافی معاون ومِمد ثابت ہوگا:

''جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا، تو اُس شخص کو ان تمام لوگوں کا اجر ملے گا جو اس کی دعوت پر ہدایت کا راستہ اپنائیں گے اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا تو اُس کو تمام لوگوں کے

گناہوں کا بار بھی اُٹھانا پڑے گا جو اس کی دعوت پر گمراہ ہوئے''۔

اس کی طرف قرآن مجید نے بھی رہنمائی کی ہے ملاحظہ فرمائیں:

لِيَحۡمِلُوۡۤا اَوۡزَارَهُمۡ كَامِلَةً يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ۙ وَمِنۡ اَوۡزَارِ الَّذِيۡنَ يُضِلُّوۡنَهُمۡ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ‌ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوۡنَ (۲۵)

ترجمہ: ''کہ قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے اُٹھائیں اور کچھ بوجھ ان کے جنہیں اپنی جہالت سے گمراہ کرتے ہیں سن لو کیا ہی برا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔'' (سورۃ النحل، آیت نمبر 25)

اس آیت سے واضح ہوگیا کہ جن لوگوں کو یہ گمراہ کریں گے ان کی گمراہی کا بوجھ، گمراہ کیے ہوئے لوگوں کے اعمال کو کم کیے بغیر ان پر لاد دیا جائے گا۔ اس سے اس عمومی آیت کے حکم میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا جو معترض نے سورۃ انعام سے پیش کی:

قُلۡ اَغَيۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِىۡ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَىۡءٍ‌ؕ وَلَا تَكۡسِبُ كُلُّ نَفۡسٍ اِلَّا عَلَيۡهَا‌ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى‌ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ مَّرۡجِعُكُمۡ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ (۱۶۴)

ترجمہ: ''تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا اور رب چاہوں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور جو کوئی کچھ کمائے وہ اسی کے ذمہ ہے اور کوئی بوجھ اُٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی پھر تمہیں اپنے رب کی طرف پھرنا ہے وہ تمہیں بتا دے گا جس میں اختلاف کرتے تھے۔''

(سورۃ الانعام، آیت نمبر 164)

کیوں کہ گمراہ کرنا بھی تو ایک عمل ہے جو اپنے اندر ایک پیکج ہے یا ایک طرح کا اکاؤنٹ کھولنا ہے۔ ایک اس بوجھ اُٹھانے کی وجہ دوسروں سے کی گئی ظلم اور زیادتیاں ہیں جن کی تلافی قیامت کے دن ان کی نیکیوں کو زیادتی کی تلافی میں دے دیا جائے گا یا پھر ان کی برائیاں ان کے ذمے لاد دی جائیں گی۔ ایسے ہی شخص کے متعلق احادیث کے الفاظ ہیں کہ یہ سخت مفلس لوگ ہوں گے۔ لہٰذا تفصیل کے بعد معلوم ہوا کہ ان آیات میں کوئی تضاد نہیں۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 86 کا جواب
انسان خود سیدھے راستے پر چل سکتا ہے یا اللہ کی مرضی کے تحت ہی چل سکتا ہے؟

ترجمہ: ''کوئی اللہ کی مرضی کے بغیر ایمان نہیں لاسکتا'' (سورۃ الیونس، آیت نمبر 100)

ترجمہ: ''تم میں سے جو چاہے سیدھا چلے'' (سورۃ التکویر، آیت نمبر 28)

وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ-وَ يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ(۱۰۰)

ترجمہ: ''اور کسی جان کی قدرت نہیں کہ ایمان لے آئے مگر اللہ کے حکم سے اور عذاب ان پر ڈالتا ہے جنہیں عقل نہیں۔'' (سورۃ الیونس، آیت نمبر 100)

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ (۲۸)

ترجمہ: ''اس کے لیے جو تم میں سیدھا ہونا چاہے۔'' (سورۃ التکویر، آیت نمبر 28)

ان آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بس کہیں کی اینٹ کہیں لگا دی گئی ہے۔ آیئے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ ایک بنیادی بات سمجھ لیں کہ ہدایت کی تین اقسام ہیں۔:

1- قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (سورۃ الطٰہٰ، آیت نمبر 50)

ترجمہ: ''وہ خدا جس نے ہر موجود مخلوق کو اس کی مخصوص خلقت عطا کی اور اس کے بعد اسے ہدایت کی۔''

2- لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ (سورۃ التکویر، آیت نمبر 28)

ترجمہ: ''اس کے لیے جو تم میں سیدھا ہونا چاہے۔'' یعنی اپنے اختیار اور عقل سے ہدایت لینا چاہے۔

3- وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (سورۃ العنکبوت، آیت نمبر 69)

ترجمہ: ''اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد اور کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستوں کی ہدایت

کرتے ہیں۔''

اس بات کو سمجھ لینے کے بعد کہ یہ اللہ ہی نے چاہا ہے کہ اسے ارادہ اور اختیار دیا جائے تو اسے ارادہ و اختیا دے دیا گیا۔ اب اسے دونوں راستے دکھا دیئے گئے۔ وہ اللہ کے اس دیئے ہوئے اختیار سے جو چاہے راستہ اختیا کر لے۔ اب اس آیت کو دیکھیے:

وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ-وَ يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ(۱۰۰)

ترجمہ: ''اور کسی جان کی قدرت نہیں کہ ایمان لے آئے مگر اللہ کے حکم سے اور عذاب اُن پر ڈالتا ہے جنہیں عقل نہیں۔'' (سورۂ الیونس، آیت نمبر 100)

کیا کسی جان میں پیدا ہونے کی قدرت تھی؟ اللہ نے اپنے فضلِ محض سے زندگی دی اور پھر بندے تو محتاج ہیں۔ اسے اپنے فضل سے ارادہ و اختیار کا مالک بنایا چونکہ ارادہ و اختیار نام ہی دو چیزوں کے درمیان ایک شے کو چن لینے کا اور یہ دونوں چیزیں اللہ نے ہدایت کر دی تو جس نے ایمان قبول کیا ظاہری بات ہے یہ اس نے دو آپشنز میں سے ایک کو چنا اور یہ اللہ ہی کا حکم تھا جو اس نے عقل و شعور کے فیصلے کے بعد چنا جیسا کہ آیت کے آخری لفظ بھی اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں ۔''''لا یعقلون'' جنہوں نے عقل و شعور کو پسِ پشت ڈالا پھر ان کے لیے عذاب ہے۔

اس سارے مقدمے میں تضاد کہاں ہے؟

وماتوفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 87 کا جواب
جب تقدیر کتاب پر لکھی جا چکی ہے تو قرآن برکت والی رات میں کیوں اُترا؟

ترجمہ: ’’ہماری تقدیر پیدائش سے پہلے ایک کتاب میں لکھی‘‘ (سورۃ الحدید، آیت نمبر 22)

ترجمہ: ’’لیلۃ القدر میں اس کا نزول ہوا‘‘ (سورۃ الدخان، آیت نمبر 3)

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ۚ (۲۲)

ترجمہ: ’’نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں ہے قبل اس کے کہ ہم اُسے پیدا کریں بے شک یہ اللہ کو آسان ہے۔‘‘ (سورۃ الحدید، آیت نمبر 22)

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰـرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ (۳)

ترجمہ: ’’بیشک ہم نے اُسے برکت والی رات میں اُتارا بیشک ہم ڈر سنانے والے ہیں۔‘‘

(سورۃ الدخان، آیت نمبر 3)

ان آیات میں دو مختلف زماں و مکاں اور مراحل کا ذکر ہے وحداتِ ثمانیہ کے اُصولِ تضاد کے مطابق، تضاد کے لیے زماں و مکاں ایک ہونے ضروری ہیں۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ اٹکل پچو لگانا ان ملحدین کا کام ہے بھان متی کا کنبہ اکٹھا کرنے میں ان کا ثانی نہیں۔ اِدھر کی اینٹ اُدھر اور اُدھر کی اِدھر لگانا ان کا ملکہ ہے۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے ماسٹر پلان کا ذکر فرما رہا ہے جو ایک کتاب میں یا ڈیٹا بیس میں لکھ دی گئی۔ اللہ کریم نے اپنے علمِ ازلی سے (اس میں جبر کا پہلو ہرگز نہیں انسانی اعمال کے اعتبار سے) جیسا کہ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

قَدَّرَ اللهُ الْمَقَادِيرَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ

(صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم وموسی علیہما السلام)

ترجمہ:" اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل ہی ساری تقدیریں لکھ دی تھیں''۔

اگر آپ آیت پر بھی غور کریں تو بات بالکل عیاں ہے:

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا‌ ؕ اِنَّ ذٰ لِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ۚ‏ (۲۲)

ترجمہ:''نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں ہے قبل اس کے کہ ہم اُسے پیدا کریں بے شک یہ اللہ کو آسان ہے۔''(سورۃ الحدید، آیت نمبر 22)

اس میں ماسٹر پلان کے تکوینی مرحلے کی طرف زیادہ اشارہ ہے:

مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَلَا فِيٓ أَنفُسِكُمۡ إِلَّا فِي كِتَٰبٖ مِّن قَبۡلِ أَن نَّبۡرَأَهَآۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِير

ترجمہ:''نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے* نہ (خاص) تمہاری جانوں میں** مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے*، یہ (کام) اللہ تعالیٰ پر (بالکل) آسان ہے۔''

*مثلاً قحط، سیلاب اور دیگر آفات ارضی وسماوی۔

**مثلاً بیماریاں، تعب وتکان اور تنگ دستی وغیرہ۔

***یعنی اللہ نے اپنے علم کے مطابق تمام مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ان کو لوح محفوظ میں درج کر دیا۔

اس کے بعد اس عالمِ کون و مکاں میں جب دن اور رات چاند اور سورج اور بہت سی مخلوقات کو پیدا فرما دیا، اپنے اس ماسٹر پلان کے مطابق تو اس پلان میں اس رات ایک کتابِ ہدایت کو بھی نازل فرمایا جس کے متعلق سورۂ قدر میں بھی وضاحت ہے:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ (1)

ترجمہ:''بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں اُتارا ہے''۔

اور اسی رات آنے والے سال کے بندوں کے فیصلے بھی لوحِ محفوظ سے فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں۔

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ

ترجمہ: ''اسی رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔''

يُفْرَقُ، يُفَصَّلُ وَيُبَيَّنُ، فیصلہ کردیا جاتا اور یہ کام کو اس سے متعلق فرشتے کے سپرد کردیا جاتا ہے۔ حکیم بمعنی'' پر حکمت'' کہ اللہ کا ہر کام ہی باحکمت ہوتا ہے یا بمعنی مُحْکَمٍ (مضبوط، پختہ) جس میں تغیر وتبدیلی کا امکان نہیں۔صحابہ وتابعین سے اس کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس رات میں آنے والے سال کی بابت موت وحیات اور وسائل زندگی کے فیصلے لوح محفوظ سے اُتار کر فرشتوں کے سپرد کردیئے جاتے ہیں۔(ابن کثیر)

تَنَزَّلُ الْمَلَآئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ (4)

ترجمہ: ''اس میں فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر۔''

اس لیے ان آیات میں نہ کہیں تعارض ہے نہ کہیں تضاد۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 88 کا جواب
موت کا ایک فرشتہ جان لیتا ھے یا زیادہ فرشتے؟

ترجمہ: ''موت کا (ایک) فرشتہ جان لیتا ہے'' (سورۃ السجدہ، آیت نمبر 11)

ترجمہ: ''زیادہ فرشتے جان لیتے ہیں'' (سورۃ المحمد، آیت نمبر 27)

ترجمہ: ''اللہ جان لیتا ہے'' (سورۃ الزمر، آیت نمبر 42)

معترض نے روح قبض کرنے کے حوالے سے چند آیات پیش کر کے تضاد ثابت کرنا چاہا ہے۔ ہم ان آیات کا عربی متن و ترجمہ درج کر کے معترض کے دجل کا انکشاف کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (۱۱)

ترجمہ: ''تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف واپس جاؤ گے۔'' (سورۃ السجدہ، آیت نمبر 11)

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ (۲۷)

ترجمہ: ''تو کیسا ہوگا جب فرشتے اُن کی روح قبض کریں گے اُن کے منہ اور اُن کی پیٹھیں مارتے ہوئے۔'' (سورۃ المحمد، آیت نمبر 27)

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَاۚ-فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّىؕ-اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۴۲)

ترجمہ: ''اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہ مریں انہیں ان کے سوتے میں پھر جس پر موت کا حکم فرما دیا اُسے روک رکھتا ہے اور دوسری ایک میعاد مقرر تک چھوڑ دیتا ہے بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں سوچنے والوں کے لیے۔'' (سورۃ الزمر آیت نمبر 42)

ان آیات میں مفسرین نے متعدد اعتبار سے تطبیق دی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔خلق کے اعتبار سے موت اور زندگی کی نسبت اللہ ہی کی طرف ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوۃَ

ترجمہ:''وہ جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔''(سورۂ الملک، آیت نمبر 2)

یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ

ترجمہ:''وہی زندہ کرتا ہے وہی موت طاری کرتا ہے۔''(سورۂ البقرہ، آیت نمبر 258)

2۔فرشتوں کو حکم اسی کا ہے اس لیے نسبت و اسناد بھی اس ہی کی طرف ہے۔

3۔آخری نفس کی موت تک حتیٰ کہ موت کی موت بھی ہوگی اور اللہ ہی کی ذاتِ بابرکت نے قائم رہنا ہے۔اس اعتبار سے بھی موت دینے کا اسناد اللہ ہی کی طرف ہے۔

ایک اور قرینہ بھی اس میں ہے جو لفظِ توفی کے متعلق ہے کہ پہلے مرحلہ میں فرشتہ روح قبض کرتا ہے۔بیان ہوا کہ وفات اور موت میں فرق ہے،وفات یعنی **''اخذ الشیء تماماً وحفظہ''** اس میں لے لینا اور اس کے بعد حفظ کرنا بھی ہے،فرشتہ انسان سے اس کی روح کو لے لیتا ہے اور اسے اپنے پاس رکھتا ہے اور بعد میں ملک الموت کو دے دیتا ہے،اور ملک الموت بھی ان سب کو خدا کی تحویل میں دے دیتا ہے۔آیات پر باری باری غور کیا جائے تو اس طرف صریح اشارات ہیں۔

فَکَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ (۲۷)

ترجمہ:''تو کیسا ہوگا جب فرشتے اُن کی روح قبض کریں گے اُن کے منہ اور اُن کی پیٹھیں مارتے ہوئے۔''(سورۂ المحمد، آیت نمبر 27)

اس کے بعد دوسری آیت دیکھ لیں۔

قُلْ یَتَوَفّٰىکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ(۱۱)

ترجمہ:''تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف واپس جاؤ گے۔''(سورۂ السجدہ، آیت نمبر 11)

یعنی ان فرشتوں پر بھی جو ملک الموت کے ساتھ آتے ہیں ان پر مقرر ہے جو روح قبض کرتے ہیں چونکہ ملک الموت ان کے سردار ہیں وہ روح کو اپنی نگرانی میں لے لیتے ہیں ان کا مکمل

تذکرہ سورۂ نازعات میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا (1)وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطًا (2)وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا (3)فَالسَّابِقَاتِ سَبْقًا (4)فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا (5)

ترجمہ:''جوڑوں میں گھس کر (سختی سے جان) نکالنے والوں کی قسم ہے۔اور بند کھولنے والوں کی۔اور تیزی سے تیرنے والوں کی۔پھر دوڑ کر آگے بڑھ جانے والوں کی۔پھر ہر اَمر کی تدبیر کرنے والوں کی۔''(سورۂ النازعات،آیت نمبر 1 تا 5)

آیت نمبر 5 کے متعلق حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:

''فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا کی یہ تفسیر روایت کی کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ملک الموت کے ساتھ میت کے پاس قبض روح کے وقت حاضر ہوتے ہیں۔ان میں سے کوئی روح کو لے کر چڑھتا ہے اور کوئی آمین کہتا ہے،کوئی نماز جنازہ ہونے تک میت کے لئے استغفار کرتا رہتا ہے۔

اسی آیت کے آخری الفاظ بڑے قابلِ غور ہیں''ربکم ترجعون''''اپنے رب کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔''اب آخری آیت جو معترض نے پیش کی وہ دیکھ لیں جو آخری مرحلے کے طور پہ سمجھ لیں کہ روح کی اصل قبض وحفظ کہاں ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۴۲)

ترجمہ:''اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہ مریں انہیں ان کے سوتے میں۔پھر جس پر موت کا حکم فرما دیا اُسے روک رکھتا ہے اور دوسری ایک میعاد مقرر تک چھوڑ دیتا ہے۔بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں سوچنے والوں کے لیے۔''

آخری مرحلے کے طور پہ اللہ ہی کے پاس روحوں کا حفظ وقبضہ ہے۔اس آیت کے ان الفاظ پہ غور کریں تاکہ بات روشن ہوجائے:

فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى

ترجمہ:''جس پر موت کا حکم فرما دیا اسے روک رکھتا ہے اور دوسری ایک میعاد مقرر تک چھوڑ دیتا ہے۔''

یہاں بات واضح ہے کہ آخر اللہ کے قبضہ وحفظ میں ارواح ہونگی اور وہی انہیں روک رکھتا ہے۔

دوسرا قرانی اُسلوب بھی جا بجا ایسا ہے کہ اللہ چونکہ احکم الحاکمین ہے وہ بلاواسطہ امور کی نسبت واسناد اپنی طرف فرماتا ہے جیسے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

ترجمہ: ''کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے۔''

اسی طرح دیگر بہت سے اُمور جن کا ذکر کثرت سے موجود ہے۔ان اُمور کے متعلق اللہ ہی نے فرشتے تدبیر کے لیے مقرر فرمائے ہیں مگر اللہ ان کے ذکر کیے بغیر اپنی طرف فرمالیتا ہے۔اس قرآنی اُسلوب کو بھی نہ سمجھے بغیر درست تفہیم مشکل ہے۔للہ اس کا بہتر علم رکھنے والا ہے اللہ ہمیں بھی سمجھ عطا فرمائے آمین۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 89 کا جواب
جب صرف انسان کو جنم دینے والی ماں ھے
تو نبی ﷺ کی بیویاں کیسے ماں بنیں؟

ترجمہ: ''ماں صرف وہی ہے جو آپ کو جنم دے'' (سورۃ المجادلہ، آیت نمبر 2)

ترجمہ: ''نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں'' (سورۃ الاحزاب، آیت نمبر 6)

معترض نے دو آیات ادھورا ترجمہ پیش کر کے فضاد ثابت کرنا چاہا۔ پہلی یہ کہ ماں صرف وہی ہے جو آپکو جنم دے، دوسری یہ کہ نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں، ہم اس اعتراض کا مسکت جواب دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

اَلَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِہِمۡ مَّا ہُنَّ اُمَّہٰتِہِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّہٰتُہُمۡ اِلَّا الّٰٓیِٴۡ وَلَدۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّہُمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ مُنۡکَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَ زُوۡرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ (۲)

ترجمہ: ''وہ جو تم میں اپنی بیبیوں کو اپنی ماں کی جگہ کہہ بیٹھتے ہیں، وہ ان کی مائیں نہیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بے شک بُری اور نری جھوٹ بات کہتے ہیں اور بیشک اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔'' (سورۃ المجادلہ، آیت نمبر 2)

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ اَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ ؕ وَ اُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ فِیۡ کِتٰبِ اللّٰہِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓئِکُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الۡکِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا (۶)

ترجمہ: ''یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں اور رشتہ والے اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں بہ نسبت اور مسلمانوں اور مہاجروں کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں پر کوئی احسان کرو یہ کتاب میں لکھا ہے۔''

(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر 6)

ان آیات میں بھی کوئی تعارض نہیں۔ پہلی آیت میں جو اپنی بیویوں کو اپنی مائیں کہہ دیتے

تھے، ان کا رد ہے کہ یہ تمہاری مائیں نہیں ہیں بلکہ جس نے تمہیں جنا ہے وہ ہی تمہاری مائیں ہیں اس اعتبار سے تم پہ اپنی ماؤں سے نکاح کی اللہ نے حرمت بیان کی ہے اور یہ حرمت اس تعلق کے اعتبار سے ہے جو تم میں اور تمہاری ماں کے درمیان پاکیزگی اور شفقت کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے ایسا انسانی فطرت کے تقاضوں کے خلاف ہے کہ تم اپنی ماں سے نکاح کرو۔ یہ بات تو انتہائی غیر فطری ہے اور تمہارے باپوں کے لیے اذیت ہے۔

دوسری آیت میں اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو مسلمانوں کی جان سے بھی زیادہ ان کے مالک قرار دیا ہے جو قریبی تمام رشتوں سے بھی عزیز اور اقرب ہے۔ اور آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو مومنین کی مائیں، روحانی مائیں قرار دیا ہے۔ سورۂ النساء کی آیات ملاحظہ ہوں:

حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنَاتُكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ وَعَمّٰتُكُمۡ وَخٰلٰتُكُمۡ وَبَنَاتُ الۡاَخِ وَبَنَاتُ الۡاُخۡتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمۡ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىۡ فِىۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ وَحَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ ۙ وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں (ف ۶۴) اور بیٹیاں (ف ۶۵) اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں (ف ۶۶) اور تمہاری مائیں جنہوں نے دودھ پلایا (ف ۶۷) اور دودھ کی بہنیں اور عورتوں کی مائیں (ف ۶۸) اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں (ف ۶۹) اُن بی بیوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو تو پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں حرج نہیں (ف ۷۰) اور تمہاری نسلی بیٹوں کی بیبیں (ف ۷۱) اور دو بہنیں اکٹھی کرنا (ف ۷۲) مگر جو ہو گزرا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اسی طرح اللہ کریم نے نبی محتشم کی ازواجِ مطہرات کو بھی مومنین کی مائیں قرار دیا ہے۔

یہاں اس آیت میں اگر آپ غور کریں تو آپ پر ظاہر ہو جائے گا کہ معترض کتنا کم علم اور کم فہم ہے۔ وہ یہ دجل کاری کرنا چاہ رہا ہے کہ صرف ماں وہی ہے جس کے بطن سے پیدا ہوئے

حالانکہ یہاں اس سورۃ النساء میں

"وَاُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیۡۤ اَرۡضَعۡنَکُمۡ"

ترجمہ: ''اور تمہاری مائیں جنہوں نے دودھ پلایا''

اب معترض کی عقل پر سر پیٹا جا سکتا ہے کہ جناب وہاں تو بیوی کو ماں کہنے کی نفی کے طور پر تمہیں سمجھایا گیا ہے کہ تمہاری اصل مائیں وہ ہیں جن سے تمہاری پیدائش ہوئی اور اس کی وارثت کے تم وارث، دوسرا ان کے ساتھ تمہارا نکاح حرام۔ بقول علامہ اقبال ؎

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکُشی کرے گی

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہو گا

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 90 کا جواب
جب اہلِ کتاب کا کھانا حلال ہے، پھر کیوں صرف اللہ کے نام پڑھونے والا ذبیحہ کھانے کی تلقین ہے؟

ترجمہ: ''یہودیوں اور عیسائیوں کا (غیر حلال) کھانا حلال ہے'' (سورۃ المائدہ، آیت نمبر 5)

ترجمہ: ''صرف وہی کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو'' (سورۃ الانعام، آیت نمبر 118)

اَلۡیَوۡمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمۡ ۪ وَ طَعَامُکُمۡ حِلٌّ لَّہُمۡ ۫ وَ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الۡمُؤۡمِنٰتِ وَ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ اِذَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ مُحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ وَ لَا مُتَّخِذِیۡۤ اَخۡدَانٍ ؕ وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُہٗ ۫ وَ ہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۵﴾

ترجمہ: ''آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال ہوئیں اور کتابیوں کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے اور پارسا عورتیں مسلمان اور پارسا عورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی جب تم انہیں ان کے مہر دو قید میں لاتے ہوئے نہ مستی نکالتے اور نہ آشنا بناتے اور جو مسلمان سے کافر ہو اس کا کیا دھرا سب اکارت گیا اور وہ آخرت میں زیاں کار ہے۔''

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر 5)

فَکُلُوۡا مِمَّا ذُکِرَ اسۡمُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ بِاٰیٰتِہٖ مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: ''تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو۔''

(سورۃ الانعام، آیت نمبر 118)

ان آیات میں کوئی تضاد نہیں۔ اللہ نے پاک چیزوں کو حلال قرار دیا ہے اور اہلِ کتاب کا ذبیحہ بھی سورۃ مائدہ میں حلال فرما دیا ہے۔

اس کے علاوہ سورۂ انعام کی آیت میں اس ذبیحہ کو کھانے کا حکم ہے جس پر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔اس کو سمجھنا انتہائی آسان ہے کہ ان کا ذبیحہ حلال کس صورت میں ہے جو صرف سوال کے جواب سے عیاں ہو جائے گا۔

کیا خود مسلمانوں کے ہاتھ کا ذبیحہ اللہ کا نام لیے بغیر حلال ہے؟

جواب نہیں، تو پھر ان کا ذبیحہ اس شرط کے بغیر کیونکر درست قرار پائے گا۔اس لیے علماءِ حق نے اس کی صراحت فرما دی ہے کہ ان شرائط کے بغیر ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

* اہل کتاب کے ہاتھوں سے ذبح ہو۔
* ذبح ہونے والا جانور اسلام میں حلال ہو، حرام نہ ہو۔
* اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح ہو۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 91 کا جواب
حرمت والے مہینے چار ھیں یا ایک؟

ترجمہ: ''حرمت والے چار مہینے ہیں'' (سورۃ التوبہ، آیت نمبر 36)

ترجمہ: ''ایک مہینہ ہے'' (سورۃ المائدہ، آیت نمبر 2)

معترض نے حرمت کے مہینے کے تعلق سے دو آیات کا ترجمہ کاٹ کر پیش کیا اور کہا کہ اس میں تضاد ہے۔ ہم اس دجل کا جواب مکمل آیات کا ترجمہ درج کر کے پیش کر دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ-ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً-وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ(۳۶)

ترجمہ: ''بیشک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں، جب سے اس نے آسمان و زمین بنائے ان میں سے چار حرمت والے ہیں، یہ سیدھا دین ہے تو ان مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو اور مشرکوں سے ہر وقت لڑو جیسا وہ تم سے ہر وقت لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔'' (سورۃ التوبہ، آیت نمبر 36)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىٕرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْیَ وَ لَا الْقَلَآىٕدَ وَ لَاۤ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا-وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا-وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا-وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى-وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ-وَ اتَّقُوا اللّٰهَ-اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ(۲)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! حلال نہ ٹھہرا لو اللہ کے نشان اور نہ ادب والے مہینے اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی

قربانیاں اور نہ جن کے گلے میں علامتیں آویزاں اور نہ ان کا مال آبرو جو عزت والے گھر کا قصد کر کے آئیں اپنے رب کا فضل اور اس کی خوشی چاہتے اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر سکتے ہو اور تمھیں کسی قوم کی عداوت کہ انھوں نے تم کو مسجدِ حرام سے روکا تھا زیادتی کرنے پر نہ اُبھارے اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔'' (سورۃ المائدہ، آیت نمبر 2)

ان آیات میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے سوائے معترض کے کیے گئے ترجمے میں، جو اس کا خودساختہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں جس ''شھر الحرام'' کے متعلق مجمل ارشاد فرمایا اس کی تفصیل دوسری سورۂ توبہ میں کر دی کہ وہ شھر الحرام کتنے ہیں۔

مِنۡهَآ أَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ۔ ان میں چار حرمت والے ہیں یا یوں کہہ لیجیے کہ کہ چاروں حرمت والے مہینوں کا تذکرہ اور تعارف پہلے ہی کروا دیا اور دوسری آیت میں ان چاروں مہینوں کے عنوان کو ''شھر الحرام'' سے بیان کر دیا جو زبانوں کا فہمی اور جانا پہچانا اُسلوب ہے مگر معترض اس سے نابلد و ناواقف ہے کہ کسی عنوان میں یا ریاضی کی زبان میں کسی سیٹ کو ان کے ارکان کے مجموعے کا نام دیا جاتا ہے جو اس کا عنوان ہوتا ہے۔ مثال کے طور پہ اردو میں ''اسم جمع'' کو دیکھ لیں جو لفظ تو واحد ہوتا ہے مگر معنی جمع کے دیتا ہے۔ مثال کے طور پر، فوج، جماعت، لشکر اسی طرح شھر الحرام جس کے تحت چار مہینے آتے ہیں جو معروف تھے۔ مگر کیا کیجیے اگر کوئی اپنے علم پر ہی قدغن لگا دے اور اٹکل پچو لگائے۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 92 کا جواب
جب اللہ مرتدوں کی پرواہ نہیں کرتا تو سخت سزا کیوں دے گا؟

ترجمہ: ''اللہ مرتدوں کو سخت سزا دے گا'' (سورۃ الغاشیہ، آیت نمبر 23 تا 24)

ترجمہ: ''انکی پرواہ نہیں کرے گا'' (سورۃ الالممتحنہ، آیت نمبر 6)

معترض نے اس اعتراض میں بھی حسب معمول دو آیات پیش کر کے تضاد ثابت کرنا چاہا پہلی یہ کہ اللہ مرتدوں کو سخت سزا دے گا، دوسری یہ کہ انکی پرواہ نہیں کرے گا، اب ان آیات میں بندر جیسی عقل رکھنے والے ملحد کو کہاں سے تضاد دکھ گیا معلوم نہیں، خیر ہم ان دونوں آیات کا عربی متن و ترجمہ پیش کر کے وضاحت کرتے ہیں۔

اِلَّا مَنۡ تَوَلّٰی وَ کَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَیُعَذِّبُہُ اللّٰہُ الۡعَذَابَ الۡاَکۡبَرَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''ہاں جو منہ پھیرے اور کفر کرے۔ تو اسے اللہ بڑا عذاب دے گا۔''

لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡہِمۡ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰہَ وَ الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ-وَ مَنۡ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۶﴾

ترجمہ: ''بیشک تمہارے لیے ان میں اچھی پیروی تھی اسے جو اللہ اور پچھلے دن کا اُمیدوار ہو اور جو منہ پھیرے تو بیشک اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا۔'' (سورۃ الممتحنہ، آیت نمبر 6)

ان آیات میں بھی کوئی تعارض و تضاد نہیں۔ ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفر اور روگردانی پر عذاب کی وعید سنائی ہے۔ انجام اور نتیجے کے طور پر دوسری جگہ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی مرضی سے سمجھ و شعور کے بعد بھی اللہ کے رستے کے سوا کوئی اور راستہ اختیار کرلے گا تو اللہ کو بھی پھر اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ جب اس نے حزب الشیطان کے راستے کو چن لیا تو پھر اللہ غنی الحمید ہے۔

ان دونوں آیات میں ایک میں عملِ دنیا میں اختیاری ارادے کا بیان اور دوسری آیت

میں اس کا نتیجہ عذاب کی صورت میں پیش آنے کا بیان ہے، اس لیے ایک زماں و مکاں کے نہ ہونے سے بھی تعارض کی نفی ہوتی ہے۔

دوسرا اللہ کا کسی کی طرف سے رحمت کی نظر پھیر لینا بھی عذاب ہی کا استعارہ ہے۔ سو اس میں تضاد کہاں ہے؟

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 93 کا جواب
جب ایک نیکی پر بھی اَجر ملے گا تو کافروں کے سب اعمال ضائع کیوں؟

ترجمہ: ''کافروں کے سب اعمال ضائع ہیں اور وہ جہنمی ہیں'' (سورۃ التوبہ، آیت نمبر 17)

ترجمہ: ''جس نے ایک نیکی بھی کی وہ اسکے اعمال دیکھے گا'' (سورۃ الزلزلہ، آیت نمبر 7)

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ (۱۷)

ترجمہ: ''مشرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں خود اپنے کفر کی گواہی دے کر ان کا تو سب کیا دھرا اکارت ہے اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔'' (سورۃ التوبہ، آیت نمبر 17)

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (۷)

ترجمہ: ''تو جو ایک ذرّہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا۔'' (سورۃ الزلزلہ، آیت نمبر 7)

ان آیات میں بھی تضاد نہیں ہے۔ اس کے لیے جو بنیادی بات سمجھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ایمانیات کے اقرار کے بغیر نیکیوں کا اکاؤنٹ آخرت کے لیے کھلنا ممکن ہی نہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

وَالْعَصْرِ (1) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ (2) اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (3)

ترجمہ: ''زمانہ کی قسم ہے۔ بے شک انسان گھاٹے میں ہے۔ مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور حق پر قائم رہنے کی اور صبر کرنے کی آپس میں وصیت کرتے رہے۔'' (سورۃ العصر)

اس سورہ میں پہلی شرط ہی یہ ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے۔ اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آدمی بنک اکاؤنٹ کے فارم پر لکھی بنک کی بنیادی شرط کو مانے ناں اور کہے کہ میرے اکاؤنٹ میں پیسے جمع ہو رہے ہیں۔ یا پھٹی جیب میں پیسے رکھنے کے مترادف ہے جو ڈالا وہ فوراً نکل گیا اور

ضائع ہوتا گیا۔

اب اتنی سی بات جس کو سمجھ نہ آئے تو پھر بھی کوئی اسے عقل مند سمجھے تو الحفیظ والا مان وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 94 کا جواب
اللہ صرف مَردوں سے نبی بھیجتا ھے یا فرشتوں سے بھی؟

ترجمہ: ''اللہ صرف مردوں میں سے نبی بھیجتا ہے'' (سورۃ الیوسف، آیت نمبر 109)
ترجمہ: ''فرشتوں اور لوگوں میں سے بھی'' (سورۃ الحج، آیت نمبر 75)

ملحد معترض نے حسب معمول دو آیات پیش کر کے تضاد ثابت کرنا چاہا ہم بھی حسب معمول عربی متن ترجمہ درج کر کے جواب لکھتے ہیں:

وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن قَبۡلِكَ إِلَّا رِجَالٗا نُّوحِيٓ إِلَيۡهِم مِّنۡ أَهۡلِ ٱلۡقُرَىٰٓۗ أَفَلَمۡ يَسِيرُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَيَنظُرُواْ كَيۡفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِهِمۡۗ وَلَدَارُ ٱلۡأٓخِرَةِ خَيۡرٞ لِّلَّذِينَ ٱتَّقَوۡاْۚ أَفَلَا تَعۡقِلُونَ

ترجمہ: ''آپ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں جتنے رسول بھیجے ہیں سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی نازل فرماتے گئے*۔ کیا زمین میں چل پھر کر اُنھوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیسا کچھ انجام ہوا؟ یقیناً آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لئے بہت ہی بہتر ہے، کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔'' (سورۃ الیوسف، آیت نمبر 109)

ٱللَّهُ يَصۡطَفِي مِنَ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةِ رُسُلٗا وَمِنَ ٱلنَّاسِۚ إِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعُۢ بَصِيرٞ

ترجمہ: ''فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہونچانے والوں کو اللہ ہی چھانٹ لیتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔'' (سورۃ الحج، آیت نمبر 75)

افسوس صد افسوس ہے معترض پر کہ وہ بہت ہی سادہ اور عام فہم باتوں کو بھی سمجھنے سے قاصر ہے اور ڈھنگے بڑے بڑے مارنے پہ اترا ہے۔ اسلام اور قرآن پر اعتراض کرنے نکلا مگر نہ قرآن کو سمجھے اور نہ اسلام کے فلسفے سے واقف۔ بس بھان متی کا کنبہ بنانے پر راضی خیر اللہ سمجھ دے آیئے اس دجل کاری کا جائزہ لیں۔

سب سے پہلی اور بنیادی بات تو کلام الٰہی کی اقسام کو سمجھنا ضروری ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ (الشوریٰ: 51)

ترجمہ: ''کسی بشر کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس سے (رُوبرو ہوکر) بات کرے، مگر دل میں بات ڈال کر یا پردے کے پیچھے یا کسی پیغامبر (فرشتے) کو بھیج کر جو اللہ کی اجازت سے جو اللہ چاہے وحی نازل کرے۔''

دوسری بات کہ اللہ تعالیٰ جس کے ذریعے وحی بھیجتا ہے مذکورہ بالا آیت میں وہ فرشتوں کی جنس سے ہے اور وحی دے کر بھیجے جانے کے اعتبار سے انہیں رسول کہا گیا ہے۔ اور ساتھ جس کی طرف بھیجا گیا ہے یعنی وہ چنی ہوئی برگزیدہ ہستیاں بھی بیان کر دیں (یہ بات وحی کے تناظر اور نبوت کے عنایت کے ضمن میں ہے) ایک اور آیت اس اعتبار سے ملاحظہ فرمائیں:

(وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۔ قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا) (بنی اسرائیل، 94,94)

جب وحی کا نزول ہوا، تو اسی باعث لوگوں نے ایمان قبول نہیں کیا کہ وہ کہتے تھے کہ کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا دیا ہے؟ کہیے کہ فرشتے اگر زمین میں مطمئن ہوکر چلا کرتے، تو ہم آسمانوں سے ایک فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ اس سے یہ بات وحی کے ضمن میں طے شدہ ہے کہ فرشتہ لاتا اور کسی اولی العزم بشر کی طرف لاتا۔ اس آیت میں ٱللَّهُ يَصْطَفِى مِنَ ٱلْمَلَـٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ ٱلنَّاسِ واضح موجود ہے کہ اللہ نے رسل ملائکہ میں سے بھی، اولی العزم انسانوں میں سے بھی منتخب فرمائیں ہیں۔

اب ''ملائکہ'' اور ''الناس'' ایک عنوان ہیں ان میں سے کونسے فرشتے اور کونسے انسان منتخب فرمائے گئے؟ چونکہ فرشتے میں جنس کا کوئی معاملہ نہیں البتہ درجات کا معاملہ ضرور ہے تو ان کا بھی جا بجا ارشاد فرما دیا۔ اسی طرح جب ''الناس'' فرمایا تو یہاں جنس کا بھی فرق ہے اس لیے اس کو بھی واضح کر دیا:

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِىٓ إِلَيْهِم مِّنْ أَهْلِ ٱلْقُرَىٰٓ

ترجمہ: ''آپ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں جتنے رسول بھیجے ہیں سب مرد ہی تھے۔''

اب بتائیے کہاں تضاد ہے معترض کی عقل میں یا آیات میں؟

وماتوفیق الاباللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 95 کا جواب
زمین کلام کرے گی یا زمین سے نکلنے والا جانور کلام کرے گا؟

ترجمہ: ''ہم زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو آیات جھٹلانے والوں سے کلام کرے گا''
(سورۂ النمل، آیت نمبر 82)

ترجمہ: ''زمین بھی کلام کرے گی جو ہم اسے وحی بھیجیں گے'' (سورۂ الزلزلہ، آیت نمبر 5)

معترض نے حسب معمول دو آیات پیش کر کے تضاد ثابت کرنا چاہا ہے۔ ہم بھی معمول کے مطابق عربی متن مع ترجمہ درج کر کے جواب لکھتے ہیں،:

وَإِذَا وَقَعَ ٱلْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ ٱلْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ ٱلنَّاسَ كَانُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا لَا يُوقِنُونَ (سورہ نمل 82)

ترجمہ: ''جب ان کے اُوپر عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے گا، ہم زمین سے ان کے لیے ایک جانور نکالیں گے، جو ان سے باتیں کرتا ہو گا جو لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔''
(سورۂ النمل، آیت نمبر 82)

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا (۴) بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا (۵)

ترجمہ: ''اس روز وہ اپنے حالات بیان کر دے گی۔ کیونکہ تمہارے پروردگار نے اس کو حکم بھیجا''
(سورۂ الزلزلہ، آیت نمبر 5)

ان آیات میں دو مختلف واقعات کی وضاحت کی گئی ہے جیسا کہ تراجم سے عیاں ہے اس میں سورۂ نمل میں دابۃ الارض کا ذکر قیامت سے قبل قریب ترین نشانی کے طور پہ بیان کیا گیا ہے۔

دابۃ الارض سے مراد: یہ دابہ وہی ہے جو قرب قیامت کی علامات میں سے ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا (قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو، ان میں ایک جانور کا نکلنا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفتن،باب فی الآیات التی تکون قبل الساعۃ،والسنن)

دوسری آیت میں قیامت کے ظہور کا احوال ہے جیسا کہ سورۂ زلزلہ میں ہے:

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا (4) بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا (5)

ترجمہ:''اس روز وہ اپنے حالات بیان کردے گی۔کیونکہ تمہارے پروردگار نے اس کو حکم بھیجا''

(سورۂ الزلزلہ،آیت نمبر 4 تا 5)

اس سورہ کے سیاق وسباق کو پڑھ لیں کہ قیامت کے دن کے احوال بیان کیے ہیں جب مردے قبروں سے نکالے جائیں گے ان کا حساب وکتاب لیا جائے گا۔اوراس آیت کے مطابق زمین کو حکم دیا جائے گا کہ لوگوں کے احوال وافعال بیان کردو جو یہ تمہاری پشت پر کرتے رہے ہیں آج ان کو ان کے سامنے بیان کردو!۔

ان آیات میں نہ تو تضاد ہے نہ ہی تعارض۔اللہ سب کو سمجھ عطا فرمائے آمین

وما توفیق الا باللہ



(نوٹ ملحد معترض نے اعتراض نمبر 96 میں وھی اعتراض کیا ھے جو اعتراض نمبر 21 میں کیا تھا۔لھٰذا قارئین اعتراض نمبر 96 کا جواب وھیں ملاحظہ فرمائیں)



ملحدین کے اعتراض نمبر 97 کا جواب مشرک باپوں سے دوستی نہ کرو لیکن مشرک ماں باپ سے حسنِ سلوک کرو۔

ترجمہ: ’’مشرک باپوں اور بھائیوں سے دوستی نہ رکھو‘‘ (سورۂ التوبہ، آیت نمبر 23)

ترجمہ: ’’مشرک ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرو‘‘ (سورۂ لقمان، آیت نمبر 15)

ان دونوں آیات کو معترض نے تضاد بنا کر پیش کیا ہے ہم اس کا علمی جائزہ لیتے ہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ وَاِخۡوَانَكُمۡ اَوۡلِيَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡكُفۡرَ عَلَى الۡاِيۡمَانِ‌ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ‏ (۲۳)

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں۔‘‘ (سورۂ التوبہ، آیت نمبر 23)

وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا‌ وَصَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا‌ وَّاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَىَّ‌ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ‏ (۱۵)

ترجمہ: ’’اور اگر وہ دونوں تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں تو اُن کا کہنا نہ مان اور دنیا میں اچھی طرح اُن کا ساتھ دے اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا پھر میری ہی طرف تمہیں پھر آنا ہے تو میں بتادوں گا جو تم کرتے تھے۔‘‘

(سورۂ لقمان، آیت نمبر 15)

ان دونوں آیات میں بھی کوئی تضاد نہیں۔ سورۂ توبہ آیت نمبر 23 میں جو ارشاد ہوا اس کا مطلب یہ ہے کہ:

کفار سے موالات یعنی قلبی محبت کا تعلق جائز نہیں چاہے ان سے کوئی بھی رشتہ ہو۔

کفار اور مشرکین سے محبت کا تعلق رکھنا منع ہے اور بغیر محبت کے معاملات جائز ہیں۔ اس

آیت میں تمام مومنین سے خطاب ہے اور اس کا حکم قیامت تک باقی ہے اور اس آیت میں مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرما دیا ہے، لیکن مسلمان ملکوں میں جو کافر مسلمانوں کی اجازت سے رہتے ہیں ان کے ساتھ خرید وفروخت، مزدوری کرنے اور مزدوری کرانے اور ملکی، ملی اور سماجی اُمور میں ان سے تعاون کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے دوستی اور محبت رکھنے سے منع کیا ہے، اس آیت میں فرمایا ہے: تم اپنے کافر باپ دادا اور بھائیوں سے دوستی اور محبت نہ رکھو۔ اور فرمایا، تم میں سے جو لوگ ان کو دوست بنائیں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا، وہ لوگ مشرک ہیں کیونکہ جو شخص شرک کے ساتھ راضی ہوا وہ مشرک ہے لیکن یہ اس پر محمول ہے کہ جب وہ ان کے شرک کی وجہ سے ان کو پسند کرے ان سے محبت کرے۔ رہی بات ان مشرکین کی جنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ نہ قتال کیا نہ کوئی اور ظلم کیا ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ اللہ کریم کا ارشاد ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ

ترجمہ: ''اللہ تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ برتو، بیشک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں'' (سورۂ الممتحنہ، آیت نمبر 8)

دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو مسلمان تو نہیں ہوئے اور مسلمان ہونے والوں سے کوئی بغض کوئی حسد بھی نہیں رکھتے تھے۔ نہ دین کے معاملہ میں ان سے لڑے، نہ ان کو ستانے اور نکالنے میں کفار و مشرکین کے مددگار بنے۔ اس قسم کے کافروں کے ساتھ بھلائی اور خوش اخلاقی سے پیش آنے کو اسلام نہیں روکتا۔ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور دنیا کو دکھلا دو کہ اسلامی اخلاق کا معیار کس قدر بلند ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اگر کافروں کی ایک قوم مسلمانوں سے برسر پیکار ہے تو تمام کافروں کو بلا تمیز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دیں۔ ایسا کرنا حکمت و انصاف کے خلاف ہوگا۔ اسلام محنت اور امن کا پیغام دیتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے ماں باپ کافر ہیں تو ان سے صلہ رحم کرنا اور کافر رشتہ داروں

سے حسن سلوک کرنا بھی جائز ہے۔جیسا کہ معترض کی پیش کردہ دوسری آیت کو ملاحظہ فرمائیں:

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ(۱۵)

ترجمہ:''اور اگر وہ دونوں تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں تو اُن کا کہنا نہ مان اور دنیا میں اچھی طرح اُن کا ساتھ دے اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا پھر میری ہی طرف تمہیں پھر آنا ہے تو میں بتادوں گا جو تم کرتے تھے۔''

(سورۂ لقمان،آیت نمبر 15)

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اگر کسی شخص کے ماں باپ کافر ہوں اور تنگ دست ہوں تو اس کو چاہیے کہ جہاں تک اس کے لیے ممکن ہو وہ ان کی مالی امداد کر کے ان کی خدمت کرتا رہے۔
حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق (رضی اللہ عنہا) بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس ان کی ماں آئیں اور وہ مشرکہ تھیں، اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مشرکین سے معاہدہ کیا ہوا تھا اور ان کی ماں کے والد سے بھی معاہدہ تھا۔وہ کہتی ہیں کہ میں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ مسئلہ معلوم کیا اور میں نے کہا میری ماں میرے پاس آئی ہے اور وہ اسلام سے اعراض کرنے والی ہے! آپ نے فرمایا:''تم اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحم کرو۔''
(صحیح البخاری رقم الحدیث:٥٩٧٩، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٦٦٨، صحیح مسلم رقم الحدیث:١٠٠٣)

اب ان آیات میں معترض کو کہاں سے تضاد نظر آ گیا؟ معلوم نہیں،۔

لہٰذا ان آیات کی وضاحت کے بعد ثابت ہوا ان آیات میں کوئی تضاد نہیں۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 98 کا جواب
عیسائیوں کو دوستی میں قریب پاؤ گے لیکن ان سے دوستی مت کرو!

ترجمہ: ''تم عیسائیوں کو دوستی کے قریب پاؤ گے'' (سورۃ المائدہ، آیت نمبر 82)

ترجمہ: ''تم عیسائیوں سے دوستی نہ رکھو'' (سورۃ المائدہ، آیت نمبر 51)

سیاق وسباق سے ہٹ کر ان دو آیات کو پیش کر کے معترض نے تضاد ثابت کرنا چاہا ہے۔ پہلی یہ کہ تم عیسائیوں کو دوستی کے قریب پاؤ گے، دوسری یہ کہ تم عیسائیوں سے دوستی نہ رکھو، ہم عربی متن وترجمہ درج کر کے اعتراض کا جائزہ لیتے ہیں:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (۸۲)

ترجمہ: ''ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے اور ضرور تم مسلمانوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان کو پاؤ گے جو کہتے تھے ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور یہ غرور نہیں کرتے۔'' (سورۃ المائدہ، آیت نمبر 82)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؔۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۵۱)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے۔ بیشک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا۔'' (سورۃ المائدہ، آیت نمبر 51)

ان دونوں آیات میں بھی کوئی تضاد نہیں۔ آیئے سب سے پہلے سورۃ مائدہ کی آیت نمبر 82 کی وضاحت اور اس کا شان نزول بیان کرتے ہیں:

ترجمہ: ''ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے اور ضرور تم مسلمانوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان کو پاؤ گے جو کہتے تھے ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور یہ غرور نہیں کرتے۔'' (سورۃ المائدہ، آیت نمبر 82)

اس آیت کریمہ میں ان کی مدحت ہے جو زمانہ اقدس تک حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے دین پر رہے اور سید عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت کا علم ہونے پر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لے آئے۔ چنانچہ جیسا کہ امام ابن جریر (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ ان عیسائیوں سے مراد عام عیسائی نہیں بلکہ ان کا وہ مختصر گروہ مراد ہے جو ان عقائد کا پابند تھا جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے انہیں سکھائے تھے۔ اناس من اھل الکتاب کانوا علی شریعۃ من الحق مما جاء عیسی یؤمنون بہ وینھون الیہ۔ (تفسیر ابن جریر) انہیں میں حق قبول کرنے کی صلاحیت موجود تھی۔ ان کی نگاہوں میں ہی نور ہدایت کو دیکھنے کی قوت تھی۔

اب اس آیت کا شان نزول ملاحظہ فرمائیں:

ابتدائے اسلام میں جب کفار قریش نے مسلمانوں کو بہت ایذائیں دیں تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے گیارہ مرد اور چار عورتوں نے سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ تمام حضرات اعلان نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں بحری سفر کر کے حبشہ پہنچے۔ اس ہجرت کو ''ہجرت اولیٰ'' کہتے ہیں۔ ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے پھر اور مسلمان روانہ ہوتے رہے یہاں تک کہ بچوں اور عورتوں کے علاوہ مہاجرین کی تعداد بیاسی (82) مردوں تک پہنچ گئی۔ جب قریش کو اس ہجرت کا علم ہوا تو انھوں نے چند افراد کو تحفہ تحائف دے کر نجاشی بادشاہ کے پاس بھیجا۔ ان لوگوں نے دربار شاہی میں باریابی حاصل کر کے بادشاہ سے کہا کہ ہمارے ملک میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور لوگوں کو نادان بنا ڈالا ہے۔ ان کی جماعت جو آپ کے ملک میں آئی ہے وہ یہاں فساد انگیزی کرے گی اور آپ کی رعایا کو باغی بنائے گی۔ ہم آپ کو خبر دینے کے لئے آئے ہیں اور ہماری قوم درخواست کرتی ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کیجئے۔ نجاشی بادشاہ نے کہا: ''پہلے ہم ان لوگوں سے گفتگو کر لیں باقی بات بعد میں دیکھیں گے۔'' یہ کہہ کر اس نے مسلمانوں کو طلب کیا اور ان سے دریافت کیا کہ تم حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے

ہو۔ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول، کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں اور حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کنواری پاک ہیں۔'' یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک لکڑی کا ٹکڑا اُٹھا کر کہا: ''خدا عزوجل کی قسم تمہارے آقا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام میں اتنا بھی نہیں بڑھایا جتنی یہ لکڑی، (یعنی حضور صلی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد کلام عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے بالکل مطابق ہے)'' یہ دیکھ کر مشرکین مکہ کے چہرے اُتر گئے۔ پھر نجاشی نے قرآن شریف سننے کی خواہش کی تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ مریم تلاوت کی۔ اُس وقت دربار میں نصرانی عالم اور درویش موجود تھے، قرآن پاک سن کر بے اختیار رونے لگے۔ پھر نجاشی نے مسلمانوں سے کہا: ''تمہارے لئے میری سلطنت میں کوئی خطرہ نہیں۔'' مشرکین مکہ اپنے مقصد میں ناکام ہو کر واپس پلٹے اور مسلمان نجاشی کے پاس بہت عزت و آسائش کے ساتھ رہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے نجاشی کو دولت ایمان کا شرف حاصل ہوا۔ اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

(خازن، المائدۃ، تحت الایۃ: ۸۲، ۱/ ۵۱۸)

اب معترض کی پیش کردہ دوسری آیت کو ملاحظہ فرمائیں:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے۔ بیشک اللہ ظالم قوم کو راہ نہیں دیتا۔'' (سورۂ المائدہ، آیت نمبر 51)

یہ آیت ان عیسائیوں، یہودیوں کے لیے نازل ہوئی جو صاحبِ کتاب ہونے کے باوجود کتاب میں تحریف کرنے والے، قانون الٰہی کے منکر بلکہ اس کے باغی ہیں، اس کا شانِ نزول بیان کیا جاتا ہے، جس سے بات مزید واضح ہو جائے گی:

یہ آیت حضرت عبادہ بن صامت صحابی اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے حق میں نازل ہوئی جو منافقین کا سردار تھا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہود میں میرے بہت کثیر التعداد دوست ہیں جو بڑی شوکت وقوت والے ہیں۔ اب میں ان کی دوستی سے بیزار ہوں اور اللہ و رسول کے سوا میرے دل میں اور کسی کی محبت کی گنجائش نہیں۔ اس پر عبداللہ بن ابی نے کہا کہ میں تو یہود کی دوستی سے بیزاری نہیں کر سکتا، مجھے پیش آنے والے حوادث کا اندیشہ ہے اور مجھے ان کے ساتھ

رسم وراہ رکھنی ضرور ہے، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ یہ یہود کی دوستی کا دم بھرنا تیرا ہی کام ہے، عبادہ کا یہ کام نہیں۔اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(خازن)

لہٰذا دونوں آیات کے نزول کا الگ الگ سبب ہے اور ہم نے تضاد کی جو منطقی شرائط ہیں وہ اعتراض نمبر ایک کے جواب میں درج کیے ہیں، جو وحدات ثمانیہ کہلاتی ہیں اس کی روشنی میں بھی تضاد ثابت نہیں ہوتا۔

تو ثابت ہوا یہ اعتراض معترض کی لاعلمی جہالت کے سوا کچھ نہیں۔

وما توفیق الا باللہ



ملحدین کے اعتراض نمبر 99 کا جواب مسلمانوں اور کافروں کا معبود ایک ہے یا علیحدہ علیحدہ؟

ترجمہ: ''ہمارااورتمہارا(غیر مسلم کا) ایک ہی معبود ہے'' (سورۃ العنکبوت، آیت نمبر 46)

ترجمہ: ''میرا اپنا معبود ہے اور تمہارا اپنا معبود ہے'' (سورۃ الکافرون، آیت نمبر 3 تا 4)

ان آیات کو پیش کر کے معترض اپنی دجل کاری کو تضاد بیانی کی صورت دے کر عام کرنا چاہتا ہے۔ ہم اس کی دجل کاری کا جائزہ لیتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

وَلَا تُجَٰدِلُوٓاْ أَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ إِلَّا بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُ إِلَّا ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ مِنۡهُمۡۖ وَقُولُوٓاْ ءَامَنَّا بِٱلَّذِيٓ أُنزِلَ إِلَيۡنَا وَأُنزِلَ إِلَيۡكُمۡ وَإِلَٰهُنَا وَإِلَٰهُكُمۡ وَٰحِدٞ وَنَحۡنُ لَهُۥ مُسۡلِمُونَ

ترجمہ: ''اور اہل کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو مگر ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا اور صاف اعلان کر دو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے اور جو ہم پر اُتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر اُتاری گئی۔ ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں''

(سورۃ العنکبوت، آیت نمبر 46)

لَآ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَآ اَعۡبُدُ (۳) وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ (۴)

ترجمہ: ''اور نہ تم عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں اُس کی عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو'' (سورۃ الکافرون، آیت نمبر 3 تا 4)

ان آیات میں بھی کوئی تعارض نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ معترض علم کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ چلیں یہ لوگ قرآن سے تو مانا الرجک صحیح نہیں تو کم از کم دوسرے علوم ہی پڑھ لیتے انتھروپالوجی (علم الانسان) اور میتھالوجی (اساطیر) کے علم سے ہی کچھ نہ کچھ واقف ہو جاتے

اس سے یہ فرق پڑتا کہ یہ خود بھی گمراہی سے بچ جاتے، اور دوسروں کے لیے بھی گمراہی کا سبب نہ بنتے۔ شاید ہی کوئی ایسا مذہب ہو جس میں خدائے واحد کا ذکر کسی نہ کسی صورت میں موجود نہ ہو، خصوصاً الہامی مذاہب میں تو اس کی بنیاد ہی توحید ہے گو کہ بعد میں لوگوں نے اس میں اپنی طرف سے من گھڑت تصورات ڈال دیئے وگرنہ تمام الہامی مذاہب میں معبود برحق کا عقیدہ موجود تھا۔ اس لیے ان مذاہب کے لیے اہل کتاب کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔

اور پہلی آیت میں جب ان سے گفتگو اور افہام و تفہیم کے لیے جو بنیادی اُصول فراہم کیا گیا ہے وہ اس توحید اور معبود واحد کا ہی ہے جسے یہ لوگ جانتے ہیں مگر ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے خودساختہ عقائد کو سامنے رکھتے ہیں۔

دوسری آیت میں ان کی جب ہٹ دھرمی حد سے گزری خصوصاً مشرکین مکہ کی اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ آفر کی کہ ''کچھ دن آپ ہمارے معبودوں کے لیے وقف کردیں اور کچھ دن ہم آپ کے رب کی عبادت کریں گے'' تو اس موقع پہ اللہ کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترغیب فرمایا:

لَآ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ(2)وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ(3)وَلَآ أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ (4)وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ(5)

ترجمہ: ''نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ اور نہ میں عبادت کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔

ان سب آیات میں ایک سے اہل کتاب کے متعلق فرمایا گیا اور دوسری آیات مکہ کے مشرکین کے لیے۔ اس طرح مخاطبین کے بدلنے سے بھی تضاد کا قضیہ ثابت نہیں ہوتا۔

وما توفیق الا باللہ



(نوٹ معترض نے 100 اعتراض کی لسٹ میں اعتراض نمبر 100 درج نہیں کیا)

